امہات المومنین

سیرتِ حضرت محمد

سیرتِ مصطفیٰ

قصص الانبیاء
امام ابن کثیر
انوار الحدیث
عجائب القرآن
غرائب القرآن
صحابہ کرام کی حقانیت

شاہراہِ ہدایت
ترجمہ
کیمیائے سعادت

گلدستۂ خواتین

8-C دربار مارکیٹ۔ لاہور

فون 042-7248657 فیکس 042-7112954
Mob: 0300-9467047 - 0321-9467047 - 0300-4505466
Email:zaviapublishers@yahoo.com

2007

بار اوّل ———— 1000

ہدیہ ———— 150 روپے

زیرِ اہتمام ———— نجابت علی تارڑ

لیگل ایڈوائزرز

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

رائے صلاح الدین کھرل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176

ملنے کے پتے

مکتبہ اہل سنت امین پور بازار، فیصل آباد **0321-6639552**

کتاب گھر، کمیٹی چوک، راولپنڈی **051-5552929**

مکتبہ قادریہ نزد چوک میلاد مصطفیٰ سرکلر روڈ گوجرانوالہ 055-4237699

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

مکتبہ یاخی سلطان حیدرآباد 0321-3025510

مکتبۃ المدینہ، فیصل آباد/ راولپنڈی/ ملتان/ حیدرآباد/ کراچی 021-2203311

اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک، راولپنڈی 0333-5205014

حنفیہ پاک پبلی کیشنز نزد بسم اللہ مسجد کھارادار کراچی

مکتبۃ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد 0333-7413467

مکتبہ قادریہ سبزی منڈی کراچی 021-4944672

مکتبہ برکات المدینہ بہادرآباد کراچی 021-4219324

عطار اسلامی کتب خانہ بازار کلاں نزد دو دروازہ سیالکوٹ 0345-6747131

مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور 042-7226193

تذکرہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

نام نامی اسمِ گرامی عبدالرحمٰن ہے لیکن دنیا علم وادب میں اپنے لقب جلال الدین کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ عبدالرحمٰن جلال الدین بن ابوبکر محمد کمال الدین بن محمد سابق الدین ہے۔ علامہ سیوطی قصبہ سیوط میں جو دریائے نیل کے مغربی کنارے پر ہے میں یکم رجب ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ مصر میں اس وقت سلاطینِ عباسیہ کا اقتدار تھا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ محترم سلطان المستنصر باللہ کے دامن سے وابستہ تھے اور اس کی اتالیقی کے فرائض چونکہ انجام دے چکے تھے اس بناء پر وہ آپ کی بہت عزت واحترام کرتے تھے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ابھی چھ سال کی عمر میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا لہٰذا تحصیل علم کے لیے علامہ شیخ کمال الدین ابن الہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آٹھ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ اسی طرح علامہ شیخ شمس سیرانی اور شیخ شمس فرومانی حنفی رحمہما اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے اور بہت سی کتابیں پڑھیں۔ آپ کے اساتذہ میں علامہ شرف الدین الغاوی اور علامہ محی الدین خلیجی رحمہما اللہ کے نام سرفہرست ہیں۔ آخر الذکر علامہ فیجی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چودہ سال تک مسلسل حاضر رہے۔ تحصیلِ علم کے بعد ۲۲ سال کی عمر میں انشا کا کام شروع کیا اور ۸۷۲ھ سے املا حدیث کا بھی شرف آپ کو حاصل ہوا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''حسن المحاضرہ'' میں خود فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سات علوم یعنی تفسیر وحدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع میں کمال عطا کیا آپ خود اپنی اسی دعا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میں نے حج کے موقعہ پر آبِ زمزم پیا اور یہ نیت کی کہ فقہ میں مجھے شیخ سراج الدین بلقینی رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا رتبہ مل جائے۔ آپ کی قوتِ حافظہ یہ کمال تھا کہ آپ کو دو لاکھ احادیث یاد تھیں۔ فرماتے ہیں اگر اس سے بھی زیادہ ملتیں تو ان کو بھی یاد کر لیتا۔ جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو آپ نے درس وتدریس، افتا، قضا وغیرہ کی مصروفیات کو ترک کر دیا۔ تجرد اور گوشہ نشینی کو اختیار کر لیا۔ تصنیف وتالیف، عبادت وریاضت اور رشد وہدایت میں باقی زندگی گزار دی۔ آپ کی دینی خدمات بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قبول ہوئیں اور سرکارِ دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا میں آپ کو یا شیخ السنہ یا شیخ الحدیث کہہ کر مخاطب فرمایا۔ شیخ شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے جب آپ سے دریافت کیا کہ سرورِ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے کتنی مرتبہ مشرف ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا ستر مرتبہ سے زیادہ۔

آپ نے ۶۳ سال کی عمر میں ۹۱۱ھ میں ایک معمولی مرض یعنی ہاتھ کے ورم کے شدت اختیار کرنے پر وفات پائی اور قصبہ سیوط مصر میں ہی دفن ہوئے۔ قارئین زیرِ نظر رسالہ ''الدر المنظم فی اسم الاعظم'' کا اردو ترجمہ ہے جس میں آپ نے قرآن وحدیث اور کئی اقوال سے اسمِ اعظم کو بیان کیا ہے۔

دعاؤں کا طالب **محمد عبدالاحد قادری**

تذکرہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کی وہ عظیم شخصیت ہیں جو تعارف محتاج نہیں دین اسلام کی خدمت کے حوالہ سے آپ کا نام نامی اسم گرامی پوری آب وتاب سے چمک رہا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا نام محمد بن محمد الغزالی ہے آپ کی وفات ۴۵۰ھ میں ضلع طوس کے ایک شہر طاہران میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے وطن میں حاصل کی۔ اسی دوران ہی آپ کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور یہ آپ کی زندگی کا مشکل ترین مرحلہ تھا لیکن اس کے باوجود تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور مزید تعلیم کے لیے نیشاپور میں تشریف لے گئے اور دنیائے اسلام کی معروف شخصیت امام الحرمین سے استفادہ کیا۔ امام الحرمین کے وصال کے بعد نیشاپور کو خیر باد کہہ دیا اور اس کے بعد شاہ وقت نظام الملک کے دربار میں پہنچے تو وہاں سینکڑوں علماء صاحبِ علم وفضل موجود تھے لیکن آپ علمی صلاحیت کی بنا پر سورج بن کر چمکے۔ اس کے بعد آپ ۴۸۴ھ میں بغداد تشریف لے گئے اور مدرسہ نظامیہ کی مسند وتدریس پر فائز ہوئے۔ تمام تذکرہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ نے عارف باللہ حضرت خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی جن کی نگاہِ کیمیا نے آپ کو قیل وقال کے کوچہ سے نکال کر عرفان الٰہی کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ اس ولی اللہ کی نگاہ نے آپ کو وہ سچا موتی بنا دیا کہ آج تمام عالم اسلام آپ کے علم نور سے فیوض وبرکات حاصل کر رہا ہے۔

آخر کار یہ اسلام کا نیر تاباں ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ کو داعی اجل کو لبیک کہتا ہوا اس جہانِ فانی سے رخصت ہوا۔ آپ کی کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی لیکن علمی کتب کی صورت میں وہ یادگار چھوڑ گئے ہیں کہ رہتی دنیا تک آپ کا نام روشن رہے گا۔ آپ کی کتب میں "المقصد الاسنٰی فی شرح الاسماء الحسنٰی" سرفہرست ہے جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء کی شرح خوبصورت الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ ادارہ آپ کی خدمت میں اس کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہے۔

ضروری وضاحت:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب میں صرف اسماء کی شرح لکھی ہے۔ مترجم نے ان اسماء کے فوائد وبرکات، دینی ودنیاوی مشکلات کے حل کے لیے اضافہ کیے ہیں۔

آپ کا خادم

نجابت علی تارڑ

فہرست

الدر المنظم فی الاسم الاعظم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی له الأسماء الحسنی والصفات العلیا، والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد المخصوص بالشفاعۃ العظمی وعلی آله وصحبه ذوي المقام الأسنی۔

مجھ (امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ) سے اسم اعظم اور اس کے متعلق احادیث کے بارے میں سوال کیا گیا، چنانچہ اس سوال کے جواب میں، میں نے ان احادیث، آثار اور اقوال کو تلاش کیا جو اس کے متعلق تھیں۔ نتیجتاً اس غور وحوض کے بعد اسم اعظم سے متعلق چند اقوال پیش کرتا ہوں۔

پہلا قول:

یہ ہے کہ اسم اعظم کا وجود ہی نہیں بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی نام ہیں وہ تمام کے تمام عظیم اور برتر ہیں اور ان میں بعض اسماء کو بعض پر فضیلت دینا جائز نہیں۔ یہ ابو جعفر طبری، ابوالحسن الاشعری، ابو حاتم ابن حبان اور القاضی ابو بکر باقلانی کی رائے ہے اور اسی طرح حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے کہ بعض اسماء الٰہی کو بعض پر ترجیح دینا جائز نہیں۔

ان حضرات کے یہاں احادیث میں جہاں اسم اعظم کے الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ عظیم اور برتری کے معنی پر محمول ہیں اور مفسر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی جو عبادت ہے تو وہاں اسم اعظم کی تعین کے سلسلہ میں احادیث اور آثار میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اور میرے (امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ) نزدیک تمام اقوال صحیح ہیں کیونکہ کوئی ایسی خبر نہیں ملی جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ اسم اعظم ہے اور نہ ہی کوئی ایسی چیز ملی جو اس سے یعنی

اسم اعظم سے بڑھ کر ہو۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے ہر نام کی توصیف کرنا اس کے اعظم ہونے کے اعتبار سے جائز ہے کیونکہ وہ صفی عظیم کی طرف لوٹا ہے۔

اور ابن حبان رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ احادیث میں اسم اعظم کے بارے میں جو کچھ مراد ہوا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب پکارنے والا ان ناموں سے پکارتا ہے تو اس پکارنے کی وجہ سے پکارنے والے کے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اس چیز کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہی ہے یعنی پکارنے والا ثواب اور پڑھنے والے کو ثواب زیادہ ملتا ہے۔

دوسرا قول:

یہ ہے کہ اسم اعظم کا شمار ان چیزوں میں ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علمی خزانہ میں پوشیدہ رکھا ہے جس پر مخلوق میں کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اس قسم کا قول لیلۃ القدر، صلاۃ الوسطیٰ اور قبولیت کی گھڑی کے متعلق کہا گیا ہے۔

تیسرا قول:

ھُوَ: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہل کشف لوگوں سے اس بات کو نقل کیا ہے اور دلیل کے طور پر یہ کہا ہے کہ اسم اعظم دراصل لفظ ''ھُوَ'' ہے اس کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ دنیا میں جب کوئی صاحب کسی غنیمت کی موجودگی میں اس شخصیت کا تعارف عظیم اور عمدہ کلام سے کرنے کا خواہاں ہو تو وہ قطعاً ''اَنتَ'' (یعنی تو) نہ کہے بلکہ وہ ''ھُوَ'' (یعنی آپ) کہے اس کا ادب کرتے ہوئے۔

چوتھا قول:

لفظ ''اللہ'' ایک ایسا اسم ہے جس پر کسی دوسرے کا اطلاق نہیں کیا جاتا کیونکہ اسماء حسنیٰ میں یہ اصل ہے اس وجہ سے اسماء حسنیٰ کو اس کی طرف نصاب کیا جاتا ہے۔

ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں: اسم اعظم ''اللہ'' ہے۔ کیا تو نے نہیں سنا؟ اللہ جل شانہ کا قول ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ہے۔

اور اس کے راوی یہ ہیں حسن بن محمد بن الصباح۔ اسماعیل ابن علیہ نے ابی رجاء سے اور انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے کتاب ''الدعاء'' میں یہ بات تحریر کی ہے اسم اعظم ''یا اللہ'' ہے اس کے راوی اسحٰق بن اسماعیل ہیں جنہوں نے سفیان بن عینیہ اور انہوں نے مسعر سے روایت کیا ہے۔

اور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم لفظ ''یا اللہ'' ہے۔

پانچواں قول:

یہ ہے کہ اسم اعظم، ''الرحمٰن الرحیم'' ہے۔ الحافظ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح لباری شرح بخاری میں اس کو نقل کیا ہے اور یہی مستند قول ہے جس کو ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسم اعظم کے بارے میں سوال کیا کہ مجھے اسم اعظم سکھایا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا: چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نماز میں مشغول ہو گئیں اور نماز کی فراغت کے بعد ان الفاظ سے دعا مانگنے لگیں:

''اے اللہ! میں تجھے پکارتی ہوں اے رحمٰن! میں تجھ سے دعا کرتی ہوں! اے رحیم! میں تجھ سے دعا کرتی ہوں اور میں تجھے تمام ناموں سے پکارتی ہوں، جو میرے علم میں ہیں اور جو میرے علم میں نہیں ہیں۔''

اس کی سند ضعیف ہے اور دلیل پر بھی اعتراض ہے لیکن میں (جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں اس سے بڑھ کر استدلال کیا ہو سکتا ہے جس کو حاکم نے

مستدرک میں نقل کیا ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو صحیح قرار دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم" کے متعلق پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کے ناموں میں سے ایسا نام ہے آنکھ کی سفیدی اور آنکھ کی سیاہی میں جتنا قرب ہے اسی طرح اس کے اور اللہ کے اسم اکبر (اعظم) کے نام کے درمیان بھی بڑا اقرب ہے۔

مسند الفردوس جو کہ دیلمی کی کتاب ہے اس میں مرفوعاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اسم اعظم "سورۃ حشر" کی آخری چھ آیات میں ہے۔

چھٹا قول:

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ہے۔

امام ترمذی وغیرہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسم اعظم ان دو آیات میں ہے:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اور "سورۃ آل عمران" کا آغاز یعنی

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَا الْحَیُّ الْقَیُّوْم۔

ساتواں قول:

یہ ہے کہ ابن ماجہ اور حضرت حاکم ابی مامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں: اسم اعظم تین سورتوں میں ہے: "البقرہ، آل عمران اور طٰہٰ" میں

قاسم، ابی امامۃ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اسم اعظم کی تلاش کی تو مجھے معلوم ہوا وہ "اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم" ہے۔

اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مضبوط بنا دیا ہے اور یہ دلیل دی ہے کہ یہ دونوں لفظ عظیم صفات پر دلالت کرتے ہیں جن پر دوسرے الفاظ ان کی طرح

دلالت نہیں کرتے۔

آٹھواں قول:

اَلْحَنَّانُ اَلْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ یَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام
کے متعلق ہے جس کے ثبوت میں

احمد، ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور اس وقت ایک شخص نماز ادا کر رہا تھا پھر اس نے یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْأَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَالْجَلَالَ وَالْاِکْرَام یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ

تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے اللہ کے عظیم یعنی اسم اعظم کے ساتھ دعا کی ہے اور جو اس کے ساتھ دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول کی جاتی ہے اور جو بھی اس کے صدقے مانگے اسے عطا کیا جاتا ہے۔

نواں قول:

بَدِیْعُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ یَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام کے متعلق منقول ہے کہ ابویعلیٰ نے السری بن یحییٰ کی سند سے اس کی تخریج کی ہے اور السری بن یحییٰ قبیلہ طیٔ کے کسی آدمی سے روایت کی ہے کہ اس کی اس پر تعریف کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ وہ مجھے اسم اعظم دکھا دے تو اس کے بعد میں نے آسمان کے ستاروں میں لکھا ہوا دیکھا:

یَا بَدِیْعُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ یَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام

دسواں قول:

ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام، کے متعلق

امام ترمذی، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے "یَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام" کہتے ہوئے سنا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ تیری دعا قبول کی گئی پس جو مانگنا ہے مانگو۔

اور اسی طرح علامہ ابن جریر "سورۂ نمل" کی تفسیر میں حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں ایسا اسم جس کے ساتھ دعا کی جائے وہ قبول کر لی جاتی ہے وہ یہ اسم ہے:

یَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام

امام فخر الدین رازی نے یہ دلیل دی ہے کہ یہ تمام صفات مقبرہ کو شامل ہے کیونکہ "الجلال" میں سلوب کی طرف اشارہ ہے جبکہ "اکرام" میں تمام اضافات کی طرف اشارہ ہے:

گیارہواں قول:

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَد ،اس عبارت کے متعلق

ابوداؤد ترمذی، ابن حبان اور حاکم حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَد

تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے عظیم نام کے صدقے سے سوال کیا ہے جب بھی کوئی اس نام سے سوال کرتا ہے تو اسے عطا کیا جاتا ہے۔

اور ابوداؤد کے نزدیک اس میں جو یہ الفاظ مذکور ہیں:

لقد سالت اللہ باسم الاعظم

اس سے اسم اعظم کا ثبوت ہے اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ سند کے اعتبار سے تمام زیادہ راجع ہے جو اس کے بارے میں آئی ہیں۔

بارہواں قول:

لفظ رب رب کے متعلق حاکم نے حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے یہ دونوں صحابی رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں: اسم اعظم ''رب رب'' یعنی اللہ کا نام ''رب'' ہے۔

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً اور موقوفاً نقل کرتے ہیں کہ جب بندہ کہے: ''یارب یارب'' تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ''**لبیک عبدی**'' اے میرے بندے! تو جو کچھ مانگتا ہے مانگ تجھے عطا کیا جائے گا۔

تیرہواں قول:

مالك الملك، اسم اعظم ہے طبرانی کبیر میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسم اعظم وہ اسم ہے جس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ وہ ''سورۃ آل عمران'' میں ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ تک۔

اس قول کے بارے میں مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا قائل کون ہے۔

چودھواں قول:

ذوالنون (یعنی حضرت یونس علیہ السلام) کی دعا کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ اسم اعظم ہے اس پر نسائی کی حدیث دلیل ہے اور حاکم نے فضالۃ بن عبید سے اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نسائی کی کی دعا جب مچھلی کے پیٹ میں تھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

جو بھی مسلمان اس کے ساتھ دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے اور علامہ ابن جریر نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ والی حدیث کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اسم وہی ہے جب اس کے ساتھ پکارا جائے تو اللہ تعالیٰ دعا قبول کرتا ہے جب اس کے صدقے سے مانگا جائے تو اللہ تعالیٰ عطا بھی کرتا ہے۔ وہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام کی دعا ہے اور حاکم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: ''کیا میں تمہیں حضرت یونس علیہ السلام کی دعا سے آگاہ نہ کروں۔'' تو کسی شخص نے پوچھا کیا یہ حضرت یونس علیہ السلام کیلئے خاص تھی تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: تو نے یہ نہیں سنا:

وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَ كَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ

ترجمہ: ہم نے اس کو غم سے نجات دی اور اسی طرح ایمان والوں کو بھی نجات دیں گے۔

ابن ابی حاتم نے کثیر بن معبد سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے اسم اعظم کے بارے میں سوال کیا تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کیا تو قرآن نہیں پڑھتا یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا قول ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' (اسم اعظم ہے)

پندرھواں قول:

کلمہ توحید اسم اعظم ہے یعنی ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' اس کو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

سولھواں قول:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے اللہ جل شانہ سے اسم اعظم کو جاننے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خواب میں دکھایا:

هُوَ اللّٰہُ اَللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمُ

سترھواں قول:

یہ اسماءِ حسنیٰ میں پوشیدہ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارکہ اس کی تائید کرتی ہے جو پہلے گزر چکی ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب بعض اسماء الحسنیٰ کے ذریعہ سے دعا کی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جن ناموں سے تم نے سوال کیا ہے ان کا شمار اسم اعظم میں ہے۔

اٹھارہواں قول:

بیشک اسم اعظم اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں میں ہے ہر نام ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اس لحاظ سے اس کا ذہن کسی اور طرف نہیں ہوتا بلکہ حالت استغراق میں دعا مانگے تو اس حالت میں جو بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے وہ دعا قبولیت کے قریب ہوتی ہے۔

ابونعیم نے حلیہ الاولیاء میں حضرت بایزید بسطامی سے نقل کیا ہے کسی شخص نے آپ (رحمۃ اللہ علیہ) سے اسم اعظم کے بارے میں سوال کیا تو آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے جواب میں فرمایا: اس کی کوئی حد نہیں، اس کی واحدنیت کو اپنے دل میں جگہ دینا یہ اسم اعظم ہے اگر تو کسی نام کو پناہ گاہ بنانا چاہے تو اسی کو لے کر مشرق ومغرب میں جا یعنی (خدا کی واحدنیت کو دل میں پیدا کر۔)

اسی طرح ابونعیم ابوسلیمان الدارانی سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے بعض مشائخ سے سوال کیا انہوں نے جواب میں کہا کہ کیا تو اپنے قلب کو جانتا ہے میں نے ہاں۔ فرمایا جب تو نے اس کو دیکھ لیا تو اللہ سے سوال کر پس یہی اسم اعظم ہے۔

اور اسی طرح ابونعیم نے ابن ربیع السائع رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ مجھے اسم اعظم سکھائیں تو آپ نے فرمایا: "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِیْم " اور اللہ کی اطاعت کر اور ہر چیز تیری اطاعت کرے گی۔

انیسواں قول:

لفظ "اَللّٰھُمَّ" اسم اعظم ہے زرکشی نے "جمع الجوامع" کی شرح میں اس کو بیان کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے: بے شک لفظ "اللہ" ذات باری تعالیٰ پر دلالت کرتا ہے جبکہ "اَللّٰھُمَّ" میں "م" ننانوے صفات پر دلالت کرتا ہے، اس کو ابن مظفر نے روایت کیا ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے بارے میں کہا ہے: "اَللّٰھُمَّ" یہ دعا کا خزانہ ہے اور النضر بن شمیل نے کہا ہے جو کہے "اَللّٰھُمَّ" تو اس نے اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء سے دعا کی ہے۔

بیسواں قول:

لفظ "الم" اسم اعظم ہے۔ علامہ حضرت ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

"الم" یہی اسم اعظم ہے اور ابن ابی حام رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: "الم" اسماء اعظم میں سے ایک اسم ہے اور ابن جریر رضی اللہ عنہ اور ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

> "الم" ایک قسم ہے۔ اللہ نے اس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم اعظم ہے۔

محمد عبدالاحد قادری
گوگڑاں، تحصیل وضلع لودھراں

المقصد الاسنٰی فی شرح اسماء الحسنٰی

مصنف:۔ امام غزالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمُتَفَرِّدِ بِکِبْرِیَائِہٖ وَعَظْمَتِہٖ الْمُتَوَحِّدِ بِتَعَالِیْہِ وَ صَمَدِیَّتِہٖ اَلَّذِیْ قَصَّ اَجْنِحَۃُ الْعُقُوْلُ دُوْنَ حِمٰی عِزَّتِہٖ وَلَمْ یَجْعَلَ السَّبِیْلَ اِلٰی مَعْرِفَتِہٖ اِلَّا بِالْعِجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِہٖ وَقَصَّرَ اَلْسِنَۃَ الْفُصَحَاءِ عَنِ الثَّنَاءِ عَلٰی جَمَالَ حَضْرَتِہٖ اِلَّا بِمَا اَثْنٰی بِہٖ عَلٰی نَفْسِہٖ وَاَحْصٰی مِنْ اِسْمِہٖ وَصِفَتِہٖ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ خَیْرِ خَلْقِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ عِتْرَتِہٖ

دینی بھائی کی خواہش کی تکمیل:

مجھ سے میرے ایک دینی بھائی نے فرمائش کی جس کی تعمیل شرعاً ضروری تھی۔ کہ میں اسماء الحسنیٰ کی شرح لکھوں مگر میں اس کے متعلق اپنے ارادے کا ایک قدم آگے رکھتا تھا۔ تو ہمت کے دو قدم پیچھے جا پڑتے۔ خدشہ یہ تھا کہ میں اس کا حق اخوت ادا کرنے کے لیے اس کام کو کر سکوں گا۔ یا اس مشکل کام کا ذمہ اٹھانے سے بچتے ہوئے اور قوت بشری کو اس مقصد کے حصول کے لیے ناکافی سمجھتے ہوئے اس سے معافی چاہوں۔ اور معافی کیوں نہ چاہتا جب کہ عقلمند شخص کو اس مشکل کام میں پڑنے سے دو باتیں مانع ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ کام فی نفسہ بڑا کٹھن اور دشوار ہے۔ کیونکہ وہ اپنی شان کے لحاظ سے بہت بڑا کام ہے، جس کے آگے عقل حیران ہے۔ اور آخری منزل تو دور کی بات ہے اس کی پہلی ہی منزل میں نگاہیں پست ہو جاتی ہیں۔ انسانوں میں یہ طاقت کہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں بحث و تحقیق کا سلسلہ چھیڑے اور چمگادڑوں کی نگاہوں میں یہ ہمت کہاں کہ مہر تاباں کا دیدار کر سکیں۔

دوم یہ کہ ذات باری تعالیٰ ﷻ کے متعلق جو کچھ کہا جائے ممکن ہے کہ وہ جمہور کے خلاف واقع ہو۔ اور لوگوں کو ان کی عادات اور مذہبی مالوفات سے باز رکھنا مشکل ہے لیکن فرمائش کا پاس اور اس دوست کے شدت اصرار نے ان عذروں کی کوئی پیش نہ جانے دی۔

فَاسْئَلِ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْ یُّسْهِلَ الصَّوَابَ۔ وَ یُجْزِلُ الثَّوَابَ۔ بِمِنَّهٖ وَ لُطْفِهٖ۔ وَ سَعَةِ جَوْدِهٖ اِنَّهُ الْكَرِیْمُ الْجُوْادُ۔ الرَّؤُفُ بِالْعِبَادِ۔

مقدمہ

مناسب یہی ہے کہ اس کتاب کو تین فنوں پر منقسم کیا جائے۔

(۱) پہلا فن: ابتدائی باتوں میں۔

(۲) دوسرا فن: مقاصد خاص میں۔

(۳) تیسرا فن: لواحق اور تتمہ جات میں۔

پہلے فن کے مضامین گویا مقاصد خاص کی تمہید ہیں۔ اور تیسرے فن کے مضامین مقاصد خاص کا تکملہ ہیں۔

فن اول میں ان باتوں کا بیان ہے:

(۱) اسم، مسمیٰ اور تسمیہ کے قول کی حقیقت۔ اور اس میں جو اکثر مذاہب کو غلط فہمی لاحق ہوئی ہے اس کا ازالہ۔

(۲) اللہ کے اسماء میں سے جو باہم قریب المعنی ہیں مثلاً عَظِیْمٌ، جَلِیْلٌ، کَبِیْرٌ کیا وہ ایک ہی معنی پر حمل کیے جا سکتے ہیں۔ یعنی وہ اسماء مترادف ہیں۔ یا ان کے معانی کے متفادت ہونا لازم ہے۔

(۳) جس اسم کے دو معنی ہیں۔ کیا وہ دونوں معنوں میں مشترک ہے۔ اور ان دونوں معنوں پر اس طرح محمول ہوتا ہے۔ جیسے عموم کا اس کی مسمیات میں حمل ہوتا ہے۔ یا اسم کا حمل ان معنوں میں سے صرف ایک متعین ہے۔

(۴) کیا بندہ کو اسمائے باری تعالیٰ میں سے ہر اسم کے معنی سے حصہ ملا ہے۔

فن ثانی میں یہ باتیں شامل ہیں:

(۱) ننانوے (۹۹) نام کے معانی۔

(۲) اس امر کا بیان کہ اہل سنت کے نزدیک یہ تمام اسماء صرف ایک ذات اور سات صفات کی طرف کیونکر راجع ہوتے ہیں۔

(۳) اس امر کا بیان کہ معتزلہ اور فلاسفہ کے مذہب کی رو سے یہ اسماء صرف ایک ذات کی طرف جس میں کثرت کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکر راجع ہوتے ہیں۔

فن ثالث ان باتوں پر مشتمل ہے:

(۱) اسمائے باری تعالیٰ ننانویں سے زائد ہیں جو موقوف ہیں۔

(۲) ایک کم سو اسماء کے شمار اور تخصیص کا فائدہ۔

(۳) اللہ تعالیٰ کو ان صفات مدح سے موصوف کرنا جائز ہے۔ جن سے دو بالمعنی متصف ہے۔ اور ان صفات کے ساتھ بھی جن میں کوئی نقص کا معنی نہ پایا جائے جبکہ اس میں کوئی منع وارد نہ ہو۔ وہ الفاظ جن میں نقص کا مفہوم شامل ہے ہرگز اللہ تعالیٰ عزوجل کی شان میں نہیں بولے جاتے مگر جبکہ ان میں اجازت آئی ہو تو پھر ان کی اس طرح تاویل کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب ہو۔

(۴) بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی شان میں ایک لفظ کا اطلاق ممنوع ہوتا ہے۔ مگر جب اس کے ساتھ اس کے جوڑ کا لفظ شامل کیا جائے۔ تو اس کا اطلاق درست ہو جاتا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکارا جاتا ہے جیسا کہ اس نے حکم دیا ہے۔ اگر ہم ان اسماء سے تجاوز کریں۔ یہاں تک کہ اس کو اس کے اوصاف سے پکاریں۔ تو صرف مدح وجلال کی صفتوں سے پکارا جائے گا۔ اور ہر صفت یا فعل جس کے ساتھ اس کا موصوف ہونا یا منسوب ہونا جائز ہے، اس کے ساتھ جب ہی پکارا جائے گا کہ اس میں مدح وجلال کا مفہوم شامل ہو۔ اس بات کو ہم جہاں اس کا موقع آئے گا صاف طور پر بیان کریں گے۔

فصل نمبر ا

پہلا فن ابتدائی باتوں میں

اسم، مسمّٰی اور تسمیہ کے معنی:

اسم و مسمّٰی کے متعلق بہت سے لوگوں نے غور و فکر کیا ہے اور سب نے جدا جدا مسلک اختیار کیا ہے مگر اکثر نے دھوکا کھایا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ اسم ہی مسمّٰی ہے۔ مگر وہ تسمیہ سے علیحدہ ہے۔ ایک اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اسم، مسمّٰی سے جدا ہے۔ مگر وہ تسمیہ ہی ہے۔ ایک تیسرا گروہ جو الٰہیات کا کیڑا اور بحث و مناظرہ میں نام آور ہے کہتا ہے کہ اسم کبھی مسمّٰی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ ذات ہے اور موجود ہے۔ اور کبھی مسمے کا غیر ہوتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ خالق ہے اور رازق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں لفظ خلق (آفرینش) اور رزق (روزی رسانی) پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں اس سے غیر ہیں۔ کبھی اس کی ایسی حیثیت ہوتی ہے کہ نہ تو اس کو مسمّٰی کہا جا سکتا ہے اور نہ اس کا غیر۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ عالم ہے اور قادر ہے۔ یہ دونوں لفظ علم اور قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ جن کی نسبت نہ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اللہ ہی ہے اور نہ یہ کہ اللہ کے غیر ہے۔

یہ اختلاف دو باتوں سے پیدا ہوا ہے۔

ایک تو یہ کہ اسم تسمیہ ہے یا نہیں؟

دوم یہ کہ اسم مسمّٰی ہے یا نہیں؟

حق یہ ہے کہ اسم نہ تسمیہ ہے اور نہ مسمی ہے۔ اور یہ تینوں اسماء متبائن ہیں،

مترادف نہیں۔

اظہار حق کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان تینوں لفظوں کے جدا جدا معنی بتائے جائیں۔ پھر اس قول کا معنی بتایا جائے کہ ''فلاں شے فلاں ہے۔'' اور اس قول کا معنے کہ ''فلاں شے فلاں کا غیر ہے۔'' حقائق کے معلوم کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ اور اس پر کاربند نہ ہونے والا ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جو علم تصدیق ہے یعنی اس کو سچا یا جھوٹا کہا جاسکتا ہے۔ اس کے الفاظ ایک قضیہ کی صورت میں ہوتے ہیں۔ اس قضیہ میں ایک موصوف ایک صفت اور ایک ان دونوں کی باہمی نسبت ہوتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ پہلے صرف موصوف کا علم اس کی حدو حقیقت کے تصور سے ہو۔ پھر صرف صفت کا علم اس کی حدو حقیقت کے تصور سے ہو اور پھر اس نسبت پر نظر کی جائے جو صفت کو موصوف کے ساتھ ہے کہ وہ اس کے لیے ثابت ہے یا اس سے منفی ہے۔

دیکھو جو شخص مثلاً یہ سمجھنا چاہے کہ ملک قدیم ہے یا حادث؟ تو اس کے لیے لازم ہے کہ پہلے لفظ ملک ' کے معنی سمجھے، پھر قدیم یا حادث کے۔ پھر ان دونوں وصفوں میں ایک کو ملک کے لیے ثابت کرنے یا اس سے نفی کرنے پر نظر کرے۔

اسی طرح ضرور ہے کہ اسم کے معنی، مسمی کے معنی اور تسمیہ کے معنی معلوم کیے جائیں۔ اور اس کے معنی بھی معلوم کیے جائیں۔ کہ فلاں شے فلاں ہے۔ اور یہ کہ کسی شے کی ہویت اور غیریت کیا ہے۔ تاکہ یہ امر سمجھ میں آسکے کہ فلاں شے فلاں ہے یا اس کی غیر ہے۔

ہر شے کا ایک وجود خارج میں ہوتا ہے۔ ایک ذہن میں اور ایک زبان میں خارجی وجود اصلی اور حقیقی ہے۔ ذہنی وجود علمی اور صوری ہے۔ اور زبانی وجود لفظی و دلیلی ہے۔

مثلاً ''**سماء**'' (آسمان) کا ایک وجود فی نفسہ ہے۔ اور ایک وجود ہمارے ذہن اور نفس میں ہے۔ کیونکہ آسمان کی صورت ہماری نگاہوں کے ذریعے سے

ہمارے خیالوں میں منطبع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض آسمان معدوم ہو جائے۔ اور ہم سلامت ہوں تو آسمان کی صورت پھر بھی ہمارے خیال میں موجود ہو گی۔ اسی صورت کو علم کہتے ہیں اور وہ اس کی مثال ہوتی ہے جس کی نسبت علم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ معلوم شے کی حالت کا پتہ دیتی ہے۔ وہ ایسی ہے جیسے آئینہ میں شکل دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی مقابل کی خارجی صورت کی حالت کا پتہ دیتی ہے اور زبانی وجود لفظ ہے۔ جو چار حصص پر تقسیم ہونے والی آوازوں سے مرکب ہے۔ پہلے حصے کو سین۔ دوسرے کو میم۔ تیسرے کو الف اور چوتھے کو ہمزہ کہتے ہیں۔ اور وہ لفظ سماء ہے۔ پس قول امر ذہنی دلیل ہے۔ اور امر ذہنی امر موجود کی صورت ہے۔ اگر خارجی وجود نہ ہوتا تو ذہن میں صورت منطبع نہ ہوتی۔ اور اگر ذہن میں صورت منطبع نہ ہوتی۔ تو انسان اس سے مطلع نہ ہوتا اور اگر انسان اس سے مطلع نہ ہوتا۔ تو زبان سے اس کا اظہار نہ کرتا۔

غرض کہ لفظ علم اور معلوم یہ تینوں متبائن امور ہیں۔ لیکن تینوں متطابق رحتوازی ہیں۔ اس لیے بسا اوقات کم فہم انسان ان میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اور فی الحقیقت ان میں امتیاز کیوں نہ ہو۔ جبکہ ہر ایک کے جدا جدا خوص ہیں۔ مثلاً انسان اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی الخارج ہے۔ اس کو یہ امور لاحق ہیں کہ وہ سوتا ہے جاگتا ہے زندہ ہے مرجاتا ہے چلتا ہے بیٹھتا ہے وغیرہ۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی الذہن ہے۔ اس کو یہ باتیں لازم ہیں کہ وہ مبتدا یا خبر اور عام یا خاص اور جزئی یا کلی یا قضیہ وغیرہ بنتا رہتا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ وجود فی اللسان ہے۔ اس کو یہ باتیں لاحق ہوتی ہیں۔ کہ عربی، یا فارسی، یا ترکی، یا زنگی زبان سے ہے۔ اور کم حروف رکھتا ہے۔ یا زیادہ۔ اور وہ اسم یا فعل یا حرف یا کچھ اور ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ وجود حسب مرور ایام بدلتا رہے۔ اور اہل بلاد کی عادات میں متفادت ہو۔ خارجی اور ذہنی وجود مرور ایام یا لوگوں کے عادات سے ہرگز متغیر نہیں ہوتا۔

خارجی اور ذہنی وجود کو تو جانے دو لفظی وجود کو لو کیونکہ اسی کے متعلق بحث کرنا ہمارا مدعا ہے۔

الفاظ سے مراد حروف مقطعہ ہیں۔ جو انسانی اختیار سے بنے ہیں۔ تا کہ اشیاء کی ذات پر دلالت کریں۔ یہ حروف مقطعہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو اولاً موضوع ہیں۔ دوسرے وہ جو ثانیا موضوع ہیں۔

اولاً موضوع کی مثال آسمان، درخت، انسان وغیرہ۔ اور ثانیاً موضوع جیسے اسم، فعل، حروف، امر، نہی، مضارع وغیرہ یہ الفاظ موضوع بوضع ثانی اس لیے ہیں کہ وہ الفاظ جو مختلف اشیا پر دلالت کرنے کے لیے موضوع ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو معنی فی غیرہ پر دلالت کرتے ہیں ان کا نام حرف ہے۔ دوسرے وہ جو معنی فی نفسہ پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو اس معنے کے زمانہ وجودی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس قسم کا نام فعل ہے۔ جیسے ''ضَرَبَ'' (اس نے مارا) یَضْرِبُ (وہ مارتا ہے) دوسرے وہ جو زمانہ پر دلالت نہیں کرتے ان کو اسم کہتے ہیں۔ جیسے آسمان، زمین۔

پہلے تو اعیان خارجہ پر دلالت کرنے کے لیے الفاظ وضع کے گئے پھر اس کے بعد اسم، فعل، حرف وغیرہ اقسام الفاظ پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیے گئے کیونکہ الفاظ بھی وضع کیے جانے کے بعد موجود فی الاعیان بن گئے۔ اور ان کی صورتیں ذہن میں منقش ہو گئیں۔ تو وہ بھی اس قابل سمجھے گئے کہ حرکات زبان سے ان پر دلالت ہو۔ الفاظ کا موضوع بوضع ثالث ورابع ہونا بھی متصور ہو سکتا ہے۔ حتی کہ اگر اسم کوئی اقسام پر منقسم کیا جائے۔ اور ہر قسم کا ایک خاص اسم مقرر کیا جائے تو یہ اسم درجہ ثالث میں ہو گا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اسم نکرہ اور معرفہ وغیرہ پر منقسم ہوتا ہے۔

اس تمام بیان سے یہ معلوم کرانا مدعا ہے کہ اسم موضوع بوضع ثانی ہے۔ چنانچہ اگر سوال کیا جائے کہ اسم کی کیا تعریف ہے۔ تو جواب یہ ہو گا کہ اسم وہ لفظ ہے جو

دلالت کے لیے موضوع ہو۔اور اس میں ایسی شرائط بھی ہم اضافہ کر سکتے ہیں جو اس کو حرف اور فعل سے ممتاز کرتی ہیں۔مگر یہاں اس کی تعریف بیان کرنا ہمارا مدعا نہیں ہے صرف یہ غرض ہے کہ اسم سے مراد وہ معنی ہے جو تیسرے درجہ میں ہے۔اور اس کا وجود زبان میں ہے۔خارج میں یا ذہن میں نہیں۔

جب تم کو اتنا معلوم ہو چکا کہ اسم سے مراد وہ لفظ ہے جو دلالت کے لیے وضع کیا گیا ہو۔تو پھر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو لفظ دلالت کے لیے وضع کیا گیا ہو اس کے لیے واضع ،وضع اور موضوع لہ کا ہونا لازم ہے۔

موضوع لہ کو مسمّٰی کہتے ہیں اور یہ وہ شے ہے جس پر وہ لفظ دلالت کرتا ہے۔ واضع کو مسمّٰی (نام رکھنے والا) کہتے ہیں۔اور وضع کو تسمیہ (نام رکھنا) جب کوئی شخص اپنے بیٹے کے لیے ایسا لفظ تجویز کرتا ہے جو اس پر دلالت کرے تو کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنے بیٹے کا نام رکھا اور اس کے اس لفظ تجویز کرنے کو تسمیہ کہتے ہیں۔ کبھی نام لینے کو بھی تسمیہ کہہ دیتے ہیں۔جیسے کوئی شخص کسی کو پکارے کہ اے زید! تو اس کی اس ندا کو تسمیہ کہیں گے۔گویا لفظ تسمیہ نام رکھنے اور نام لینے کے دونوں معنوں میں مشترک ہے۔گو بظاہر نام لینے کی نسبت نام رکھنے کے معنوں میں ہونا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

اسم،تسمیہ، مُسَمّیِ اور مسمّٰی بمنزلہ حرکت،تحریک،محرک اور محرک کے ہیں۔اور یہ چاروں مختلف اسم مختلف معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔چنانچہ حرکت ایک مکان سے دوسرے مکان میں نقل کرنے پر دال ہے۔تحریک اس حرکت کی ایجاد پر دال ہے۔ محرِک فاعل حرکت پر۔محرَک اس شے پر جس میں حرکت ہے بایں لحاظ کہ حرکت فاعل سے صادر ہوتی ہے یہ متحرک کی طرح نہیں ہے۔جو صرف فعل حرکت پر دال ہے۔اور فاعل پر دال نہیں۔جب ان الفاظ کے مفہومات ظاہر ہو گئے تو اب دیکھنا چاہیے کہ کیا ان کے متعلق یہ کہنا جائز ہو سکتا ہے کہ ان میں سے فلاں فلاں ہے یا اس کا غیر ہے۔مگر

اس بات کے سمجھنے کے لیے کسی چیز کے فلاں ہونے، اور فلاں شے کے فلاں ہونے، یا فلاں سے غیر ہونے کے معانی سمجھنے لازم ہیں۔

یہ جو ہم کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شے فلاں ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔
پہلی صورت کی نظیر یہ کہ کوئی کہے پانی، جل ہے۔ یا تیغ، شمشیر ہے۔ یہ صورت ان تمام اشیاء میں جاری ہوتی ہے جو فی نفسہ واحد ہوں۔ مگر ان کے دو مترادف نام ہوں جن کا مفہوم کچھ بھی تفاوت نہ رکھتے ہوں صرف حرفوں کا فرق ہو۔ ایسے اسماء کو مترادف کہتے ہیں۔

دوسری صورت کی نظیر یہ کہ کوئی کہہ کہ سانڈنی، اونٹنی ہے۔ یا کوئل، گھوڑا ہے یہ صورت پہلی سے جدا ہے اس کے اسماء مترادف نہیں۔ مختلف مفہوم رکھتے ہیں کیونکہ سانڈنی اونٹنی کے ساتھ تیز رفتار کا مفہوم بھی مضاف ہے اور کوئل میں گھوڑے کے ساتھ سواری سے زائد ہونے یا آراستہ و پیراستہ ہونے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ صرف اونٹنی یا گھوڑے میں کوئی اس قسم کا زائد مفہوم شامل نہیں اس قسم کے اسماء کو متداخل کہنا چاہئے کیونکہ اونٹنی کے مفہوم میں اور گھوڑا، کوئل کے مفہوم میں داخل ہے۔
تیسری صورت کی نظیر یہ ہے کہ کوئی کہے برف سفید اور ٹھنڈی ہے اس میں سفید اور ٹھنڈی ایک ہی چیز ہے۔ کیونکہ وہی ٹھنڈی ہے۔ یہ صورت نہایت بعید ہے۔ اور اس کے نتیجہ موضوع کی وحدت ہے جو دو وصوں سے موصوف ہے۔ مطلب یہ کہ ایک ہی شے سفیدی اور ٹھنڈک سے موصوف ہے۔

غرض ہمارا یہ کہنا کہ شے فلاں ہے، ایک کثرت پر دلالت کرتا ہے، جس میں ایک طرح سے وحدت ہے۔ کیونکہ اگر وحدت نہ ہوتو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں اور فلاں ایک ہی چیز ہے اور کثرت نہ ہوتو فلاں شے اور فلاں شے کیونکر کہا جا سکے گا جو صاف دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔
اب ہم اپنے اصل مطلب پر آتے ہیں جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسم مسمّٰے ہی ہے جس

طرح اسمائے مترادف میں کہا جاتا ہے کہ شمشیر، تیغ ہی ہے۔ وہ بہت بڑی غلطی پر ہے ۔ کیونکہ مسمےٰ کا مفہوم اسم کے مفہوم سے جدا ہے۔ چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسم وہ لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے اور مسمےٰ وہ چیز ہے جس پر دلالت ہوتی ہے۔ اور وہ چیز کبھی غیر محفوظ ہوتی ہے۔ اور اس لیے اسم عربی، ترکی اور فارسی یعنی عرب ترک اور فارس کے لوگوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے اور مسمےٰ کبھی ایسا نہیں ہوتا۔

اسم کی نسبت سوال کرتے ہیں تو اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ کیا ہے۔ اور مسمےٰ کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو عموماً کہتے ہیں یہ کون ہے اور یا کونسی چیز ہے۔ جیسے کوئی شخص آئے تو پوچھتے ہیں کہ اس کا اسم کیا ہے۔ جواب ملتا ہے کہ زید ہے اور جب مسمےٰ کی نسبت پوچھنا ہو تو کہتے ہیں یہ کون ہے۔

اگر کسی خوبصورت ترک کا نام ہنود کا سا (مثلاً مرلی دھر یا کھڑک سنگھ) رکھ دیا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ اسم خراب اور مسمےٰ خوب ہے۔

اگر کسی کا لمبا اور ثقیل نام رکھ دیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ نام ثقیل اور مسمےٰ خفیف ہے۔

اسم کبھی مجاز ہوتا ہے اور مسمےٰ نہیں ہوتا۔ تو کبھی تفاؤلاً تبدیل کر لیا جاتا ہے اور مسمےٰ تبدیل ہو نہیں سکتا۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسم مسمےٰ سے علیحدہ ہے اور اگر غور کرو تو ان کے سوا اور بھی دلائل مل سکتے ہیں۔ لیکن دانا کو اشارہ ہی کافی ہے اور کم فہم کے لیے زیادہ دلائل بھی زیادتی حیرت کے موجب ہو جاتے ہیں۔

دوسری صورت کے لحاظ سے یہ کہا جاتا ہے کہ اسم مسمےٰ ہی ہے بایں معنی کہ مسمےٰ اسم سے مشتق ہے پس وہ اس میں داخل ہے جس طرح اونٹنی، سانڈنی کے مفہوم میں داخل ہے تو اگر یہ مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ اسم، تسمیہ، مسمیٰ اور مسمےٰ ایک ہی چیز ہوں کیونکہ سب کے سب اسم سے مشتق ہیں اور اسم پر دلالت کرتے ہیں اور یہ ایک

لفظی مغالطہ ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ حرکت، تحریک، محرک اور متحرک سب ایک ہی ہیں۔ اس لیے کہ وہ حرکت سے مشتق ہیں اور بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ حرکت محض جنبش پر دلالت کرتی ہے۔ جس میں محل اور فاعل اور فعل پر کوئی دلالت نہیں۔ محرک فاعل حرکت پر اور محرک محل حرکت پر دلالت کرتا ہے بایں لحاظ کہ وہ مفعول ہے بخلاف متحرک کے کیونکہ وہ صرف محل حرکت پر دلالت کرتا ہے اور اپنے مفعول پر دال نہیں۔ اور تحریک فعل حرکت پر دلالت کرتی ہے۔ بلا فاعل اور محل کی دلالت کے پس یہ سب متبائن حقیقتیں ہیں۔ اگر چہ ان سب سے حرکت خارج نہیں۔ لیکن حرکت فی نفسہا ایک خاص حقیقت رکھتی ہے۔ جو عقل میں آسکتی ہے پھر اس کی جو نسبت فاعل کی طرف ہے، وہ بھی سمجھ میں آتی ہے اور یہ اضافت ہے جو مضاف کبھی اکیلا بھی متعقل ہوتا ہے اور اس کی نسبت محل کے ساتھ متعقل ہوتی ہے اور وہ اس نسبت سے جداگانہ ہے، جو فاعل کے ساتھ ہے۔

بات یہ ہے کہ حرکت کی نسبت اپنے محل کے ساتھ اور اس کی حاجت بدیہی ت ہے اور فاعل کی طرف اس کی نسبت نظری وکسبی ہے۔ اس سے دونوں نسبتوں کے وجود کا حکم مراد ہے نہ تصور۔ تو اسی طرح اس کی دلالت بھی ہے اور اس کا مدلول بھی ہے جس کو مسمے کہتے ہیں اور اس کی وضع فاعل مختار کا فعل ہے۔ وہ تسمیہ کہلاتی ہے اب یہ مداخلت ایسی ہے جیسے اونٹنی، سانڈنی کے مفہوم میں اور گھوڑا، کوئل کے مفہوم میں داخل ہے کیونکہ سانڈنی دراصل اونٹنی ہے جس کے ساتھ خاص صفت شامل ہے پس اونٹنی، سانڈنی میں داخل ہے اور مسمے کی یہ کیفیت نہیں ہے کہ وہ اسم کسی صنعت سمیت ہو اور نہ تسمیہ ہی اسم صفت سمیت ہے۔ پس اس میں تاویل درست نہیں۔

تیسری وجہ جس کا مطلب کئی صفتوں کا ایک محل میں موجود ہونا ہے وہ بھی دور قیاس ہونے کے علاوہ اسم ومسمے میں جاری نہیں ہوسکتی اور نہ اسم وتسمیہ میں جاری ہو

سکتی ہے۔حتی کہ یوں کہا جا سکے کہ ایک ہی چیز اسم اور تسمیہ کہلانے کے لیے موضوع ہے۔جیسا کہ برف کی مثال میں پایا جاتا ہے کہ ایک ہی چیز سرد اور سفید کہلاتی ہے۔ ورنہ اس کی وہی مثال ہوگی جیسا کہ کوئی کہے صدیق وہ ہے جو ابوقحافہ کا بیٹا ہے۔کیونکہ اس کی تاویل یہ ہوگی کہ صدیق ہونا اس شخص کی صفت ہے جو ابوقحافہ کا بیٹا بننے سے منسوب ہے تو فلاں شے فلاں ہے کا مطلب یہ ہوگا کہ موضوع ایک ہے حالانکہ دونوں صفتوں کا تبائن یقینی امر ہے چنانچہ صدیق کا مفہوم اور ہے ابوقحافہ کا بیٹا ہونے کا مفہوم اور ہے۔غرض وہ تاویلات اسم ومسمے اور اسم وتسمیہ میں حقیقتاً یا مجازاً ہرگز نہیں چل سکتیں جن میں یوں کہا جا سکے کہ فلاں شے فلاں ہے۔ان تاویلات میں حقیقت وہ ہے جو مترادف اسماء میں ہوتی ہے۔جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ تیغ شمشیر ہے۔بشرطیکہ لغت کی رو سے دونوں لفظوں کے مفہوم میں فرق نہ ہو۔اگر فرق ہو تو دوسری مثال تلاش کرنی چاہیے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک حقیقت کے کئی نام ہوں۔

ہمارے اس قول میں کہ فلاں شے فلاں ہے ایک پہلو سے کثرت اور ایک پہلو سے وحدت ہونی چاہیے۔اور تمام وجہ میں سے زیادہ حقیقی وجہ یہ ہے کہ معنی میں وحدت اور صرف لفظ میں کثرت ہو۔

اس لمبے چوڑے اختلاف کے متعلق اسی قدر کافی ہے جو لکھا گیا۔اس سے تم کو معلوم ہو چکا کہ اسم،تسمیہ،مسمے یہ تینوں الفاظ متبائن مفہوم اور مختلف مقصود رکھتے ہیں ان کی بہ نسبت بجائے اس کے کہ فلاں فلاں ہے۔کہیں یہ کہنا صحیح ہے کہ فلاں فلاں سے غیر ہے۔

تیسرا مذہب جو اسم کو تین قسموں میں منقسم کرتا ہے یعنی ایک وہ جو مسمے ہی ہے دوسرا وہ جو مسمے کا غیر ہے۔تیسرا وہ جو نہ مسمے ہے نہ مسمے کا غیر۔

یہ مذہب نہایت کج رو اور سب سے زیادہ مضطرب ہے ہاں یوں تاویل ہو سکتی ہے کہ جس اسم کو تین قسموں میں منقسم کیا ہے۔اس سے مراد خود اسم نہیں ہے بلکہ اس

سے مفہوم اسم مراد ہے۔اور اسم کا مفہوم اسم سے جدا ہے۔ کیونکہ مفہوم اسم مدلول ہے اور مدلول دلیل سے علیحدہ ہے۔اور یہ مذکورہ تقسیم مفہوم اسم پر جاری ہوئی ہے۔پس یوں کہنا صحیح ہوگا کہ اسم کا مفہوم کبھی مسمّے کی ذات وحقیقت اور اس کی ماہیت ہوتی ہے۔اور یہ وہ اسماء انواع ہیں جو مشتق نہیں ہیں۔مثلاً انسان،علم، بیاض۔اور جو اسما مشتق ہیں وہ حقیقت مسمے پر دلالت نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں حقیقت مبہم رہتی ہے۔ اور وہ مسمے کی کسی صفت پر دلالت کرتے ہیں۔مثلاً عالم،اور کاتب، پھر اس کے بعد مشتق کی بھی دو قسمیں ہیں۔ایک تو وہ جو ایسی وصفت پر دلالت کرے جو مسمے میں حال ہو۔جیسے عالم ابیض وغیرہ۔

دوسری قسم وہ جو کسی غیر اور علیحدہ چیز کے ساتھ اپنی نسبت پر دلالت کرے۔مثلاً خالق اور کاتب۔

پہلی قسم کی تعریف یہ ہے کہ وہ اسم جو ''کیا ہے'' کے جواب میں بولا جاتا ہے۔ چنانچہ جب کسی شخص کی طرف اشارہ کر کے کہیں ''یہ کیا ہے'' اور یوں نہ کہیں کہ ''کون ہے'' تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ''حیوان ہے'' تو یہ ماہیت کے سوال کا جواب نہ ہوگا۔ کیونکہ ماہیت صرف حیوانیت سے نہیں بنی بلکہ حیوان ناطق سے بنی ہے۔تو انسان حیوان ناطق کا اسم ہے۔

اگر اس سوال کے جواب میں انسان کی بجائے کہیں ''سفید ہے'' یا ''طویل ہے'' یا ''عالم ہے'' یا ''کاتب ہے'' تو یہ جواب ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ سفید کا مفہوم ایک مبہم شے ہے جس میں سفیدی کا وصف ہے۔ کیا معلوم وہ کونسی شے ہے۔اور عالم کا مفہوم ہے کوئی مبہم شے جس میں علم کا وصف ہو۔اور کاتب کا مفہوم ہے کوئی مبہم شے جو کتابت کا فعل کرتی ہو۔ہاں بور خود یوں سمجھ جائیں گے کہ کاتب انسان ہی ہوتا ہے۔ مگر یہ امور خارجہ کے ذریعے سے سمجھیں گے۔ (خاص لفظ کاتب میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے۔)

اسی طرح جب رنگ کی طرف اشارہ کیا جائے اور پوچھا جائے ''یہ کیا ہے'' تو جواب ہوگا کہ سفیدی ہے۔ اگر اسم مشتق اس کے جواب میں بولا جائے مثلاً سفید ہے چمکیلا ہے تو یہ جواب کافی نہ ہوگا کیونکہ کیا ہے کے سوال سے تو ذات کی حقیقت اور ماہیت مطلوب تھی۔ اور سفید کوئی مبہم شے ہے جس میں سفیدی ہوتی ہے۔ اسی طرح چمکیلا کوئی شے ہے جس میں چمک پائی جاتی ہے۔ غرض یہ تقسیم اسماء کے مدلول ومفہوم میں درست ہے۔ اس قسم کی تعبیر یوں بھی ہوسکتی ہے کہ اسم کبھی تو رات پر دلالت کرتا ہے اور کبھی فہمات کے غیر پر اور یہ سرسری اطلاق پر ہوگا۔

چنانچہ ہمارا یہ کہنا کہ کبھی ذات کے غیر پر دلالت کرتا ہے اگر اس کی اس طرح توضیح نہ کردی جائے کہ اس سے ماہیت کا غیر مراد ہے جو کیا ہے کے جواب میں بولی جاتی ہے تو یہ کہنا ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ مثلاً عالم ایک ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو علم سے موصوف ہے۔ اور لفظ علم صرف علم پر دال ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذہب مذکور کے اس قول میں کہ ''اسم کبھی مسمی کی ذات ہوتا ہے۔'' دو خرابیاں ہیں۔ اور دونوں کی اصلاح لازم ہے۔ ایک تو یہ کہ اسم کی جگہ مفہوم اسم کہنا چاہیے۔

دوم یہ کہ ذات کی جگہ ماہیت ذات کہنا ٹھیک ہے۔

اب عبارت یوں ہوئی ''مفہوم اسم کبھی ذات کی حقیقت اور ماہیت ہوتی ہے اور کبھی حقیقت کا غیر ہوتی ہے''

مذکورہ مذہب والوں نے جو یہ کہا ہے کہ خالق مسمّٰی سے غیر ہے۔ تو اگر اس میں خالق سے لفظ خالق مراد ہے۔ (اور لفظ ہمیشہ مدلول لفظ سے غیر ہوتا ہے) تو صحیح ہے۔ اور اگر لفظ خالق کا مفہوم مسمّٰی کا غیر مراد ہے تو یہ محال ہے۔ کیونکہ خالق اسم ہے اور ہر اسم کا مفہوم اس کا مسمّٰی ہے۔ اگر اس سے مسمّٰی سمجھ میں نہ آئے تو وہ اس کا اسم نہ ہوگا۔ اور خالق، خلق (پیدا کرنا) کا اسم نہیں ہے۔ اگرچہ خلق اس میں داخل ہے اور کاتب

کتابت کا اسم نہیں ہے۔ اور نہ مسمے تسمیہ کا اسم ہے بلکہ خالق ذات کا اسم ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس سے فعل خلق صادر ہوتا ہے۔ اور خالق سے بھی ذات مفہوم ہوتی ہے لیکن اضافی موجود ہے۔ جیسے ہم باپ کا لفظ بولیں تو اس سے بیٹے کی ذات مفہوم نہیں ہوتی۔ بلکہ باپ کی ذات مفہوم ہوتی ہے اس حیثیت سے کہ اس کو باپ کی طرف اضافت ہے۔

اوصاف کی قسمتیں:

اوصاف دو قسم کے ہوتے ہیں ایک اضافی۔ دوسرے غیر اضافی اور ان تمام کے ساتھ ذاتیں موصوف ہیں۔ اگر کوئی سوال کرے کہ خالق وصف ہے اور ہر وصف میں اثبات ہوتا ہے اور اس لفظ کے مضمون میں اثبات نہیں ہے۔ سوا خلق کے اور خلق، خالق سے غیر ہے۔ اور خالق میں خلق کا کوئی وصف حقیقی نہیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسمٰے کے غیر کی طرف راجع ہوتا ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کا یہ کہنا کہ اسم سے مسمٰے کا غیر سمجھا جاتا ہے متناقض ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ دلیل سے مدلول کا غیر سمجھا جاتا ہے کیونکہ مسمے سے مراد اسم کا مفہوم ہے۔ تو پھر مفہوم مسمے کا غیر اور مسمے مفہوم کا غیر کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور قائل کا یہ قول کہ خالق میں خلق کا کوئی وصف نہیں۔ اور کاتب میں کتابت کا وصف ہے۔ ٹھیک نہیں۔ اس امر کی دلیل کہ وہ اس کا وصف رکھتا ہے، یہ ہے کہ وہ کبھی اس سے موصوف کیا جاتا ہے اور کبھی اس سے اس وصف کی نفی کی جاتی ہے۔ اور اضافت کا بھی اثبات و نفی کر سکتے ہیں۔

چنانچہ جو شخص زید اور بکر کو جانتا ہے پھر یہ معلوم کرتا ہے کہ زید، بکر کا باپ ہے۔ تو ضرور اس نے ایک نئی بات معلوم کی ہے۔ اور یہ شے یا تو وصف ہے یا موصوف ہے۔ اور وہ شے موصوف کی ذات نہیں، بلکہ وصف ہے۔ اور وہ وصف قائم نفسہ نہیں بلکہ وہ زید کے ساتھ قائم ہے۔

پس اضافتیں اوصاف کی قبیل سے ہیں جن کے موصوف مضافات ہیں۔ مگر ان کا مضمون دو چیزوں کے مابین قیاس کے بدون سمجھ میں نہیں آتا۔ اور یہ امر ان کو اوصاف ہونے سے منع نہیں کرتا۔

اگر کوئی کہے کہ اللہ خالقیت کے ساتھ موصوف نہیں۔ تو اس نے کلمہ کفر کہا جیسا کہ یوں کہنا کفر ہے کہ وہ عالمیت کے ساتھ موصوف نہیں ہے

سائل مذکور اس خبط میں بایں باعث پڑا ہے کہ متکلمین کے نزدیک اضافت اعراض کے زمرہ میں شمار نہیں کی گئی۔ اگر ان سے سوال کیا جائے کہ عرض کے معنی کیا ہیں تو جواب دیں گئے کہ وہ چیز ہے جو محل میں موجود ہے اور قائم بنفسہ نہیں ہے۔

سوال: کیا اضافت قائم نفسہ ہے؟

جواب: نہیں

سوال: کیا اضافت معدوم ہے؟

جواب: نہیں بلکہ موجود ہے

سوال: اس کی مثال؟

جواب: جیسے کسی کا باپ ہونا اضافت ہے اگر یہ اضافت معدوم ہوتی تو جہاں بھر میں کوئی باپ نہ ہوتا۔

سوال: کیا یہ اضافت (یعنی باپ ہونا) قائم نفسہ ہے؟

جواب: نہیں۔

اب ان کو مجبوراً یہ ماننا پڑے گا کہ وہ محل میں موجود ہے۔ اور نفسہ قائم نہیں بلکہ محل میں قایم ہوتی ہے اور یہ پہلے ہی مانتے ہیں کہ عرض سے مراد وہی چیز ہے جو محل میں موجود ہوتی ہے۔ مگر پھر مکر جاتے ہیں۔ اور اضافت کو عرض تسلیم کرنے سے صاف انکار کریں گئے۔

اس مذہب والوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ بعض اسماء ایسے ہیں جن کو نہ مسلٰے کہہ

سکتے ہیں۔اور نہ مسمّٰے کا غیر کیونکہ وہ اس مثال میں عالم پیش کریں گئے اوراس کی نسبت جب عذر کیا جاتا ہے کہ شرع نے اللہ کے حق میں اس کے اطلاق کی اجازت نہیں دی۔ تو کبھی تو یہ جواب ملاتا ہے کہ حق وصدق کی تصریح خاص اذن پر موقوف نہیں اور کبھی سائل کو ذرا رعایت دی جاتی ہے اور نگاہ تحقیق انسان کی طرف پھیری جاتی ہے۔جب کہ وہ علم کے ساتھ موصوف ہو۔

تو ہم (امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں کہ علم انسان سے غیر ہے چنانچہ ایک وقت انسان موجود تھا مگر اس کا علم نہ تھا اور علم کی تعریف انسان کی تعریف سے جدا ہے۔

سوال: علم انسان سے غیر ہے۔لیکن جب ایک شخص خاص کی نسبت کہیں کہ وہ عالم ہے اور انسان ہے تو عالم انسان نہ ہوگا نہ اس سے غیر ہوگا۔کیونکہ انسان اس سے موصوف ہے۔

جواب: یہ سوال کاتب اور نجار میں بھی لازم آتا ہے۔وہاں بھی کتابت اور نجاّرت سے انسان موصوف ہے۔علاوہ ازیں یہ نکتہ تفصیل چاہتا ہے۔اور وہ یہ کہ لفظ انسان کا مفہوم لفظ عالم کے مفہوم سے جدا ہے۔کیونکہ انسان کا مفہوم حیوان ناطق و عاقل ہے۔اور عالم کا مفہوم ایک مبہم شے ہے جس کو علم ہے۔پس یہ دونوں لفظ ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ایک کا مفہوم دوسرے کے مفہوم سے جدا ہے۔پس اس جہت سے اس سے غیر ہے۔یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ شے فلاں شے ہے۔دوسری جہت سے وہ شے فلاں ہے۔اور اس جہت سے یہ کہنا درست نہیں کہ وہ اس سے غیر ہے۔اور یہ یوں ہے کہ جب تم ایک خالص ذات پر نظر کرو جو انسان کے ساتھ موسوم ہو اور ساتھ ہی عالم بھی اس کا وصف ہو۔تو بیشک جو ذات انسان سے موسوم ہے وہی عالم سے موصوف ہے۔جیسے کہ وہ شے جس کا نام برف ہے ٹھنڈی اور سفیدی سے موصوف ہے۔تو اس قیاس سے تو وہ وہی ہے۔اور پہلے اعتبار سے وہ اس سے غیر ہے۔یہ امر از روئے عقل محال ہے کہ ایک ہی اعتبار میں نہ فلاں شے فلاں ہو اور نہ اس سے

غیر ہو۔ جیسا کہ یہ امر محال ہے کہ فلاں شے فلاں ہو اور اسی فلاں سے غیر بھی ہو، کیونکہ فلاں اور غیر فلاں ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور یہ تقابل نفی و اثبات کا ہے۔ پس ان کے درمیان واسطہ نہیں ہے۔

جو شخص مذکورہ تقریر کو سمجھ چکا ہے اس کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے قدرت اور علم کے اوصاف ذات سے زائد ثابت ہو گئے تو ایک ایسی چیز ثابت ہو گئی جو ذات سے غیر ہے اور یہ غیریت لفظاً نہیں بولی جاتی تو معنیً ثابت ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ علم کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ تو اس میں اللہ کا علم داخل ہوتا ہے۔ اور اس کی قدرت اور ذات داخل نہیں ہوتی۔ اور جو چیز تعریف سے خارج ہے وہ اس چیز سے غیر کیوں نہ ہو۔ جو تعریف میں داخل ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ علم کی تعریف بیان کرنے والا جب کہ اس کی تعریف میں قدرت کو داخل ہوتے نہیں دیکھتا تو عذر کر سکتا ہے کہ علم کی تعریف سے قدرت کا نکل جانا میرے لیے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ میں نے علم کی تعریف بیان کی ہے اور قدرت علم سے جدا ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ میں اس کو علم کی تعریف میں داخل کروں۔

غرض کہ جو شخص اس قول کو تسلیم نہ کرے کہ "جو امر تعریف میں داخل ہے وہ اس امر سے جدا ہے جو تعریف سے خارج ہے۔" اور اس مقام پر لفظ غیر کا اطلاق محال قرار دے وہ ان لوگوں میں سے ہے۔ جو لفظ غیر کے معنی نہیں سمجھتے ہیں۔ مگر مجھے یقین نہیں کہ وہ لفظ غیر کے معنی نہ سمجھتا ہو کیونکہ اس کے معنی ظاہر ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ ایسا دعویٰ صرف زبانی ہی زبانی کرتا ہو اور دل میں اس کو غلط سمجھتا ہو۔ اور سچی اور حقیقی بحث سے یہ مدعا نہیں ہوتا کہ کسی کی زبان بند کی جائے۔ بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ اس کے دل کو راہ راست پر لا کر حق کا قائل کیا جائے پھر زبان خواہ حق کی قائل ہو یا نہ ہو۔

اگر کوئی شخص کہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسم ہی مسمّٰی ہے وہ بایں مجبوری اس کے قائل ہوئے ہیں کہ کہیں نہ کہنا نہ پڑے کہ "اسم اصطلاح میں وہ لفظ ہے جو دلالت

کرتا ہے'' جس سے یہ ماننا لازم آتا ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم نہ تھا کیونکہ اس وقت نہ کوئی لفظ تھا ے نہ الفاظ ادا کرنے والا تھا ے۔ اس لیے کہ لفظ حارث ہے۔اور اللہ قدیم ہی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کمزور سی ضرورت ہے جس کا رفع کرنا آسان بات ہے۔یعنی کہا جا سکتا ہے۔ کہ اسمائے باری تعالیٰ کے معانی ازل میں ثابت تھے اور اسماء نہیں تھے۔ کیونکہ اسماء عربی یا عجمی زبان سے ہیں۔اور تمام زبانیں حادث ہیں۔ یہ قیاس ان تمام اسماء میں جاری ہوسکتا ہے۔ جو معنی ذات یا صفت، ذات کی طرح راجع ہوتے ہیں۔مثلاً قدوس کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل میں قدس کی صفت سے موصوف تھا۔او رمثلاً عالم کیونکہ اللہ ازل عالم تھا۔

وجود اشیاء کے مراتب:

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وجود اشیاء کے تین مرتبے ہیں:

ایک تو اعیان خارجہ میں اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا یہ وجود قدامت سے موصوف ہے۔

دوسرا وجود ذہن میں ہے اور یہ وجود حادث ہے کیونکہ خود ذہن ہی حادث ہیں۔

تیسرا وجود زبان پر۔اور یہ اسماء ہیں یہ وجود بھی حادث ہے کیونکہ زبان حادث ہے۔

ہاں موجود ذہنی سے ہماری مراد علم ہے۔اور یہ بھی جب خدا کی طرف منسوب کیا جائے تو قدیم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے موجود اور عالم ہے۔اور ازل سے جانتا ہے کہ میں موجود اور عالم ہوں۔ اور اس کا وجود فی نفسہ بھی اور اس کا علم بھی دونوں طرح ثابت ہے۔اور جو اسماء آئندہ ایک وقت میں اپنے بندوں کو بتانے اور ان کی زبان پر چڑھانے، اور ان کے ساتھ ان کے کانوں کو مانوس کرنے والا تھا وہ بھی اس کو ازل سے معلوم ہیں۔ پس اس تاویل سے یہ کہنا جائز ہو جاتا ہے کہ ازل میں اس کے اسماء تھے۔

وہ اسماء جو فعل کی طرف راجع ہیں اس میں خیالات مختلف ہیں:

رہے وہ اسماء جو فعل کی طرف راجع ہوتے ہیں جیسے خالق، مصور، وھاب، سوان کے متعلق محققین کے خیالات مختلف ہیں:

ایک گروہ کہتا ہے کہ ازل ہی سے خالق ہونا اس کی صفت ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ازل سے وہ اس کے ساتھ موصوف نہیں ہے

مگر اس اختلاف کی کوئی اصلیت نہیں کیونکہ خالق کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی تو ازل میں قطعاً ثابت ہے اور دوسرا معنی یقیناً منفی ہے اور اس میں اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ دیکھو تلوار بہر حال تیغ براں کہلاتی ہے خواہ غلاف میں پڑی ہو یا میدان جنگ میں اپنا کام کر رہی ہو۔ فرق اتنا ہے کہ غلاف میں وہ تیغ براں بالقوہ ہے اور میدان مقابلہ میں بالفعل اس صفت سے موصوف ہے۔

پیاس بجھانے والا پانی جب کوزہ میں ہوتا ہے تو بھی پیاس بجھانے والا کہلاتا ہے۔ لیکن اس وقت اس کی یہ صفت بالقوہ ہوتی ہے اور معدہ میں بالفعل پیاس بجھانے والا ہوتا ہے۔ کوزے میں اس کے سیراب کن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی صفت موجود ہے جس کی وجہ سے وہ معدے میں پہنچتے ہی پیاس بجھا دیتا ہے اور یہ صفت اس کی ماہیت ہے۔

اور تیغ کے غلاف میں براں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں ایک ایسی صفت موجود ہے کہ جس کی وجہ سے کسی جزو بدن پر پڑتی ہے اس کو کاٹ ڈالتی ہے اور یہ وصف اس کی تیزی ہے۔ کیونکہ وہ اپنا کام کرنے کے لیے فی نفسہ کی جدید وصف کی محتاج نہیں ہوتی۔

پس اللہ تعالیٰ ازل میں اسی طرح خالق ہے جس طرح وہ عالم وقدوس وغیرہ ہے اور اسی طرح ابد میں ہوگا خواہ کوئی ان اسماء سے اس کو موسوم کرے یا نہ کرے۔

بحث وجدل میں حصہ لینے والوں کو زیادہ تر اس وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ

وہ اسمائے مشترکہ کے معنوں میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ان میں تمیز کریں۔ تو اکثر اختلافات رفع ہو سکتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِن دُوۡنِہٖۤ اِلَّآ اَسۡمَآءً سَمَّیۡتُمُوۡهَا اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُکُمۡ۔"

ترجمہ: "نہیں عبادت کرتے تم اس کے سوا مگر ناموں کی جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے مقرر کیا ہے۔"

اور یہ معلوم ہی ہے کہ وہ لوگ الفاظ کی پرستش نہیں کرتے تھے جو حروف مقطعہ ہیں بلکہ وہ مسمیات کی پرستش کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل کو پیش کرنے والا اس کی دلالت کی وجہ نہیں سمجھا سکتا۔ تاوقتیکہ نہ کہے کہ وہ مسمیات کی پرستش کرتے تھے نہ کہ اسماء کی۔ تو اس کے کلام میں اس امر کی تصریح ہو گی کہ اسماء مسمیات سے جدا ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی کہے کہ اہل عرب مسمیات کو پوجتے تھے تو اس کا جتناقض ہوگا، اگر یوں کہے کہ وہ لوگ مسمیات کو نہیں بلکہ اسماء کو پوجتے تھے تو اس قول کا مفہوم متناقض نہیں ہوگا تو اگر اسماء ہی مسمیات ہوں۔ تو دوسرا قول پہلے قول کی طرح متناقض ہوتا۔

یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ معبودوں کے نام کو انہوں نے بتوں کے لیے مقرر کر رکھے تھے۔ وہ اسماء مسمےٰ تھے۔ (کیونکہ مسمے وہ معنی ہے جو اعیان میں ثابت ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس پر لفظ دلالت کرتا ہے۔) اور اعیان میں کوئی معبود موجود نہ تھا نہ ذہن میں معلوم تھا۔ بلکہ صرف نام ہی نام زبان پر موجود تھے۔ پس وہ ایسے اسماء تھے جن کے موضوع لہ اور معنی کچھ نہ تھے۔

جس کا نام حکیم پڑ جائے اور فی الحقیقت حکیم نہ ہو اور وہ حکیم حکیم کہلا کر خوش ہوتا ہو۔ تو طنزاً کہا کرتے ہیں کہ صرف اسم پر خوش ہو رہا ہے کیونکہ یہاں اسم کے کوئی معنی موجود نہیں ہیں۔

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسم، مسمےٰ سے جدا ہے۔ کیونکہ اس نے اسماء کو تسمیہ سے ملایا ہے۔ اور تسمیہ کو ان سے منسوب کیا ہے۔ اور اس کو ان کا فعل قرار دیا ہے۔ اور فرمایا اسماء سمیتموھا یعنی وہ نام جو ان کے فعل اور ان کے نام رکھنے سے پیدا ہو۔ اور بتوں کے وجود تو ان کے نام رکھنے سے پیدا نہیں ہوئے تھے۔

اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى'' یعنی ''پاکی سے یاد کر اپنے پروردگار بزرگ کے نام کو'' اور پاکی کے ساتھ ذات ہی یاد کی جاتی ہے نہ کہ اسم۔ جواب یہ ہے کہ اسم کا لفظ یہاں صفت کے طور پر بڑھایا گیا ہے اور اہل عرب کے بعض محاورات اسی طرح واقع ہوئے ہیں۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''لیس کمثله شئ'' جس میں کاف تشبیہ کے ساتھ مثل بھی بڑھایا گیا ہے۔ اس میں یہ حجت نہیں ہو سکتی کہ اس میں مثل کا اثبات ہے۔ کیونکہ اللہ نے ''لیس کمثله شئی'' ویسے ہی فرمایا ہے جیسے کہا جاتا ہے ''لیس کولدہ احد'' جس میں ولد کا اثبات ہوتا ہے بلکہ اس میں کاف زائد ہے۔ یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ اسم کے ذریعہ سے مسمے کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ جس سے مسمےٰ کی تعظیم مراد ہو۔ جس طرح شریف، جناب، حضرت، حضور، درگاہ سے اشارہ کیا جاتا ہے اور کہا کرتے ہیں کہ امیر کے حضور میں سلام عرض ہے۔ پیر و مرشد کی جناب میں گیا تھا۔ بندۂ درگاہ کی یہ التماس ہے۔ جس سے امیر اور پیر و مرشد اور صاحب درگاہ مراد ہوتے ہیں۔ اور اظہار عظمت کے لیے ان امور کے ساتھ ان کی طرح اشارہ کیا جاتا ہے جن کا ان سے ایک قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح اسم گو مسمےٰ کا غیر ہے مگر اس کو مسمے کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ہے۔ اور اس تعلق سے کسی صاحب بصیرت کو اصل وضع میں التباس نہ ہونا چاہیے۔ اور کیوں التباس ہو۔ جبکہ اسم کو مسمے سے غیر کہنے والوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ

''وللہ الاسماء الحسنی'' یعنی اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ

"ان الله سمحانه تسعاً و تسعین اسما مائة الا واحد من احصا ها دخل الجنة"

ترجمہ: ''اللہ کے ننانوے نام ہیں ایک کم سو کوئی اس سب کو یاد کرے وہ جنت میں جائے گا۔''

اور کہتے ہیں کہ اگر مسمےٰ ایک ہی ہے پس ان لوگوں کو یہاں مجبوراً ماننا پڑتا ہے۔ کہ اسم مسمےٰ کا غیر ہے۔

یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اسم سے تسمیہ مراد ہونا جائز ہے۔ نہ کہ مسمےٰ۔ جیسا کہ دوسرے فریق نے تسلیم کیا ہے۔ کہ اسم سے کبھی مسمےٰ بھی مراد ہوتا ہے اگرچہ وہ دراصل مسمے سے غیر ہی ہو۔ اور اس دعوے میں وہ آیت "سبح اسم ربك الا علے" پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ دونوں فریق بخوبی استدلال نہیں کر سکتے

ان دونوں کا جواب یہ ہے کہ "سبح اسم ربك الا علے" کا تمام مافیہ وماعلیہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ رہا مذکورہ بالا استدلال سوان کا یہ جواب کہ ''اسم ومسمے ایک ہیں۔ اور یہاں اسم سے مراد تسمیہ ہے۔'' غلط ہے جس کے دو سبب ہیں۔

ایک تو یہ کہ جو شخص اسم ومسمے کے ایک ہونے کا قائل ہے اس کو یہ کہنا دشوار نہیں کہ یہاں ننانوے مسمے ہیں۔ کیونکہ اس قائل کے نزدیک مسمے سے مرامد مفہوم اسم ہے۔ اور علیم کا مفہوم قدیر کے مفہوم سے جدا ہے۔ اسی طرح قدوس کا مفہوم خالق کے مفہوم کا غیر ہے علےٰ ہذا القیاس تمام اسمائیں سے ہر اسم کا مفہوم و معنی جداگانہ ہے اگرچہ سب کا نتیجہ ایک ذات کے وصف پر منتہی جا ہوتا ہے۔ تو گویا یہ قائل یوں کہتا ہے کہ اسم سے مراد اس کا معنی ہے۔ اور و لله الا سماء الحسنی کے معنی میں یوں کہنا ممکن ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے لیے اچھے معنی ہیں۔'' کیونکہ مسمیات معانی ہی ہیں جن میں لامحالہ کثرت ہے۔

دوسرا یہ کہ اسم سے یہاں مراد تسمیہ ہوتا غلط ہے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ تسمیہ

کے معنی ذکر اسم یا ذکر وصفت کے ہیں اور اسم خواہ ایک ہی ہو۔ اسم کا ذکر کرنے والوں کی کثرت سے تسمیہ میں بھی کثرت آجاتی ہے۔ جیسے ذاکروں اور عالموں کی کثرت سے ذکر اور علم میں کثرت آجاتی ہے خواہ مذکور اور معلوم ایک ہی ہو۔ پس تسمیہ کی کثرت اسماء کی محتاج نہیں ہے کیونکہ وہ محض اسم کا ذکر کرنے والوں کے افعال ہیں لہٰذا کثرت اسماء سے مراد یہاں تسمیات نہیں بلکہ اسماء ہیں۔ اور اسماء وہ الفاظ موضوعہ ہیں، جو معانی مختلف پر دلالت کرتے ہیں تو اب تاویل میں کج راہی اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ خواہ اسم کے مسمےٰ ہونے کا اعتراف کیا جائے۔

اس مسئلہ کی تحقیق میں اس قدر بحث کافی ہے اگرچہ قلیل المنفعت ہونے کے باعث اس طول کی مستحق نہ تھی۔ لیکن ہمارا مدعا یہ تھا کہ اس قسم کی مباحث میں غور وخوض کرنے کا طریقہ سکھا دیا جائے تا کہ طالبان حق بعض ایسے مسائل میں جو اس سے بھی زیادہ اہم ہیں اس طریقہ سے کام لے سکیں۔

فصل نمبر (۲):

اسماء قریب المعنیٰ کا بیان

واضح ہو کہ جن حضرات نے ان اسماء کی شرح کا بیڑا اٹھایا ہے انہوں نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی اور اس بات کو بعید نہیں سمجھا کہ دو اسم صرف ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہوں۔ مثلاً کبیراً اور عظیم، قادر اور مقتدر، خالق اور باری، مگر میں اس امر کو نہایت بعید سمجھتا ہوں۔ خصوصاً جب کہ ایسے دونوں اسم ننانوے اسماء میں سے ہوں کیونکہ اسم سے حروف مقصود نہیں ہیں بلکہ معنی مقصود ہیں۔ اور اسماء مترادف کے محض حروف ہی مختلف ہوتے ہیں۔ اور ان اسماء کی فضیلت صرف ان معنوں کے لحاظ سے ہے جو ان میں مذکور ہیں۔ اور اگر بالفرض کوئی اسم معنی سے خالی رہ جائے اور الفاظ ہی الفاظ رہ جائیں تو اس میں کوئی فضیلت نہ ہوگی۔ ایک معنی پر اگر ہزار الفاظ دلالت کرتے ہوں تو اس معنی کو ایسے معنی پر جس پر صرف ایک اسم دال ہو کوئی فضیلت نہ ہوگی۔

غرض یہ بات نہایت نادرست معلوم ہو رہی ہے کہ محصور تعداد کو صرف الفاظ کے تقرر سے پورا کیا گیا ہو۔ بلکہ قرین عقل یہ بات ہے کہ ہر لفظ کے تحت میں خاص معنی ہوں تو جب ہم دو لفظ متقارب پائیں تو ان کے اندر دو امروں میں ایک امر ضرور ہوگا۔

ایک امر تو یہ کہ ان اسموں میں سے ایک اسم ننانوے کی تعداد سے خارج ہے۔ مثلاً الاحد اور الواحد کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت میں الواحد آیا ہے۔ اور دوسری روایت میں الواحد کی بجائے الاحد وارد ہے۔ تو اب اس تعداد کی تکمیل توحید کے معنی سے ہوگی جو خواہ لفظ واحد سے لیے جائیں یا لفظ احد سے۔ یا ان دونوں اسموں کو تکمیل عدد کے لیے دو اسموں کے قائم مقام سمجھا جائے اور معنی ایک ہی

ہوں۔ یہ امر میرے نزدیک عقل سے دور ہے۔

دوسرا امر یہ کہ ایک اسم کو دوسرے اسم پر کوئی نہ کوئی معنوی فوقیت ہے۔ اور اس میں ایک ایسی دلالت ہے جو دوسرے اسم میں نہیں ہے۔ اس کی مثال **الغافر** اور **الغفور** اور **الغفار** ہیں۔

اگر ان کو تین اسم جدا جدا تسلیم کیا جائے تو کوئی بعید نہیں ہے۔ کیونکہ **غَافِرٌ** صرف اصل مغفرت پر دلالت کرتا ہے۔ اور **غفور** گناہوں کی کثرت کے لحاظ سے کثرت مغفرت پر دلالت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جو ذات صرف ایک قسم کے گناہوں کو مغفرف کرے اس کو غفور نہیں کہہ سکتے اور **غفار** تکرار کے طور پر کثرت غفران پر دال ہے۔ یعنی وہ پے در پے گناہ مغفرت کرتا ہے حتیٰ کہ جو ذات تمام گناہ بخش دے مگر پہلی ہی مرتبہ بخشے اور دوبارہ کیے ہوئے گناہ کو نہ بخشے وہ اسم غفار کے مستحق نہیں۔

یہی کیفیت **غنی** اور **ملك** کی ہے۔ کیونکہ **غنی** وہ ہے جو کسی چیز کا محتاج نہ ہو۔ **ملك** بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا۔ لیکن ہر چیز اس کی محتاج ہوتی ہے۔ تو **ملك** میں **غَنِیٌ** سے زائد معنی پائے گئے۔

اس طرح **علیم** اور **خبیر** میں امتیاز ہے۔ کیونکہ **علیم** وہ اسم ہے۔ جو صرف علم پر دلالت کرتا ہے۔ اور **خبیر** امور باطنہ کے متعلق جو علم ہو اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس اتنا تفاوت ہی اسماء کو مترادف نہیں ہونے دیتا۔ اور ان میں اونٹنی اور سانڈنی اور گھوڑے اور کوتل کا سا تفاوت پیدا ہو جاتا ہے۔

اگر اس قسم کے بعض اسماء متقاربہ میں ہم ان دونوں مسلکوں پر چلنے سے عاجز آ جائیں تو چاہیے کہ کم از کم ان دونوں لفظوں کے معنوں میں کسی نہ کسی وجہ سے تفاوت ہونے کا ہم اعتقاد رکھیں۔ اگرچہ ان کے مابہ الافتراق پر کوئی نقص ہم کو نہ ملے۔ مثلاً **عظیم** اور **کبیر**۔ اب ان میں جو معنوی فرق ہے خدا کے بارہ میں ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے لیکن بایں ہمہ ہم کو اصل فرق میں کوئی شک نہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''الکبریاء ردائی و العظمتہ ازاری''
اس لحاظ سے ان میں ایک ایسا فرق ہے جو خاص تفاوت پر دلالت کرتا ہے۔
اگرچہ ردا (چادر) اور ازاد (تہبد) دونوں انسان کے لیے زینت ہیں۔ لیکن رداء ازار سے اشرف ہے۔

اسی طرح اللہ اکبر کو نماز کی کلید بنایا گیا ہے اور جو لوگ افہام ناقدہ رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ اعظم ان الفاظ کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح اہل عرب اپنے استعمال میں ان دونوں لفظوں میں بڑا فرق رکھتے ہیں۔ چنانچہ کبیر کو ایسے مقاموں میں استعمال کرتے ہیں، جہاں عظیم استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر یہ دونوں لفظ مترادف ہوتے تو یقیناً ہر مقام میں دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے۔

اہل عرب کہا کرتے ہیں فلان اکبر سناً من فلان یوں نہیں کہتے کہ اعظم سناً۔
اسی طرح جلیل بھی کبیر اور عظیم سے جدا ہے۔ کیونکہ جلال میں صفات شرف کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے یوں نہیں کہا جاتا کہ فلان اجل سینا من فلان اور اکبر سناً ہی کہا کرتے ہیں۔

اور کہا کرتے ہیں الفرس اعظم من الانسان یوں نہیں کہتے کہ اجل من الانسان۔

غرض یہ کہ اسماء گو معنے کی رو سے ایک دوسرے کے قریب ہیں لیکن مترادف نہیں ہیں۔

مقصد یہ کہ جو اسماء ننانوے اسماء میں سے ہیں ان میں ترادف محض بعید ہے کیونکہ اسماء سے مراد حروف اور آوازوں کے مخارج نہیں ہیں بلکہ ان کے مفہومات اور معانی مراد ہیں پس یہ ایک اصولی امر ہے جس کا اعتقاد ضروری ہے۔

فصل نمبر ۳

مختلف معنوں والے اسم کا بیان

جو اسم چند مختلف معنوں میں مشترک ہے جیسے المؤمن جن سے کبھی تصدیق مراد ہوتی ہے اور کبھی وہ امن سے مشتق ہوتا ہے اور اس سے امن وامان کا افادہ مراد ہوتا ہے تو کیا یہ جائز ہے کہ اس کو دونوں معنوں پر اسی طرح محمول بحمل عموم کیا جائے۔ جن طرح علیم کو غیب وآشکار اور ظاہر وباطن کے علم پر حمل کیا جاتا ہے۔

ایسے اسم کو جب لغت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ ایک اسم مشترک کو تمام مسمیات پر محمول بحمل عموم کیا جائے۔ کیونکہ اہل عرب رجل کا اسم بول کر اس سے رجال کا تو ہر فرد مراد لیتے ہیں اور یہی عموم ہے۔ مگر عین کا اسم بول کر اس سے سورج، اور دینار، اور کفہ میزان، اور چشمہ اور آنکھ یکبارگی مراد نہیں لیتے اور یہ لفظ مشترک ہے۔ بلکہ ایسا لفظ اپنے ایک معنی کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور اس معنی کی تمیز قرینے سے ہوتی ہے۔

اسم مشترک:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اصول میں مروی ہے آپ نے فرمایا ہے کہ اسم مشترک جب مطلقاً وارد ہوا ہو تو اپنے تمام مسمیات پر حمل کیا جاتا ہے۔ جس طرح علیم علم پر حمل کیا جاتا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی قرینہ تخصیص پر دلالت نہ کرے۔

یہ روایت اگر صحیح ہے تو بعید ہے بلکہ مطلق لفظ عین لغت کی جہت سے مبہم ہے تاوقتیکہ کوئی خاص قرینہ تعیین پر دلالت نہ کرے۔

تعمیمات کو زبان پر لانے سے شرع نے اکثر منع کیا ہے۔ایسے مقامات میں اسم کا معنی بیان کرنے میں شرع پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔اور ہر اسم کا وہی معنی لینا چاہیے جو زیادہ قریب ہو باقی کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ہاں جب شرع نے کسی نقطہ میں خاص تصرف کیا ہو اور اس کی وضع و تصرف کا یہ منشاء ہو کہ مطلق لفظ سے اس کے تمام معانی مراد لیے جائیں چنانچہ اسم مومن شرع میں مصدق پر محمول ہو۔اور لغت کی وضع سے نہیں بلکہ شرع کی وضع سے امن کے معنی کا فائدہ بھی دے۔جیسا کہ اسم صلوٰۃ اور صوم شرع کے تصرف اور وضع سے بعض ایسے معنوں کے لیے مخصوص ہو گئے ہیں جن کی مقتضی وضع لغت نہیں ہے اور یہ امر بعید نہیں ہے بشرطیکہ کوئی دلیل موجود ہو۔لیکن اس وقت ایسا نہیں ہو سکتا، جب کہ کوئی دلیل اس امر کی موجود نہ ہو کہ شرع نے وضع کو بدل ڈالا ہے اور میرا ظن غالب یہی ہے کہ شرع نے وضع کو متغیر نہیں کیا۔

مصنفین میں سے جو شخص کہتا ہے۔کہ ''اسمائے اللہ رب ذوالجلال میں سے کوئی خاص اسم جب کئی معنوں کا محتمل ہو۔اور ان میں سے خاص معنی کے ساتھ مخصوص ہونے کی عقلی دلیل موجود نہ ہو تو اس کو تمام معنوں پر بطریق عموم حمل کیا جائے گا۔'' وہ نہایت دوراز قیاس بات کا قائل ہے۔ہاں بعض متقارب معانی ایسے ہیں جن کا اختلاف اضافات کی طرف راجع ہوتا ہے۔ان کا تشابہ عموم سے ملتا جلتا ہے۔پس ایسے اسم میں تعمیم اقرب ہے۔جیسے السلام کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ عیب و نقص سے سلامتی مراد ہو۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس اسم سے اس ذات کی بدولت اور اس کی طرف سے خلقت کی سلامتی کی مراد ہو۔پس یہ اور اس قسم کے اور اسماء عموم سے مشابہ ہیں۔

جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زیادہ میلان منع تعمیم کی طرف ہے اور بعض معانی کی تعمیم اجتہاد ہی کے ذریعہ سے پیدا کی جاتی ہے۔

اب واضح ہو کہ مجتہد کو تعیین پر آمادہ یا تو یہ بات کرتی ہے کہ وہ معنی زیادہ مناسب

ہوتے ہیں جیسے مومن کے معنی ''امان دینے والا'' جو ''ایمان لانے والا'' کے معنی کی نسبت اللہ تعالیٰ کے حق میں زیادہ مناسب ہیں۔ کیونکہ ایمان لانا خدا کے سوا دوسری موجودات کے لیے شایاں ہے بلکہ ان پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اس کے کلام کی تصدیق کریں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا رتبہ تصدیق کرنے والے کے رتبہ سے برتر ہے۔

یہ بات مجتہد کو تعیین معنی پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ معنی دو اسموں کو مترادف نہ ہونے دے۔ جیسے ''مُهَيْمِنْ'' کو نگہبان کے سوا دوسرے معنوں پر حمل کیا جاتا ہے کیونکہ نگہبان کے معنوں کیلئے اسم رقیب وارد ہو چکا ہے اور ترادف بعید ہے چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ یا یہ بات مجتہد کو تعیین معنی پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ معنی زیادہ ظاہر اور جلد سمجھ میں آجانے والے اور کمال مدح پر زیادہ دلالت کرنے والے ہوتے ہیں۔

اسمائے باری تعالیٰ کے بیان میں ہم کو مذکورہ اصول پر چلنا چاہیے۔ اور ہر اسم سے صرف وہی جداگانہ معنی مراد لینا چاہیے جو زیادہ قریب ہو۔ اس کے سوا دوسرے معنوں کو نظر انداز کیا جائے گا۔ ہاں ہم الفاظ مشترکہ کی تعمیم جائز نہیں سمجھتے۔ اور علاوہ اس کے کس اسم میں مختلف اقوال کو ترقی دینا غیر مفید بھی ہے۔

فصل نمبر ۴

کمال وسعادت کے حصول کیلئے اسماء وصفات سے اپنا باطن آراستہ کرے

تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص اسمائے باری تعالیٰ کے معانی سے صرف اسی قدر بہرہ یاب ہے کہ ان کو الفاظ کی حیثیت سے سنتا ہے، لغات کی کتابوں میں ان کی تفسیر پڑھتا ہے اور دل سے اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میں ان کے معانی موجود ہیں تو سمجھو کہ وہ نہایت ہی کم نصیب اور کم رتبہ کا شخص ہے۔ جس کے اس سرمایہ کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس کی اصلی کامیابی کا باعث ہو سکے۔ کیونکہ صرف الفاظ کا سننا زیادہ سے زیادہ قوت سامعہ کی سلامتی کا مستدعی ہے جس سے وہ آوازوں کو محسوس کرتا ہے اور یہ ایک ایسا رتبہ ہے۔ جس میں چوپائے بھی اس کے ساتھ شریک ہیں۔ اور ایک ایسا رتبہ ہے جس میں ایک ادیب لغت دان بلکہ ایک جاہل عرب اس کے ساتھ شامل ہے۔

رہا یہ اعتقاد کہ ان اسمائے معنیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں جب یہ اعتقاد کشف کے بغیر ہو۔ تو صرف ان الفاظ کے معنیٰ سمجھنے اور ان کی تصدیق کرنے کا مستدعی ہے یہ ایک ایسا رتبہ ہے جس میں عام لوگ بلکہ ایک بچہ بھی شریک ہے۔ کیونکہ جب اس کو یہ الفاظ سنا کر ان کے معانی سمجھا دیے جائیں تو وہ سمجھ جائے گا اور ان پر دل سے یقین کرے گا۔

اور تو اور اکثر علماء کا درجہ بھی یہی ہے اس جماعت کو دوسرے لوگوں پر جو ان تینوں درجوں میں ان کے شریک ہیں جو فضیلت ہے اس سے تو انکار ہو نہیں سکتا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ معراج کمال تک پہنچنے میں یہ ایک بھاری نقص ہے۔ کیونکہ

''حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ'' ترجمہ: ''نیک لوگوں کی نیکیاں مقربوں کی شان کے لیے برائیاں ہیں۔''

اسماء الٰہی مقربین اور تین امور

اسمائے باری تعالیٰ میں سے مقربین کا حصہ تین امور ہیں:

(۱): ان اسماء کے معانی کو مکاشفہ اور مشاہدہ کے طور پر سمجھنا تا کہ ایسی دلیل کے ساتھ ان کے حقائق معلوم ہو جائیں جس میں خطا ممکن نہ ہو۔ اور ان صفات سے اللہ تعالیٰ کا موصوف ہونا ان پر اس طرح منکشف ہو جائے جس طرح انسان کو اپنی صفات کے متعلق یقین ہو جاتا ہے جو اس کو احساس ظاہر سے نہیں بلکہ مشاہدہ باطن سے حاصل ہوتا ہے۔ اب دیکھو اس مذکورہ اعتقاد میں اور اس اعتقاد میں کس قدر فرق ہے جو والدین کی تربیت اور استادوں کی تعلیم سے بطور تقلید حاصل ہوتا ہے۔ اگر چہ اس کے ساتھ مباحثانہ دلائل بھی شامل ہوتے ہیں۔

(۲): مقربین کا اس کی صفات جلال کی اس عظمت کی نگاہ سے دیکھنا جس سے ان کو خود ان صفات سے حتی الامکان متصف ہونے کا شوق پیدا ہو جائے تا کہ وہ اس ذریعہ سے نہ صرف بالامکان بلکہ بالصفت اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائیں۔ اور اس اتصاف کے ساتھ ملائکہ مقربین سے مشابہت پیدا کر لیں۔ اور جب کسی صفت کی عظمت دل میں سما جاتی ہے تو اس کے لیے لازم ہے کہ اس صفت کا شوق اور اس جمال وجلال کا عشق اور اس وصف سے اپنے باطن کو آراستہ کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ اگر یہ سعادت کامل طور پر حاصل ہونی ممکن ہو تو کامل طور پر ورنہ بقدر امکان ضرور شوق پیدا ہو۔ اور اس شوق سے خالی ہونے کے دو ہی باعث ہو سکتے ہیں یا تو اس وصف کے اوصاف جلال وکمال میں سے ہونے کا پورا پورا یقین نہ ہو یا دل کسی دوسرے شوق میں ڈوبا ہوا ہو۔

چنانچہ شاگرد جب اپنے استاد کو علم میں عامل دیکھتا ہے تو اس کو شوق برانگیختہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ مشابہت پیدا کرے اور اس کے قدم بقدم چلے۔ ہاں مثلاً جب اس کو سخت بھوک لگی ہو تو اس وقت ایسا شوق غالب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے باطن کا کھانے کے شوق میں مستغرق ہونا، علم کے شوق کا مانع ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ صفات باری تعالیٰ کے مشاہدہ کرنے والے کا دل ماسوے اللہ تعالیٰ کے خیال سے بالکل خالی ہو کیونکہ معرفت کا تخم شوق ہے۔ لیکن اسی وقت جب کہ ساخت دل خواہشات کے خاروخس سے پاک ہو ورنہ تخم بارآور نہیں ہوگا۔

(۳): مقربین کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ کسی ممکن حد تک ان صفات کو حاصل کریں اور ان کی خوبیوں سے اپنی باطنی حالت کو آراستہ کریں جس سے بندہ ربانی یعنی رب کا مقرب بن جاتا ہے کیونکہ ان صفات کی بدولت وہ فرشتگان ملائے اعلیٰ کا رفیق ہو جاتا ہے جو مقربان درگاہ الٰہی ہیں۔ پس جو شخص ان کی صفات کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت پیدا کر لیتا ہے وہ اس مشابہت کی مقدار موافق اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔

صفات خدا کے ساتھ خدا قرب حاصل کرنا:

سوال:

اللہ کی صفات کے ساتھ خدا کا قرب حاصل کرنا ایک باریک بات ہے جس کو مانتے ہوئے دل کتراتا ہے لہٰذا اس مسئلے پر ذرا زیادہ روشنی ڈالیے۔

جواب:

غالباً یہ امر تم سے اور اوسط درجہ کے کسی عالم سے مخفی نہ ہوگا کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کامل دوسری ناقص۔ کامل ناقص سے اشرف ہے۔ اور چونکہ کمالات کے درجات متفاوت ہیں اور نہتائے کمال صرف ایک ذات پر موقوف ہے حتی کہ کمال مطلق اس کے سوا اور کسی کا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ دوسری موجودات کے

کمالات ایک دوسرے کی نسبت متفاوف ہیں جس کا کمال جتنا زیادہ ہے، اتنا ہی زیادہ اس ذات کے قریب ہے جس کو کمال مطلق حاصل ہے۔ اور قرب سے مراد رتبہ اور درجہ مراد ہے نہ کہ مکان۔ پھر موجودات ایک اور اعتبار سے دو قسموں میں منقسم ہیں۔ ایک زندہ، دوسری بیجان اور تم بخوبی جانتے ہو کہ زندہ بیجان کی نسبت اشرف و اکمل ہے۔ اس کے بعد یاد رکھو کہ زندہ کے تین درجے ہیں۔ ایک درجہ ملائکہ کا، دوسرا انسان کا، تیسرا بہائم کا درجہ نہایت گرا ہوا ہے۔ کیونکہ زندہ (حیّ) وہ چیز ہے جو باادراک اور فعل صادر کرنے والی ہو۔ اور بہائم کے ادراک میں بھی نقص ہے اور اثر و فعل میں بھی نقص ہے۔

بہائیم کے ادراک کا نقصان یہ ہے کہ وہ صرف حواس میں مقصور ہے اور جواس کا ادراک غیر مکمل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ انہیں اشیاء کا ادراک کر سکتے ہیں، جو دیکھنے، سونگھنے یا سننے یا چکھنے یا ٹٹولنے سے محسوس ہو سکیں۔ اور پھر ساتھ ہی قریب بھی ہوں۔ اگر یہ اشیاء سامنے موجود نہ ہوں تو آلات حسّ بالکل معطل و بیکار رہتے ہیں۔

بہائیم کا فعل اس لیے ناقص ہے کہ وہ صرف شہوت اور غضب کے مقتضا میں محصور ہے اور ان میں عقل بھی نہیں جو شہوت و غضب کو روکے۔

ملائکہ کا درجہ ان تینوں سے بالا ہے اور یہ وہ مخلوق ہے جس کے ادراک میں مدرکات کے قرب و بعد سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ ان کا ادراک صرف ان اشیاء پر موقوف نہیں ہے، جن میں قرب و بعد متصور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اشیاء اجسام ہوتے ہیں۔ اور اجسام تمام موجودات میں سے خسیس ہیں۔ نیز یہ مخلوق شہوت اور غضب کی مقتضیا سے پاک ہے۔ پس اس کے افعال شہوت اور غضب کے تقاضے سے نہیں ہیں۔ بلکہ ان افعال کا داعی ایک ایسا امر ہے۔ جو شہوت و غضب سے برتر ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی طلب ہے۔

انسان کا درجہ ان دونوں مخلوقوں کے مابین ہے۔ گویا وہ بہیمیت (چارپایوں کی

صفات) اور ملکیت (فرشتوں کی صفات) سے مرکب ہے۔ اور ابتدائی حالت میں اس پر بہیمیت غالب ہوتی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کو محض حواس کے ساتھ ادراک حاصل ہوتا ہے جن کے ذریعہ سے ادراک کرنے کے لیے وہ اس بات کا محتاج ہے کہ وہ حس و حرکت سے امر محسوس کی طرف قرب طلب کرے۔ یہاں تک کہ بالآخر اس میں عقل کا نور درخشاں ہوتا ہے جو بدن کی حرکت کیے بغیر اور قرب طلب کیے بدون عالم بالا میں تصرف کرتا ہے بلکہ وہ ایسے ایسے امور کا ادراک کرنے لگتا ہے جو مکانی قرب و بعد کو قبول نہیں کرتے۔

غرض کہ پہلے اس میں شہوت و غضب اپنے اپنے مقتضا کے موافق غلبہ دکھاتے ہیں۔ پھر اس کو طلب کمال اور عاقبت بینی کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ پس جب وہ شہوت و غضب کو مغلوب کر لیتا ہے تو یہ دونوں طاقتیں کمزور ہو جاتی ہیں تو اس سے انسان کو فرشتوں کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کا نفس خیالات اور محسوسات کو ترک کر کے ان امور کے ادراک سے مانوس ہو جائے جو حس اور خیال کی نسبت سے بالا ہیں تو اس کو فرشتوں کے ساتھ اور بھی مشابہت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حیات کی خاصیت ادراک اور عقل ہے اور یہ دونوں کم اور متوسط اور کامل ہو سکتے ہیں۔ انسان ان صفتوں میں جوں جوں فرشتوں کی پیروی کرتا جائے گا توں توں درجہ بہیمیت سے دور اور درجہ ملکیت سے قریب ہوتا جائے گا۔ اور یہ درجہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہے۔ اور قریب سے قریب ہونے والی چیز بھی قریب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان نسبت:

سوال:

اس کلام سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ اور بندوں کے درمیان نسبت قائم ہے۔ کیونکہ جب اس کے اخلاق اپنے وجود میں پیدا کرے گا تو اس کے مشابہ ہو جائے گا حالانکہ یہ امر عقلاً و شرعاً معلوم ہے کہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ نہ وہ کسی شے کے مشابہ

ہے نہ کوئی شے اس کے مشابہ ہے؟

جواب:

جب تم اس مماثلت کا معنی سمجھتے ہو جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے بعید ہے تو تم یہ بھی سمجھتے ہو گے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں۔ مگر یہ گمان ٹھیک نہیں کہ کسی وصف میں شریک ہونے سے مماثلت لازم آتی ہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ دو ضدیں باہم مماثل نہیں ہوتیں۔ اور ان کے درمیان ایک ایسا بعد ہوتا ہے جس سے زیادہ بعد خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ پھر بھی وہ دونوں بہت سی اوصاف میں مشارک ہوتی ہیں۔ مثلاً سیاہی سفیدی کی ضد ہے اور یہ دونوں عرضیت میں اور رنگ میں اور آنکھوں سے محسوس ہونے میں اور اس کے سوا اور بہت سی باتوں میں باہم مشارک ہیں۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود لا فی مکان اور سمیع، بصیر، عالم، مرید، متکلم، حیّ، قادر اور فاعل ہے اور انسان میں بھی یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ تو کیا وہ خدا کو بندہ سے مشابہ کر کے اس کی مثل قرار دیتا ہے۔ حاشا و کلا، اگر ایسا ہوتا، تو تمام مخلوقات باہم مشابہ ہوتیں، کیونکہ سب کی سب کم از کم وجود میں تو باہم مشارک ہیں۔ بلکہ مماثلت سے مراد نوع اور ماہیت کی مشارکت ہے۔ پس گھوڑا اگرچہ سمجھ میں خائق ہے، مگر انسان کی مثل نہیں بن سکتا کیونکہ نوع میں اس کے مخالف ہے۔ سمجھ جس میں وہ انسان کے ساتھ مشابہ ہے ایک عرض ہے جو انسان کی ماہیت سے خارج ہے۔

خاصیت الٰہی یہ ہے کہ وہ موجود واجب الوجود بذاتہ ہے جو تمام ممکنات کو نہایت عمدگی سے موجود کرتا ہے۔ اس خاصیت میں کسی چیز کا مشارک ہونا تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ اور اگر بندہ کی بعض صفات فاصلہ کے نام ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خاصیت کے نام ہیں تو اس سے مماثلت لازم نہیں آتی، مثلاً وہ سمیع، بصیر، عالم، قادر، حیّ اور فاعل ہے اور بندہ بھی سمع، بصر، علم، قدرت، زندگی اور فعل سے موصوف ہوتا ہے بلکہ

خاصیت الٰہی خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کو اللہ ہی جانتا اور پہچانتا ہے۔
یہ بات خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ اس کے سوایا معاذ اللہ اس کی مثل کے سوا اور کوئی چیز اس خاصیت کو سمجھ اور پہچان سکے۔ اور جب اس کی مثل کوئی نہیں تو صرف وہی ایک اپنے آپ کو اچھی طرح جانتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے

''لَا یَعْرِفُ اللّٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تَعَالٰی''

ترجمہ: ''اللہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ جب انتقال کرنے لگے تو کسی نے پوچھا: اب آپ کا دل کیا چاہتا ہے۔ فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو پہچان لوں خواہ ایک لحظہ بھر کے لیے۔

اس مقام پر اکثر ضعیف الاعتقاد لوگوں کے دلوں میں تشویش انگیز خیالات اٹھا کرتے ہیں اور ان کو نفی و تعطیل کا وہم دامنگیر ہونے لگتا ہے اس لیے کہ ان کو اس قسم کے کلام کے سمجھنے کی قدرت نہیں ہوتی ہم اس بات کو سمجھاتے ہیں۔ سنو!

اگر کوئی کہے کہ ''میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں پہچانتا تو اس کا یہ قول درست ہے۔ اور اگر کہے کہ ''میں خدا کو نہیں پہچانتا'' تو بھی درست ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ نفی واثبات اکٹھے صادق نہیں آتے بلکہ ایک صادق آسکتا ہے۔ کیونکہ نفی کا صادق آنا اثبات کا کاذب ہو جاتا ہے وبالعکس لیکن جب کلام کی وجہ مختلف ہو تو دونوں قسموں میں صدق متصور ہو سکتا ہے۔

جیسے کوئی کسی سے پوچھے کیا تم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جانتے ہو۔'' اور وہ یوں جواب دے کہ ''صدیق رضی اللہ عنہ'' ایسے نہیں ہیں جن کو کوئی نہ جانتا ہو دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جو اسے مشہور و معروف بزرگ کو نہ جانتا ہو جن کا نام شہرہ آفاق ہے ممبروں پر انہیں کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ مسجدوں میں انہیں کا ذکر ہو رہا ہے۔ زبانوں

پر انہیں کی مدح جاری ہے۔'' تو اس کا جواب صحیح ہوگا۔

اور اگر وہی سائل کسی دوسرے شخص سے پوچھے ''کیا تم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جانتے ہو'' اور وہ یوں جواب دے کہ ''آہ! میں کون ہوں، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جان سکوں۔

چہ نسبت خاک رایا عالم پاک

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو وہی جانے، جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر یا اس سے بڑھ کر ہو میرا یہ دل گردہ کہاں کہ ان کی تعریف کرنے یا ان کی تعریف کے خواہشمند ہونے کی ہمت کرسکوں مجھ جیسے ناچیز تو ان کا نام ہی نام یا ان کی صفات سن سکتے ہیں اگر ان کی معرفت کا دم ماریں تو یہ محال ہے۔'' اس شخص کا کہنا بھی بجا سمجھا جائے گا جس کی وجہ تعظیم واحترام ہے۔

اسی طرح اس شخص کا قول بھی سمجھا جائے گا جو کہتا ہے کہ میں خدا کو جانتا ہوں اور اس کا قول بھی جو کہتا ہے میں خدا کو نہیں جانتا۔''

بلکہ اگر تم کسی عاقل شخص کو ایک خط دکھا کر پوچھو کہ جس شخص نے اس کو لکھا ہے تم اس کو جانتے ہو؟ اور وہ جواب دے کہ ''نہیں'' تو اس کا جواب درست ہے۔ اور اگر یوں جواب دے کہ ''ہاں جانتا ہوں۔ اس کا لکھنے والا، انسان، زندہ، قادر، سمیع، بصیر، تندرست ہاتھ والا اور لکھ سکنے والا ہے جب اس کی اتنی صفات مجھ کو معلوم ہیں تو میں اس کو کیوں نہ جانوں'' یہ جواب بھی بجا ہے۔ لیکن زیادہ درست اور فی الواقع بجا جواب یہ ہے کہ ''نہیں میں اس کو نہیں جانتا'' کیونکہ وہ فی الحقیقت اس کو نہیں جانتا۔ اور صرف اتنا اس کو معلوم ہے کہ ایسا خط وہی شخص لکھ سکتا ہے جس میں مذکورہ اوصاف ہوں اور خود کاتب کو نہیں جانتا۔

اسی طرح بندے صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ انتظام اور محکم عالم ایسے صانع کا محتاج ہے، جو مدبر، حی عالم اور قدیر ہو۔ اور اس معرفت کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو

عالم سے متعلق ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ عالم ایک مدبر حقیقی کا محتاج ہے۔ دوسرا پہلو اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے۔ اس کا مطلب اسمائے باری تعالیٰ ہیں جو ایسی صفات سے مشتق ہیں جو حقیقت ذات میں داخل نہیں ہیں۔

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے تو اسمائے مشتقہ اس کا جواب ہرگز نہیں بن سکتے۔ چنانچہ کسی حیوانی وجود کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے۔ اور جواب لے کہ ''لمبا ہے۔ سفید ہے۔ یا کوتاہ قد ہے اور سیاہ ہے۔

یا مثلاً پانی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے اور جواب ملے کہ ''ٹھنڈا ٹھنڈا ہے۔ یا مثلاً آگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے۔ اور جواب ملے گرم گرم ہے۔'' تو یہ سارے جوابات ماہیت کی رو سے جواب نہیں ہیں۔ کسی چیز کی معرفت جبھی حاصل ہو سکتی ہے کہ اس کی حقیقت و ماہیت معلوم ہو جائے نہ کہ صرف اسم مشتق۔ چنانچہ ہمارا ایک چیز کو گرم کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک مبہم شے حرارت سے موصوف ہے اسی طرح ہمارے عالم و قادر کہنے کے یہ معنی ہیں کہ ایک مبہم شے کو علم و قدرت کا وصف حاصل ہے۔

واجب الوجود سے کیا مراد ہے؟

سوال:

تو ہمارے اس قوت سے کہ ''وہ واجب الوجود ہے۔ جس سے تمام ممکن الوجود اشیاء ظاہر ہوئی ہیں؟ اس کی حقیقت مراد ہے؟

جواب:

تو یہ، تو یہ واجب الوجود سے تو صرف یہ مراد ہے کہ وہ علت اور اور فاعل سے مستغنی ہے جس کا مطلب سلب سبب ہے۔ اور ان تمام ممکن الوجود اشیاء کے ظاہر

ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ کیا ہے؟ اور ہم جواب دیں کہ ''وہ فاعل ہے۔'' یا ''وہ جس کی کوئی علت نہیں ہے تو یہ جواب نہیں بن سکتا۔ پھر یہ جواب کیونکر کافی ہو سکتا ہے کہ ''جس کی کوئی بھی علت نہیں'' کیونکہ یہ ساری تعریفیں اس کی ذات سے خارج ہیں اور ان کا مدعا صرف کسی خارج الذات اضافت کا اثبات یا نفی ہے اور یہی اسماء، صفات اور اضافت ہیں۔

معرفت کا ذریعہ کونسا ہے:

سوال: تو پھر اس کی معرفت کا کونسا ذریعہ ہے؟

جواب: یہ سوال ایسا یہ ہے جیسے کوئی بچہ یا پیدائشی نامرد پوچھے کہ جماع کی لذت معلوم کرنے کا کونسا ذریعہ ہے۔ تو ہم اس کو یوں جواب دیں گے کہ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

ایک تو یہ کہ تم کو اس کا وصف سنا دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ تم صبر کے ساتھ اس وقت کا انتظار کرو جب تم میں قوت شہوت پیدا ہو جائے اور تم خود اپنی بیوی کے ساتھ شوہرانہ برتاؤ کر کے جماع کی لذت کا اندازہ لگاؤ۔

یہ دوسرا طریقہ ہی ایسا ہے جو پوری معرفت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ پہلے طریقہ میں بجز اس کے اور کوئی فائدہ نہیں کہ اس سے ایک تو ہم اور کسی دوسری لذت کے ساتھ تشبیہ کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور جب شہوت پیدا ہو جاتی ہے اور اس لذت کے چکھنے کا موقع ملتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لذت شکر کی مٹھاس کے مشابہ نہیں ہے۔ اور نہ وہ تو ہم جو اس کے متعلق تھا ٹھیک تھا۔ ہاں اتنی بات مان لیتا ہے کہ اس کے متعلق بو یہ سنا کرتے تھے کہ وہ عجیب لذت اور بینظیر لطف ہے تو یہ تعریف شکر کی نسبت اس لذت کے حق میں زیادہ صادق اور صحیح تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت کے دو طریقے ہیں ایک تو قاصر ہے اور دوسرا

مسدود ہے۔

قاصر یہ ہے کہ ہم اس کے اسماء وصفات کا ذکر کریں اور اپنے متعلق جو صفات ہمیں معلوم ہیں مثلاً ہم قادر ہیں، عامل ہیں، زندہ ہیں، متکلم ہیں، ان پر قیاس کر کے ہی نوع کا کامل صفات سے اس کو موصوف سمجھیں۔ جس طرح پیدائشی نامرد کو شکر کے ذائقہ کی مثال سے جماع کی لذت سمجھائی جائے۔ گو ہماری قدرت، عمل، حیات، کلام وغیرہ اوصاف خدا کی قدرت وعمل وحیات وکلام وغیرہ سے بالکل بعید ہیں۔ اور دونوں میں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔ اور ان اوصاف کے ساتھ اللہ کی تعریف کرنے کا فائدہ ایہام اور تشبیہ اور اسمی مشارکت ہے۔ کیونکہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ نامرد کے سامنے لذت جماع کی مثال کے لیے کوئی ایسی لذت پیش کریں جس کو وہ محسوس کرتا ہو جیسے کسی کو میٹھے کھانے کی لذت ہو اور اس کو کہیں کہ کیا تم جانتے ہو کہ شکر لذیذ ہوتی ہے اور اس کو کھاتے وقت خاص مزا آتا ہے اور پر لطف حالت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں وہ کہے گا۔ ہاں! پھر ہم اس کو کہیں گے کہ جماع کی لذت بھی ویسی ہی ہے۔ تو کیا آپ کے نزدیک اس تعریف سے اس کو جماع کی حقیقت اسی طرح معلوم ہو جائے گی جس طرح خود صاحب کیفیت کو معلوم ہوتی ہے حاشا وکلا۔ بلکہ اس وصف سے مدعا صرف ایہام اور تشبیہ اور اسمی مشارکت سمجھانا ہے۔ ایہام اس لحاظ سے ہے کہ اس سے یہ تو ہم ہو سکتا ہے کہ یہ امر علی الجملہ پر لطف ہے۔ تشبیہ اس لحاظ سے کہ اس کو شکر کی مٹھاس سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ لیکن تشبیہ کو ہم اس طرح قطع کر سکتے ہیں کہ "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ پس وہ حیّ (زندہ ہے) مگر دوسرے احیاء (زندوں) کی طرح نہیں۔ اور وہ قادر ہے مگر دوسرے قادروں کی مثل نہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ جماع شکر کی طرح لذیذ ہے مگر اس کی لذت کو شکر کی لذت سے کچھ مشابہت نہیں ہے ہاں اسمی مشارکت ہے۔

چنانچہ جب ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیّ، قادر اور عالم ہے تو ابتداء

ن معنوں کو اپنے پر قیاس کر کے سمجھتے ہیں۔ اس لیے ایک پیدائشی بہرہ، خدا کے سمیع ونے کا معنی معلوم کر سکتا ہے۔ اور اسی لیے جب کوئی پوچھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اشیاء کا ملم کیونکر ہوتا ہے تو ہم اس کو جواب دیتے ہیں کہ جس طرح تم کو اشیاء کا علم ہوتا ہے۔ پھر اگر کوئی پوچھے کہ وہ قادر کیونکر ہے۔ تو ہم جواب دیں گے کہ جس طرح تجھ کو قدرت حاصل ہے۔

غرض کوئی شخص جبھی ایک نئی بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے جب کہ خود اس کے نفس میں اس کے مناسب کوئی بات موجود ہو۔ پس پہلے وہ اپنے وصف کو معلوم کرتا ہے پھر اس پر قیاس کر کے دوسری چیز کے وصف کو سمجھتا ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی ذات میں ایک ایسا وصف و خاصیت ہو جس کے ساتھ ہمارے وصف کو کوئی مناسبت اور مشارکت نہ ہو۔ اگر ہو تو صرف اسمی مشارکت ہو خواہ ایسی ہی مشارکت ہو جیسی شکر کی لذت اور جماع کی لذت میں ہے تو اس کا سمجھنا محال ہے۔

پس جو شخص اپنی صفات کے سوا اور کچھ نہیں جانتا اور انہیں پہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو قیاس کرتا ہے جس کی صفات مشابہت سے پاک ہیں۔ تو اس کی یہ معرفت بالکل قاصر ہے جس پر ایہام و تشبیہ غالب ہے۔ پس اس کے ساتھ وہ معرفت شامل ہونی چاہیے جس میں مشابہت اصل مناسبت اور مشارکت فی الاسم بالکل منتفی ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دوسرا مسدود طریقہ یہ ہے کہ بندہ اس امر کا منتظر رہے اس کو تمام صفات ربوبیت حاصل ہو جائیں حتی کہ وہ خود رب بن جائے۔ جس طرح ایک بچہ منتظر ہوتا ہے کہ وہ بالغ ہو کر خود شباب کی لذت چکھ لے۔ اور یہ طریقہ مسدود اور محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی حقیقت کا کسی کو حاصل ہونا محال ہے۔ ورنہ پوری حقیقت دکھا دینے والا یہی طریقہ تھا اور وہ قطعاً مسدود ہے۔

عرض اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت خدا کے سوا کسی دوسرے کو حاصل ہونی محال

ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ نبی کو معرفت بھی نبی کے سوا اور حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو شخص نبی نہیں ہے وہ نبی کا نام ہی جانتا ہے اس کی حقیقت سے مطلع نہیں ہے۔ اس خاصہ سے مطلع خاص نبی ہی ہو سکتا ہے۔ بلکہ میں اس پر بھی اضافہ کرتا ہوں کہ کوئی شخص موت کی حقیقت اور جنت و دوزخ کی حقیقت مرنے یا جنت و دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہی معلوم کرے گا۔ کیونکہ جنت سے مراد اسباب لذت ہیں۔ اگر ہم ایک ایسا شخص فرض کریں جس نے کبھی بھی کوئی لذت نہ دیکھی ہو تو اس کو جنت کا مضمون اس طرح سمجھا دینا غیر ممکن ہے کہ اس کو اس کی خواہش ہو جائے اور دوزخ سے مراد، درد رساں امور ہیں۔ تو اگر ہم کوئی ایسا انسان فرض کریں جس نے کبھی کسی قسم کا درد محسوس نہ کیا ہو تو اس کو دوزخ کا مضمون سمجھا دینا از حد مشکل ہے۔ ہاں اگر اس نے کسی قسم کی تکلیف محسوس کی ہو تو ہم اس کو تکلیف سے کئی گنا تکلیف بتا کر دوزخ متصور کرا سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر اس نے کھانے، عیش منانے اور نظارہ کرنے کی لذتیں چکھی ہوں تو اس کو سمجھا سکتے ہیں کہ ان تمام لذتوں سے بہت ہی بڑی لذت کا نام جنت ہے۔ اگر جنت کی لذت لذتوں کے مخالف ہو تو اس کے سمجھانے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ لذت شکر کی مثال سے لذت جماع کو ذہن نشین نہیں کر سکتے۔ اور جنت کی لذتیں تو ان تمام لذتوں سے جو دنیا میں حاصل ہوتی ہیں بالاتر ہیں۔ بلکہ وہ ایسی لذتیں ہیں جن کو کسی نے آنکھ سے نہیں دیکھا کسی کان نے نہیں سنا۔ اور کسی بشر کے دل میں ان کا خیال بھی نہیں گذرا۔ اگر ہم ان کو مزیدار کھانوں سے تشبیہ دیتے ہیں تو بھی ساتھ ہی کہنا پڑتا ہے کہ ان لذتوں کو جنت کی لذت سے کوئی نسبت نہیں۔ اگر ہم ان کو جماع کی لذت سے تشبیہ دیتے ہیں تو ساتھ ہی اقرار کرتے ہیں کہ وہ لذتیں کچھ اور ہیں اور یہ کچھ اور۔ تو لوگ ہمارے اس قول پر تعجب کیوں کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کی مخلوق نے اللہ کی صفات اور اسماء کے سوا اور کوئی معرفت اس کے متعلق حاصل نہیں کی۔ حالانکہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں کو جنت کے نام اور سنی

سنائی تعریفوں کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہے اور ہر چیز کا یہی حال ہے جس کا انسان نے
م اور صفت ہی سنی ہو اور اس کو چکھا یا محسوس نہ کیا ہو۔

عارفین کی حقیقی معرفت:

سوال: عارفین کی معرفت کی غایت کیا ہے؟

جواب: عارفین کی انتہائے معرفت یہ ہے کہ وہ معرفت سے عاجز آ جاتے ہیں۔ اور ان کی حقیقی معرفت یہ ہے کہ وہ اس کو پہچان نہیں سکتے۔ کیونکہ یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ذات خدا کو پوری معرفت کے ساتھ صفات ربوبیت کے حقیقی اسرار سمیت پہچان سکے۔ پس جب یہ بات ان کو انکشاف برہانی کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے تو گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ یعنی وہ معرفت کی اس حد تک پہنچ گئے جو مخلوق کیلئے ممکن ہے۔ یہ وہ حد ہے جس کی طرف حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے کہ ”ادراک کے ادراک سے عاجز آ جانا بھی ادراک ہے۔“

بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی یہی مراد ہے کہ

”لا احصی ثناء علیك انت كما اثنیت علی نفسك“

ترجمہ: ”میں تیری پوری پوری تعریف نہیں کر سکتا، جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔“

اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی ایسی بات معلوم ہوئی ہے جس کے ادا کرنے کے لیے لفظ نہیں کر سکتا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ”میں تیرے محامد اور صفات الٰہیت کا احاطہ نہیں ملتے۔ بلکہ ان کا احاطہ کرنے والا صرف تو ہی ہے۔ اس لحاظ سے کسی مخلوق کو اس کی حقیقت ذات کے ملاحظہ کا حصہ نہیں ملا۔ اور اتساع معرفت صرف اس کی صفات اور اسماء کی معرفت میں ہے۔

ملائکہ، انبیاء اور اولیاء کے مدارج معرفت میں فرق:

سوال: تو پھر ملائکہ، انبیاء اور اولیاء کے مدارج معرفت میں فرق کس بات کا ہے؟

جواب:

ہم بتا چکے ہیں کہ معرفت کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک طریقہ حقیقی ہے جو اللہ کے سوا اور سب کے حق میں مسدود ہے جو کوئی اس کو حاصل کرنے کی جرأت کرتا ہے جلال ایزدی اس کو حیران کر دیتا ہے اور ہیبت الٰہی اس کی آنکھیں بند کر دیتی ہے۔

دوسرا طریقہ:

جس سے مراد اسماء وصفات کی معرفت ہے یہ مخلوق کے لیے عام ہے اور اس میں مخلوق کے مدارج متفاوت ہیں۔ پس جو شخص صرف اتنا جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم و قادر ہے وہ اس شخص کی ریس نہیں کر سکتا جو خدا کی ان صفتوں کو اپنی آنکھوں سے ان کے اپنے مظاہر میں ملاحظہ کرتا ہے۔ اور اس کے ملک کی عجائبات اور اس کی حیرت انگیز صفتوں پر نظر ڈالتا ہے اس کی حکمت کی باریکیوں کو سمجھتا ہے۔ اور ان فرشتوں کے اوصاف اپنے اندر پیدا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں بلکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس بات کو ہم ایک مثال سے سمجھاتے ہیں ''وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی''

تم جانتے ہو کہ ایک عالم و متقی کامل مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو، ان کا دربان بھی جانتا ہے اور ان کے شاگرد مزنی رحمۃ اللہ علیہ بھی جانتے ہیں۔ دربان تو صرف اس قدر جانتا ہے کہ وہ شرع کے ایک عالم ہیں اور لوگوں کو مسائل بتاتے ہیں۔ اور مزنی رحمۃ اللہ علیہ جو ان کو جانتے ہیں تو ان کا جاننا دربان کے مشابہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ پوری پوری معرفت اور تفصیلی صفات و معلومات کے ساتھ ان کو جانتے ہیں۔

بلکہ جو عالم دس قسم کے علوم بخوبی جانتا ہے اسکو اس کا وہ شاگرد بھی اچھی طرح جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتا جو صرف ایک علم میں اس کا شاگرد ہے اور اس کا وہ خادم جس نے اس سے کچھ بھی علم نہیں پڑھا اس کو جانتا ہی نہیں بلکہ جو شاگرد ایک علم میں اس کا شاگرد ہے۔ اس کو گویا اس کے اوصاف میں سے صرف دسواں حصہ معلوم ہے۔

بشرطیکہ اس ایک علم میں بھی اس کے برابر ہو۔ ورنہ اگر اس میں کچھ بھی اس سے کم ہوا تو گویا وہ بھی اس کو بخوبی نہیں پہچانتا بلکہ صرف نام ہی نام جانتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مخلوق متفاوت ہے جس کو جس قدر زیادہ اس کی خدائی کے آثار اور کیفیات معلوم ہیں اسی قدر زیادہ معرفت اس کو حاصل ہے۔ اور اس کی معرفت اسی قدر حقیقی معرفت کے قریب ہے۔

اسماء وصفات کی معرفت:

سوال: جب اس کی ذات کی حقیقی معرفت محال ہے۔ تو کیا اسماء وصفات کی پوری پوری معرفت بھی حاصل ہے یا نہیں؟

جواب:

یہ بھی نہایت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات واسماء کا حقیقی اور کامل علم بھی خود اسی کو ہے۔ اس لیے کہ جس کسی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مثلاً وہ ایک ذات عالم ہے تو ہم کو ایک مبہم شے کا علم ہو جاتا ہے جس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ لیکن اتنا جانتے ہیں کہ اس میں علم کی صفت علم کی پوری حقیقت جانتے ہوتے تو پھر ہمیں اس بات کی نسبت کہ وہ عالم ہے پورا پورا علم حاصل ہوتا۔ ورنہ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے علم کی حقیقت کو تو اس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ پس اس کے سوا کوئی بھی اس کی موصوفیت بالعلم کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور اگر کوئی سمجھتا ہے، تو اپنے علم پر قیاس کر کے سمجھتا ہے۔ جیسا کہ ہم شکر کی مثال میں بیان کر چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے علم سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ پس مخلوق کی معرفت اس کی ذات وصفات کے متعلق حقیقی نہیں ہو سکتی۔ اگر ہے تو تشبیہی اور الہامی ہو سکتی ہے۔

اوپر کے بیان سے تم کو متعجب نہ ہونا چاہیے دیکھو ایک جادوگر کو خود اس کا دل ہی جانتا ہے یا کوئی دوسرا اس سے بڑھ کر یا برابر کا جادوگر جان سکتا ہے بخلاف اس کے جس شخص کو جادو کا علم نہیں ہے اور نہ وہ اس کی حقیقت و ماہیت سے واقف ہے۔ وہ تو

جادوگر کا نام ہی نام جانتا ہے یا زیادہ سے زیادہ اتنا جانتا ہے کہ اس کو جادو کا علم آتا ہے اس سے آگے اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ علم کیسا ہے چ کیونکہ اس کو اس علم کا موضوع ہی معلوم نہیں ہے اور نہ اس کی خاصیت معلوم ہے۔ ہاں اتنا جانتا ہے کہ یہ خاصیت گو مبہم ہے مگر علوم کی قسم سے ہے۔ اور اس کا ثمرہ تغییر قلوب اور تبدیل اوصاف اور زن وشوہر میں تفرقہ اندازی ہے۔ مگر یہ باتیں اس کی حقیقی شناخت سے بالکل جدا ہیں۔ اور جس کو جادو کی حقیقت معلوم نہیں ہے وہ جادوگر کی حقیقت کیا سمجھے گا۔ کیونکہ ساحر (جادوگر) وہ ہے جس کو سحر (جادو) کی خاصیت حاصل ہوتی ہے۔ اور اسم ساحر کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ایسا اسم ہے جو اس صفت سے مشتق ہے۔ اگر یہ صفت نامعلوم ہے تو یہ اسم بھی معلوم ہوگا۔ اور اگر وہ معلوم ہے، تو یہ بھی معلوم ہوگا۔ اور عام لوگوں کو سحر کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک وصف ہے مگر یہ بات ماہیت سے بعید ہے۔

اسی طرح ہم کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ایک وصف الٰہی ہے جس کا ثمرہ اور اثر اشیاء کا وجود ہے اور اسم قدرت اس پر منطبق ہے۔ کیونکہ وہ ہماری قدرت کے ساتھ اسی طرح نسبت رکھتی ہے جس طرح جماع کی لذت شکر کی لذت کے ساتھ نسبت رکھتی ہے۔ اور یہ بات اس قدرت کی حقیقت سے لکل علیحدہ ہے۔ ہاں بندہ جس قدر اللہ تعالیٰ کی مقدورات میں اپنی نظر وسیع کرتا جائے گا اسی قدر وہ صفت قدرت کے سمجھنے میں زیادہ بہرہ یاب ہوگا۔

جس طرح شاگرد کو اپنے استاد کے علم کی جس قدر تفاصیل اور تصانیف معلوم ہوں اسی قدر وہ اس کو زیادہ صحیح طور پر جانتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے عارفین کی معرفت کے تفاوت کا۔ کیونکہ بندہ کا ذہن اللہ تعالیٰ کے جن معلومات تک پہنچ نہیں سکتا ان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور جن تک پہنچ سکتا ہے، ان کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ اگرچہ موجودات متناہی ہیں لیکن آدمی کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔ ہاں یہ علم جس درجہ تک حاصل ہوتا ہے اس کو متناہی کہہ سکتے ہیں اور ایسے مدارج قلت وکثرت کے لحاظ سے متفاوت

ہیں اور اسی تفاوت سے لوگوں کی معرفت متفاوت ہے۔ اور یہ تفاوت ایسا ہی ہے۔ جیسے مال کی کثرت وقلت کے باعث غناء میں تفاوت ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک شخص کے پاس ایک پیسہ ہے۔ اور دوسروں کے پاس ہزاروں روپے ہیں یہی حال علوم کا ہے بلکہ علوم کا تفاوت سب سے بڑا ہے۔ کیونکہ معلومات کی انتہا نہیں ہے۔ اور اموال اجسام میں جن کی انتہا مسلم ہے۔

اس بیان سے تم بخوبی سمجھ گئے ہو گے کہ مخلوق خدا کی معرفت میں کیونکہ متفاوت ہے۔ اور اس تفاوت کی کوئی انتہا نہیں۔ اور یہ بھی سمجھ گئے ہو گے کہ یہ قول کہ ''اللہ کو اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا'' بالکل درست ہے۔ اور یہ قول بھی صحیح ہے کہ ''میں اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں جانتا'' کیونکہ اللہ اور اس کے افعال کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ہے پس جب اس کے افعال کو اس کے افعال کی حیثیت سے دیکھا جائے تو نظر اسی پر متصور رہے گی۔ اور ان کو اس حیثیت سے نہ دیکھے گی کہ وہ آسمان یا زمین یا درخت یا پہاڑ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ چیزیں اس کی صنعت کا نمونہ ہیں۔ پس اس کی معرفت بارگاہ خداوندی سے باہر نہیں جاتی۔ اور وہ کہہ سکتا ہے کہ ''میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں جانتا۔'' اور ''میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا۔''

فرض کرو ایک شخص دنیا بھر میں صرف سورج کو اور اس کے نور کو جو دنیا میں پھیل رہا ہے دیکھتا ہے تو اس کا یہ کہنا صحیح ہو گا کہ میں سورج کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیکھتا۔'' کیونکہ نور جو اس سے پھیلتا ہے وہ بھی اسی میں سے ہے اس سے خارج نہیں ہے۔ پس تمام موجودات قدرت ازلی کے انوار میں سے ایک نور ہیں۔ اور جس طرح سورج تمام عالم میں پھیلنے والے نور کا سرچشمہ ہے۔

اسی طرح وہ معنی جس کو ادا کرنے سے عبارت قاصر ہے ضرورتاً قدرت ازلیہ سے موسوم کیا گیا۔ اور وہ اس کا سرچشمہ ہے جو ہر موجود پر فائز ہوا ہے۔ لہٰذا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

پس عارف کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں جانتا اور عجیب تر یہ کہ اگر کہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شے جانی نہیں جاتی'' تو بھی صحیح ہے۔

لیکن پہلا قول اور وجہ سے ہے دوسرا اور وجہ سے ہے۔ اگر اختلاف وجود کی صورت میں دو متناقض قول غیر صحیح ہوتے تو معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کا یہ قول صحیح نہ ہوتا کہ ''مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى'' حالانکہ وہ صحیح ہے۔ کیونکہ رَامِیْ (پھینکنے والے کے) دو لحاظ ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ فعل بندہ سے منسوب ہے، دوسرے لحاظ سے رب سے منسوب اور اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

اب ہم اپنے سمند بیان کی باگ روکتے ہیں کیونکہ ہم ایسے میدان میں آپڑے۔ جس کی انتہا نہیں ہے۔ اور اب اسماء الحسنیٰ کے معانی کی تفصیل شروع کرتے ہیں۔

دوسرا فن مقاصد خاص

فصل نمبرا

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام کی شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ کیونکہ وہ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے۔ جو کوئی ان تمام اسماء مبارکہ کو پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے مبارک نام:

اَللّٰهُ	اَلرَّحْمٰنُ	اَلرَّحِيْمُ	اَلْمَلِكُ
اَلْقُدُّوْسُ	اَلسَّلَامُ	اَلْمُؤْمِنُ	اَلْمُهَيْمِنُ
اَلْعَزِيْزُ	اَلْجَبَّارُ	اَلْمُتَكَبِّرُ	اَلْخَالِقُ
اَلْمُصَوِّرُ	اَلْغَفَّارُ	اَلْقَهَّارُ	اَلْوَهَّابُ
اَلرَّزَّاقُ	اَلْفَتَّاحُ	اَلْعَلِيْمُ	اَلْقَابِضُ
اَلْبَاسِطُ	اَلْخَافِضُ	اَلرَّافِعُ	اَلْمُعِزُّ
اَلْمُذِلُّ	اَلسَّمِيْعُ	اَلْبَصِيْرُ	اَلْحَكَمُ

اَلْعَدْلُ	اَللَّطِيْفُ	اَلْخَبِيْرُ	اَلْحَلِيْمُ
اَلْعَظِيْمُ	اَلْغَفُوْرُ	اَلشَّكُوْرُ	اَلْعَلِيُّ
اَلْكَبِيْرُ	اَلْحَفِيْظُ	اَلْمُقِيْتُ	اَلْحَسِيْبُ
اَلْجَلِيْلُ	اَلْكَرِيْمُ	اَلرَّقِيْبُ	اَلْمُجِيْبُ
اَلْوَاسِعُ	اَلْحَكِيْمُ	اَلْوَدُوْدُ	اَلْمَجِيْدُ
اَلْبَاعِثُ	اَلشَّهِيْدُ	اَلْحَقُّ	اَلْوَكِيْلُ
اَلْقَوِیُّ	اَلْمَتِيْنُ	اَلْوَلِیُّ	اَلْحَمِيْدُ
اَلْمُحْصِی	اَلْمُبْدِئُ	اَلْمُعِيْدُ	اَلْمُحْيِ
اَلْمُمِيْتُ	اَلْحَیُّ الْقَيُّوْمُ	اَلْوَاجِدُ	اَلْمَاجِدُ
اَلْوَاحِدُ	اَلْاَحَدُ	اَلصَّمَدُ	اَلْقَادِرُ
اَلْمُقْتَدِرُ	اَلْمُقَدِّمُ	اَلْمُؤَخِّرُ	اَلْاَوَّلُ
اَلْاٰخِرُ	اَلظَّاهِرُ	اَلْبَاطِنُ	اَلْوَالِی
اَلْمُتَعَالِی	اَلْبَرُّ	اَلتَّوَّابُ	اَلْمُنْتَقِمُ
اَلْعَفُوُّ	اَلرَّءُوْفُ	مَالِكُ الْمُلْكِ	ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ
اَلْمُقْسِطُ	اَلْجَامِعُ	اَلْغَنِیُّ	اَلْمُغْنِی
اَلْمَانِعُ	اَلضَّآرُّ	اَلنَّافِعُ	اَلنُّوْرُ

الْهَادِی الْبَدِیْعُ الْبَاقِی الْوَارِثُ
الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ

اَللّٰہُ

(خدا معبود)

شرح: یہ اس موجودہ حق کا نام ہے، جو صفات الٰہیت کا جامع، اوصاف ربوبیت سے موصوف، اور وجود حقیقی سے ممتاز ہے۔ اس کے سوا کوئی موجود وجود بذاتہٖ کا مستحق نہیں ہے۔ اور ہر موجود نے اسی سے وجود حاصل کیا ہے لہٰذا وہ "بذا ته هالك" ہے اور دوسری جہت سے موجود ہے۔ "فَکُلُّ مَوْجُوْدٍ هَالِكٌ اِلاَّ وَجْهَهٗ" نتیجہ یہ نکلا کہ ہر موجود اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا فانی ہے۔ ٹھیک بات یہ ہے کہ یہ اسم اس معنی پر دلالت کرنے کے لیے اسماء علام کا کام دے رہا ہے۔ اور اس کے اشتقاق و تعریف کے متعلق جو بعض نے لکھا ہے وہ محض تکلف وتعسف (بے راہ فتن) ہے۔

فائدہ:

یہ نام ننانوے ناموں سے بڑا ہے۔ کیونکہ وہ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو بلا استثنا تمام صفات الٰہیت کی جامع ہے۔ باقی تمام نام ایک ایک معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً علم، قدرت اور فعل وغیرہ میں سے کسی ایک پر۔ اور اس لیے وہ تمام اسماء کی بہ نسبت اس کے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے سوا اور کسی کے لیے حقیقتہً یا مجازاً استعمال نہیں کیا جاتا۔ باقی اسماء کے ساتھ اور کو بھی موسوم کر دیا جاتا ہے۔ جیسے قادر، علیم، رحیم وغیرہ۔ انہیں دو وجود سے ظن ہوتا ہے کہ یہ نام اسم اعظم ہے۔

نکتہ:

تمام اسماء کے معانی کی نسبت خیال کیا جا سکتا ہے کہ بندہ ان کے ثبوت سے

متصف ہوسکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس پر رحیم، علیم، حلیم، صبور اور شکور کا اسم بولا جاسکے اگر چہ اس قسم کے اسماء کا اطلاق بندہ پر کسی اور وجہ سے ہو۔ اور اللہ پر ان کا اطلاق اور وجہ سے، مگر اللہ کا معنی اس قسم کا نہیں ہے۔ وہ خاص اللہ سے مخصوص ہے۔ اس میں کوئی حقیقی یا مجازی شرکت نہیں پائی جاتی۔ اور اسی خصوص کی وجہ سے تمام اسماء کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے نام ہیں۔ چنانچہ یوں کہیں گے کہ الصبور اور الشکور اور الجبار اور الملك، اللہ کے نام ہیں۔ یوں نہیں کہتے کہ اللہ، صبور یا شکور کا نام ہے کیونکہ اسم اللہ من حیث ہو معانی الٰہیت پر سب سے زیادہ دلالت کرتا ہے۔ اور سب کی بہ نسبت اللہ کے ساتھ زیادہ خاص ہے۔ لہٰذا سب سے زیادہ مشہور اور ظاہر بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعریف کے لیے دوسرے اسماء کی ضرورت نہیں۔ اور دوسرے اسماء کی تعریف کے لیے اس کی نسبت لازم ہے۔

تنبیہ:

بندہ کو اس اسم سے تألہ حاصل کرنا چاہیے۔ یعنی اس کا دل اور خیال اللہ تعالیٰ میں محو ہو۔ اس کے سوا وہ کسی طرف نہ آنکھ اٹھائے نہ توجہ کرے نہ کسی سے امیدوار ہو۔ اور نہ کسی غیر سے ڈرے۔ اور کیوں نہ ہو، جبکہ اس اسم کا مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ موجود حقیقی و برحق ہے اور باقی سب اس کے سوا فانی اور ہالک اور باطل ہیں۔ پس وہ اپنے آپ کو سب سے پہلے ہالک و باطل سمجھے گا۔ جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے سمجھا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا: عرب کی شاعری میں سب سے زیادہ سچا شعر لبید کا ہے کہ

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهِ بَاطِلٌ

یاد رکھو کہ خدا کے سوا تمام موجودات فانی ہے۔

فوائد:

یہ نام اسم ذات ہے اور تمام صفات الہیہ کا جامع ہے تنویر میں ہے اگر کوئی شخص

روزانہ ایک ہزار مرتبہ ''یا اللہ'' پڑھے تو مستجاب الدعوات ہو جائے گا۔ صاحب دلائل الخیرات تحریر فرماتے ہیں کہ جو کوئی ہر نماز کے بعد سو بار پڑھتا رہے صاحب باطن اور کشف ہو جائے گا جو کوئی تین ہزار ایک سو پچیس بار اس کو لکھ کر آٹے میں گولی بنا کر دریا میں ڈالے، اللہ تعالیٰ چاہے چالیس روز میں مراد حاصل ہو جائے گی، (اگر چہ تخت شاہی کی تمنا ہو۔) (از مترجم)

اَلرَّحْمٰنُ
(نہایت رحم والا)

اَلرَّحِیْمُ
(بہت مہربان)

شرح: یہ دونوں اسم رحمت سے مشتق ہیں۔ اور رحمت مرحوم کی متدعی ہے۔ اور جو مرحوم ہوگا وہ محتاج ہوگا۔ اور اگر کسی سے کسی محتاج کی حاجت بلا ارادہ وقصد پوری ہو جائے تو اس کو رحیم نہ کہیں گے۔ اور جو کوئی اس کی حاجت پوری کرنے کا ارادہ تو کرے مگر پوری نہ کرے تو اگر وہ اس کے پورا کرنے پر قادر تھا تو رحیم نہیں کہلائے گا۔ کیونکہ اگر اس کا ارادہ کامل ہوتا تو اسے پورا کر دکھاتا۔ اور اگر اس کو پورا کرنے سے عاجز ہو تو اس کو اس کی رقت قلب کے لحاظ سے رحیم کہیں گے لیکن وہ ناقص رحیم ہے۔

رحمت تامہ یہ ہے کہ محتاجوں سے بھلائی کی جائے اور ان کے حال پر توجہ مبذول رکھتے ہوئے ان کے حق میں نیکی کا ارادہ کیا جانا چاہیے۔ رحمت عامہ یہ ہے کہ مستحق وغیر مستحق سب کو شامل ہو۔

اللہ کی رحمت تامہ بھی ہے اور عامہ بھی۔ اس کی رحمت کا تامہ ہونا، تو اس حیثیت سے ہے کہ وہ محتاجوں کی حاجت روائی کا ارادہ بھی کرتا ہے اور اس کو پورا بھی کر دیتا ہے۔ اور اس کا عامہ ہونا اس حیثیت سے ہے کہ وہ مستحق اور غیر مستحق سب کو شامل ہے۔ اور دنیا وآخرت میں عام ہے۔ اور ضرورت وحاجات اور ان سے زائد امور پر

مشتمل ہے۔غرض کہ وہ رحیم مطلق و برحق ہے۔

نکتہ:

رحمت کے لیے ایک ایسی پر درد رقت لازم ہے، جو رحیم کو محسوس ہو اور اسے محتاج کی حاجت پورا کرنے پر اکساتی ہے۔اور اللہ تعالیٰ اس (تاثر و انفعال) سے پاک ہے۔شاید تم خیال کرو کہ یہ رحمت کے معنی میں نقص ہے۔سو واضح ہو کہ یہ امر رحمت کے معنی کے لیے نقصان نہیں۔ بلکہ کمال ہے۔نقصان اس لیے نہیں ہے کہ کمال رحمت کمال ثمرہ پر موقوف ہے۔اور جب کسی محتاج کی حاجت کو بکمالہا پورا کر دیا جائے تو محتاج کو راحم کے درد دل سے کوئی خاص نفع نہیں ملتا۔راحم کا درد دل اس کے ضعف قلب اور کمزور نفس کے باعث ہوتا ہے۔اور یہ ضعف محتاج کے مدعا میں کوئی اضافہ نہیں کر دیتا جبکہ اس کی حاجت پوری طرح مہیا ہو چکی ہو۔

کمال اس لیے ہے کہ جو رحیم رقت اور درد کے باعث رحم کر رہا ہے ممکن ہے اس کا فعل اپنے نفس سے رقت دور کرنے کی غرض سے ہو۔تو اس کا یہ معنی ہوگا کہ اپنے نفس کی رعایت کی اور نفس ہی کی غرض کے لیے سعی کی۔اور یہ امر کمال رحمت کے لیے نقص ہے۔کمال رحمت یہ ہے کہ راحم کی نظر مرحوم کی طرف مرحوم کی خاطر ہو۔نہ کہ خود رقت کے درد سے آرام پانے کی غرض سے۔

فائدہ:

الرَّحْمٰن بہ نسبت الرَّحِیْم کے خاص ہے۔اسی لیے اللہ کے سوا اور کسی کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔اور رحیم کا غیر اللہ پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔پس اس وجہ سے وہ اسم اللہ کے قریب ہے اور علم کا کام دے رہا ہے اگرچہ وہ رحمت سے مشتق ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اسموں کو اس آیت میں جمع فرمایا ہے کہ

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

ترجمہ: ''کہہ دو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ خواہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس کو

پکارتے ہو (پکارو) بہرصورت (یہ) اسی کے نام اچھے ہیں۔''

پس اس وجہ سے بھی اور ہمارے اس بیان سے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے شمار کردہ اسماء میں ترادف نہیں ہے۔ لازم آتا ہے کہ ان دونوں اسماء کے معنوں میں فرق کیا جائے۔ چنانچہ مناسب یہ ہے کہ رحمٰن سے ایک خاص رحمت مفہوم ہو۔ جو بندوں کی مقدورات سے بالکل بعید ہو اور یہ وہ ہے جو سعادت اخرویہ سے تعلق رکھتی ہے۔ پس رحمٰن وہ ہے جو بندوں پر مہربانی کرتا ہے۔ (۱) تو ان کو پیدا کر کے، (۲) ان کو ایمان اور اسباب سعادت کی طرف ہدایت کر کے، (۳) آخرت میں ان ان کی بہتری کے سامان کر کے، (۴) ان کو اپنے دیدار سے بہرہ ور کر کے۔

تنبیہ:

اسم رحمٰن سے بندہ کا خاص حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غافل بندوں پر رحم کر کے ان کو وعظ و نصیحت کے ذریعے سے نرمی کے ساتھ غفلت کے راستے سے پھیر کر اللہ تعالیٰ کی راہ دکھائے۔ اور نافرمان لوگوں کو رحمت کی نظر سے دیکھے۔ استحقار کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ اور جو برائی دنیا میں واقع ہو اس کو ایسا سمجھے کہ خود اسی کے نفس سے وقوع پذیر ہو رہی ہے۔ لہٰذا طاقت کے مطابق اس کے ازالہ میں کوتاہی نہ کرے۔ محض اس گنہگار کے حال پر ترس کھا کر کہ بچارہ کہیں اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار نہ ہو جائے اور اس کے قرب سے محروم نہ رہے۔

اسم ''رحیم'' سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ حسب وسعت بھوکے کا پیٹ بھرے اپنے پڑوس یا شہر میں فقیر کی حاجت پوری کرے اور اس کی محتاجی دور کرے۔ خواہ اپنے مال سے یا اپنے رسوخ و وجاہت کے ذریعے سے۔ یا اس کے لیے دوسرے سے سفارش کر کے۔ اگر ان ساری باتوں سے عاجز ہو تو ایسی شفقت و عنایت کے ساتھ دعا اور اظہار ہمدردی سے اس کا ہاتھ بٹائے کہ گویا اس کی تکلیف و مصیبت میں شریک ہے۔

سوال:

شاید تم پوچھو کہ جب وہ رحیم بلکہ ارحم الراحمین ہے۔ اور رحیم جب کسی کو مبتلا یا مصیبت زدہ، یا سزایاب، یا مریض پاتا ہے اور وہ اس کی تکلیف کو دور کرنے پر قادر بھی ہوتا ہے، تو فوراً دور کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر بلا کے دور کرنے اور ہر محتاجی کے رفع کرنے اور ہر مرض کے شفا دینے اور ہر تکلیف کے نجات بخشنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور دنیا امراض مصائب اور بلیات سے پُر ہو رہی ہے جن کو بتمامہا رفع کر دینے پر وہ قادر ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس رحیم نے اپنے بندوں کو ان تکالیف و مصائب میں مبتلا رہنے دیا ہے۔

جواب:

چھوٹے بچے کی ماں اس کے پچھنے لگوانے سے گریز کرتی ہے مگر عقلمند باپ اس کو بزور پچھنے لگوانے پر مجبور کرتا ہے۔ نادان آدمی گمان کرتا ہے کہ رحیم ماں ہے، باپ نہیں۔ مگر دانا سمجھتا ہے کہ باپ کا اپنے بچے کو پچھنوں کی تکلیف پوری رحمت اور اعلیٰ درجہ کی شفقت و عنایت ہے۔ ماں تو ایک دوست نما دشمن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تھوڑی تکلیف جو بہت سے آرام کی موجب ہو، وہ بری نہیں بلکہ غنیمت ہوتی ہے رحیم اپنے مرحوم کے حق میں بہر حال بھلائی چاہتا ہے۔ ہر برائی کے ضمن میں کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور ہے اگر اس برائی کو رفع کر دیا جائے تو اس کے ضمن میں بھلائی بھی زائل ہو جائے گی جس سے وہ پہلے کی نسبت بڑی بُرائی بن جائے گی۔

چنانچہ گلے ہوئے ہاتھ کا کاٹا جانا بظاہر ایک برائی ہے۔ مگر اس کے ضمن میں ایک بہت بھلائی ہے۔ وہ کیا؟ بدن کی سلامتی۔ اگر ہاتھ کاٹا نہ جائے، تو سارے بدن کا ہلاک ہو جانا یقینی ہے۔ اس وقت یہ برائی بہت ہی بڑی ہو گی۔ غرض کہ ہاتھ کا کاٹا جانا سلامتی بدن کی غرض سے ایک ایسی شر ہے، جو اپنے پہلو میں خیر لیے ہوئے ہے۔ لیکن کاٹنے والے کی اصلی مراد سلامتی بدن ہے۔ جو ایک خاص بھلائی ہے۔ پھر چونکہ یہ

مراد ہاتھ کے کاٹنے ہی سے حاصل ہو سکتی تھی، لہٰذا اس نے ہاتھ کو کاٹنے کا ارادہ کیا۔ تو چونکہ پہلے سلامتی مطلوب لذاتہا تھی، اور پھر ہاتھ کا ٹنا مطلوب لغیرہ۔ لہٰذا یہ دونوں اس کے ارادہ کے تحت میں داخل ہیں۔ مگر ایک مراد لذاتہ ہے اور دوسرا امر مراد لغیرہ۔ مراد لذاتہ کا درجہ، مراد لغیرہ سے مقدم ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ'' ترجمہ: ''یعنی میری رحمت میرے غضب سے مقدم ہے۔''

پس اس کا غضب شر کا ارادہ ہے، اور اس کی رحمت خیر کا قصد ہے۔ لیکن خیر کا ارادہ محض خیر ہی کے لیے ہے، اور رشر کا ارادہ محض شر کے لیے نہیں ہے بلکہ اس خیر کی خاطر ہے جو اس کے ضمن میں ہے۔ الغرض خیر مقتضی بالذات ہے اور شر مقتضی بالعرض۔ اور ہر امر مقدر ہو چکا ہے اور اس میں ہرگز کوئی بات منافی رحمت نہیں ہے۔

اب اگر تمہارے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ کیا کوئی ایسی شر ممکن نہیں ہے۔ جس کے تحت میں کوئی خیر نہ ہو۔ یا تم خیال کرو کہ کیا اس خیر کا حاصل کرنا شر کے بغیر ممکن نہ تھا تو اپنی عقل کی کمزوری پر محمول کرو۔ یہ سمجھنا کہ فلاں شر کے ضمن میں کوئی خیر نہیں عقل کے بس کا نہیں۔ ممکن ہے کہ ایسی صورت میں تمہاری کیفیت اس بچے کی سی ہو، جو پچھنے لگوانا محض شر سمجھتا ہے یا اس نادان شخص کی سی جو قتل قصاص کو شر محض خیال کرتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف مقتول کی خصوصیت کو مدنظر رکھتا ہے، جس کے حق میں بیشک وہ قتل شر محض ہے۔ مگر اس خیر عام کو نہیں دیکھتا، جو قصاص کے ذریعے سے عام تمدن پر عائد ہوتی ہے اور وہ یہ نکتہ نہیں سمجھتا کہ شر خاص کے ذریعے سے خیر عام پر فائز ہونا خود خیر محض ہے اور خیر محض کو کسی صورت میں ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔

دوسرے خیال کی نسبت بھی تم اپنی عقل ہی کو قاصرہ سمجھو۔ اور وہ یہ کہ خیر کا حاصل کرنا شر کے بغیر بھی ممکن ہے۔ کیونکہ یہ معنی بھی نہایت باریک و دقیق ہیں۔ کسی محال و ممکن کا استحالہ وامکان صاف طور پر یا معمولی غور سے سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ بلکہ اس کے

لیے اعلیٰ درجہ کی موشگاف قوت فکر یہ درکا ہے۔ پھر بھی اکثر اہل فکر اس کے سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ غرض ان دونوں باتوں میں تم اپنے ذہن و تعقل کا قصور سمجھو۔

اللہ تعالیٰ کے ارحم الراحمین ہونے میں مطلق شک نہ کرو۔ اور یقین رکھو کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر مقدم ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جو کوئی محض شر کے لیے شر کا قصد کرے، خیر کے لیے نہ کرے، وہ ہرگز رحیم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

اس بیان کے ضمن میں ہم اس سربستہ راز کا پتہ بتا گئے ہیں جس کو صاف صاف بیان کرنے سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ ''فالکنایة اولیٰ من الصراحة'' صاحب نظر ہوگا تو خود سمجھ جائے گا۔

لقد اسمعت لونا دیت حیا

ولکن لاحیاۃ لمن تنادی

یہ خطاب عام لوگوں سے تھا۔ میرے دینی بھائی جن کی خاطر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ان لوگوں سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے راز سے آشنا۔ اور اس قسم کی تنبیہات سے مستغنی ہیں۔

فوائد:

اسم رحمٰن کے فوائد یہ ہیں: جو لوگ امور دینی و دنیوی کاہلی و غفلت کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ ہر نماز کے بعد سو مرتبہ پڑھیں۔ تنویر میں ہے کہ اس کے دل کو ظلمت و غفلت و سستی سے پاک کرے۔ جو بچے پڑھنے سے بھاگتے ہوں اور دل نہ لگتا ہو، ان کو پنج وقتہ پانی پر دم کر کے پلائیں۔ صاحب دلائل الخیرات فرماتے ہیں مرگی والے کے کان میں چالیس مرتبہ ایک سانس میں پڑھ کر دم کریں، انشاء اللہ فوراً ہوش میں آجائے گا۔ (از مترجم)

فوائد:

اسم رحیم کے فوائد یہ ہیں امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس نام کو ۲۵۸

مرتبہ روزانہ تلاوت کریں تو اس کا انجام بخیر ہوگا۔ مرتے وقت باایمان جائے گا۔ سکرات وقبر و پل صراط کی منزلیں آسان ہوں گی۔(ازمترجم)

الملك

(بادشاہ)

شرح: "مَلِكَ" وہ ہے جو اپنی ذات وصفات میں ہر موجود سے مستغنی ہے۔اور ہر موجود اس کا محتاج ہے۔ بلکہ کوئی چیز اپنی ذات میں،صفات میں،وجود میں، بقا میں،غرض کسی بات میں اس سے مستغنی نہیں۔موجود کا وجود اس سے ہے یا اس کے ساتھ منسوب ہونے والی کسی دوسری شے سے ہے۔اس کے سوا ہر چیز اپنی ذات وصفات میں اس کی مملوک ہے۔اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے۔الغرض ایسی ذات "مَلِكِ" مطلق ہے۔

تنبیہ:

بندہ "مَلِك" مطلق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ ہر چیز سے مستغنی نہیں ہے اگر باقی موجودات سے مستغنی ہے تو اللہ تعالیٰ کا ضرور ہمیشہ کے لیے محتاج ہے۔اور ہر چیز اس کی محتاج بھی نہیں ہے۔ بلکہ اکثر موجودات اس سے مستغنی ہیں۔لیکن جس صورت میں کہ وہ بعض سے نہیں تو بعض دیگر سے مستغنی ہو۔اس وقت وہ کسی نہ کسی حیثیت سے "مَلِك" کہلاسکتا ہے۔

الغرض بندوں میں سے "مَلِك" وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا تسلط نہ ہو بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب سے مستغنی ہو۔اور وہ بالنہ اپنی سلطنت پر ایسا قابض ہو کہ فوج اور رعایا اس کی اطاعت کا دم بھرتی ہوں۔

سچ پوچھو تو بندہ کی خاص سلطنت اس کا دل اور قالب ہیں۔اور فوج اس کی شہوت،غضب،اور خواہشات ہیں۔اور رعیت اس کی زبان،آنکھیں،ہاتھ اور تمام جوارح ہیں۔ جب وہ ان پر قابض ہو جاتا ہے اور وہ اس کے مطیع ہو جاتے ہیں تو وہ

اپنے عالم وجود میں بادشاہ بن جاتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ یہی وہ لوگوں سے مستغنی بھی ہو جائے اور لوگ اپنی فانی و باقی زندگی میں اس کے محتاج ہوں تو وہ روئے زمین کا بادشاہ ہے اور یہ رتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ وہ ابدی زندگی کی ہدایت پائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے محتاج نہیں ہیں اور دوسرے تمام لوگ ان کے محتاج ہیں۔

اس شاہی سلسلے میں انبیاء علیہم السلام کے بعد علماء کا درجہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ان کی بادشاہی اس قدر ہوتی ہے جس قدر وہ بندوں کو ہدایت کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اور جس قدر طلب ہدایت میں لوگوں سے مستغنی ہوتے ہیں۔ ان صفات کی بدولت بندہ فرشتوں سے جا ملتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ یہ بادشاہی اس "مَلِكُ" برحق کی طرف سے جس کی بادشاہی میں مثل و نظیر نہیں ہو سکتی بندے کے لیے بڑا عطیہ ہے۔

کسی عارف کی یہ گفتگو کس قدر درست ہے جو اس نے ایک امیر کے ساتھ کی تھی۔

امیر: "مانگ جو چاہتا ہے۔"

عارف: "تم کس مرتبے پر میرے معطی بننے کا دم مارتے ہو حالانکہ میرے وہ غلام تمہارے آقا ہیں۔"

امیر: "وہ کون۔"

عارف: "حرص اور خواہش نفسانی۔ میں ان دونوں پر مسلط ہوں۔ اور وہ دونوں تم پر مسلط ہیں۔ میں ان دونوں کا مالک و مختار ہوں۔ وہ دونوں تمہارے مالک ہیں۔"

ایک شخص نے کسی بزرگ سے التماس کی کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ فرمایا: "تم دنیا میں بادشاہ بنے رہو پھر آخرت میں بادشاہ ہو جاؤ گے۔" مطلب یہ تھا کہ تم دنیا کی حرص وخواہش چھوڑ دو۔ کیونکہ آزادی اور استغنا ہی بادشاہی ہوتی ہے۔

فوائد:

"يَا مَلِكُ يَا مَلِيْكُ يَا مَلِكُ" یہ اسماء ہم معنی اور ہم صفات میں ان تینوں اسماء

میں سے جو بھی ۹۱ اسم اعداد ۱۰۰ کے لحاظ ۹۰ سے آپ کے نام کے مطابق ہوں تو ان کو اسی تعداد یعنی قاعدہ اول کے مطابق پڑھیں۔ حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اسماء بہت ہی سریع الاجابت ہیں مگر (ان میں سے کسی) اسم کو آٹھ ہزار مرتبہ پڑھ کر دعا مانگے ضرور قبول ہوگی۔ انشاء اللہ (تنویر الاسماء) تنگدستی، بے روزگاری کیلئے ''یَا مَلِکُ'' ۹۰ بار، ''یَامَلِیْکُ'' ایک سو بار ''یَامَالِکُ'' ۹۱ بار روزانہ پڑھے تو خلق سے بے نیاز ہو جائے گا اور دولت دنیا اس کی جانب رجوع کرے گی۔ (تنویر الاسماء)

اگر اس اسم کو اسم ''قدوس'' سے ملا کر پڑھے یعنی (اَلْمَلِکُ، اَلْقُدُّوْسُ ۲۶۰ بار) تو اگر صاحب ملک یعنی صاحب عزت و اقبال ہو یا کاروبار اور ملازمت یا جس عہدے پر فائز ہو) تو رب کریم اس کے ملک یعنی نسب کو قائم و دوائم رکھے گا اور عزم و حرمت ملے گی اگرچہ ۹۰ بار ہی پڑھے تو دل منور ہو جائے گا۔ (دلائل الخیرات) (از مترجم)

اَلْقُدُّوْسُ

(تمام عیبوں سے پاک)

شرح: ''اَلْقُدُّوْسُ'' کے معنی وہ ذات جو ان تمام اوصاف سے پاک ہے جن کو حس قوت خیال یا وہم یا عقل یا فکر، ادراک کر سکیں۔

اَلْقُدُّوْسُ کی تعریف میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ذات جو عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ کیونکہ اس قسم کی تعریف ایک طرح سے ترک ادب ہے۔ اسی لیے اگر کہا جائے کہ حضور گونر دام اقبالہ، قوم کے جلاح نہیں ہیں نہ نائی ہیں تو خلاف ادب سمجھا جاتا ہے۔ وجہ یہ کہ کسی صفت کی نفی سے اس کے امکان کا وہم ہوتا ہے۔ اور اس ایہام ہی میں نقص ہے بلکہ میں (امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ) یہ کہتا ہوں کہ اَلْقُدُّوْسُ کے معنی ہیں وہ ذات جو اوصاف کمال میں سے اس وصف سے بھی پاک ہے جو اکثر لوگوں کے ظن میں ہے کیونکہ وہ لوگ پہلے اپنے آپ میں غور کرتے ہیں اور اپنی صفات کو پہچانتے

ہیں۔اور ان کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں۔

ایک: وہ جو ان کے حق میں کمال ہیں۔مثلاً ان کا اپنا علم، قدرت، سمع، بصر، کلام، ارادہ، اختیار وغیرہ۔ان معانی کے یہی نام رکھ لیتے ہیں۔اور ان ناموں کو اسمائے کمال کہتے ہیں۔

دوم: وہ جو ان کے لیے نقص ہیں۔مثلاً ان کا جہل، عجز، کورچشمی، بہرہ پن، گونگا پن وغیرہ۔پس ان معانی کے یہی نام رکھ لیتے ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ تعریف یونہی کر سکتے ہیں کہ اس کو اپنے مذکورہ اوصاف کمال سے موصوف کریں اور اپنے مذکورہ نقص اس سے نفی کر دیں۔حالانکہ وہ نہ صرف ان کے اوصاف نقص سے منزہ ہے۔بلکہ ان کے اوصاف کمال سے مبرا ہے بلکہ جو بڑی سے بڑی صفت مخلوق کے تصور میں آ سکتی ہے، وہ اس سے اور اس کی مشابہ و مماثل صفات سے پاک ہے۔ اگر ان صفات کی اطلاق کی اجازت نہ ہوتی تو ان میں سے اکثر کا اطلاق نادرست ہوتا۔مقدمہ کی چوتھی فصل میں ہم یہ بات بخوبی سمجھا آئے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تنبیہ:

بندہ کا قدس یہ ہے کہ اپنے ارادہ اور علم کو منزہ کرے۔علم کو متخیلات، محسوسات، موہومات سے اور ان تمام ادراکات سے جن میں بہائم شریک ہیں پاک کرے۔ بلکہ اس کی جولانی نظر اور تگاپوئے علم، ان ازلی وابدی امور کے لیے ہو۔جو نہ قریب ہیں کہ حس کے ساتھ محسوس ہوں۔نہ بعید ہیں کہ حس سے غائب ہوں۔بلکہ وہ فی نفسہ محسوسات اور متخیلات سے پاک ہو جاتا ہے۔اور علوم سے اس طرح مستفید رہتا ہے کہ اگر اس کی حس و تخیل کا آلہ مفقود بھی ہو جائے تو پھر بھی وہ ان علوم شریفہ و کلیہ والٰہیہ سے سیراب ہوتا رہتا ہے جو ازلی و ابدی معلومات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان شخصی حیثیات سے جدا ہیں۔جو سدا متغیر و مستحیل ہوتی رہتی ہیں۔

اپنے ارادہ کو ان انسانی لذات کے ساتھ تعلق رکھنے سے پاک کرے۔جو شہوت

اور غضب کی مقتضیات اور خوراک، جماع، لباس، نظارہ کی لذائذ کہلاتی ہیں۔ اور ان لذتوں سے بھی پاک کرے جو صرف حسؔ اور قلب کے واسطہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کے ارادہ کا مطمح نظر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی چیز میں اس کو لذت نہ ملتی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے سوا کسی چیز کا اس کو شوق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کے سوا کسی چیز سے اس کو مسرت نہ ہوتی ہو۔ اگر اس کی بجائے اس کو جنت اور اس کی تمام نعمتیں بھی دلائی جائیں تو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور گھر والے کو چھوڑ کر خالی گھر پر کبھی راضی نہ ہو۔

الغرض حسیؔ و خیالی ادراکات میں تو بہایم بھی اس کے شریک ہیں۔ لہٰذا اس کو چاہیے کہ اس رتبہ کو چھوڑ کر اس درجہ پر ترقی کرے جو انسان سے مخصوص ہے۔ بشری شہوانی لذات میں بھی بہایم مقابلہ کرتے ہیں لہٰذا ان کو ترک کر دینا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ کہ صاحب ارادہ کی عظمت اس کی مراد کی عظمت کے موافق ہے

"فمن همته ما يدخل في بطنه فقيمته ما يخرج منه"

ترجمہ: "چنانچہ جس شخص کا منتہائے ہمت وہی ہے جو پیٹ میں ٹھوس لیا۔ تو اس کی قیمت بھی وہ ہوگی جو اس سے نکلتا ہے۔"

اور جس شخص کا منتہائے ہمت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ ہو تو اس کا درجہ بھی حسب ہمت ہے۔ جس شخص کا علم محسوسات و تخیلات کے درجہ سے ترقی کر گیا اور ارادہ مقتضائے شہوات سے پاک ہو گیا وہ بارگاہ قدس میں باریاب ہوا۔

فوائد:

اگر اس اسم کو وقت زوال ۷۰ امرتبہ پڑھتا رہے اس کا دل معصیت سے صاف ہو کر روشن ہو جائے گا۔) اور جو کوئی اسم "سبوح" کے ساتھ نماز جمعتہ المبارک کے بعد روٹی کے ٹکڑے پر لکھ کر کھائے گا تو ملکوتی صفات پیدا ہو جائیں گی جب دشمن کے خوف سے بھاگنے کے سوا چارہ نہ ہو تو بکثرت پڑھے۔ (اسکے اور دشمنوں کے درمیان حصار

قائم ہو جائے گا یا ان کی نظروں سے پوشیدہ ہو جائے گا۔ (ظفر جلیل)

"سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَ الرُّوحِ" اگر کوئی تعداد حروف کہ ۲۲ ہے اتنے سو مرتبہ یعنی ۲۲۰۰ مرتبہ روزانہ پڑھے تو کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور اتنے ہزار مرتبہ یعنی ۲۲ ہزار مرتبہ چالیس دن با احتیاط ممنوعات شرع پڑھ کر بعد میں ۷۰ بار پڑھتا رہے تو خود کیمیا بن جائیگا۔ (از مترجم)

اَلسَّلَامُ

(تمام نقصانات سے محفوظ)

شرح: "اَلسَّلَامُ" وہ ہے جس کی ذات عیب سے اور صفات نقص سے اور افعال شر سے محفوظ ہے۔ اور جب ایسا ہے تو جونسی بھی سلامتی موجود ہے۔ وہ اس کے ساتھ منسوب یا اس سے صادر شدہ ہے۔ اور تم اوپر یہ بات بخوبی سمجھ آئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے افعال شر سے محفوظ ہیں۔ یعنی اس شر مطلق سے لذاتہ مراد ہو۔ اور اس کے ضمن میں کوئی خیر اس سے بڑھ کر نہ ہو۔ اور کوئی شر اس قسم کی موجود نہیں ہے۔ "کما سبق الایماء الیہ۔"

تنبیہ:

جس بندہ کا دل بدظنی، کینہ، حسد اور ارادہ شر سے محفوظ رہے اور اس کے اعضاء معصیات و منہیات سے سلامت ہیں۔ اور اس کے صفات کجی اور برگشتگی سے بچے رہیں تو وہ صحیح و سالم دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ملے گا۔ اور یہ وہ بندہ ہے جو "اَلسَّلَامُ" کے خطاب کا مستحق اور اپنی صفات کے لحاظ سے اس "اَلسَّلَامُ" حقیقی کے اوصاف سے قریب ہے جس کی صفات کی مثل و نظیر نہیں ہو سکتی۔

صفات کی کجی سے ہماری یہ مراد تھی کہ عقل غضب و شہوت کے پنجہ میں گرفتار ہو۔ یونکہ حق تو یہ تھا کہ اس کے برعکس ہوتا۔ یعنی شہوت اور غضب دونوں عقل کے قابو

میں ہوتے۔ جب حالت اس کے برعکس ہوئی، تو کجی و برگشتگی لازم تھی۔ جب بادشاہ رعیت بن جائے اور مالک غلام ہو جائے تو سلامتی کیسی؟

سلام سے وہ شخص متصف ہو سکتا ہے، جس کی زبان اور ہاتھوں سے لوگ سلامت ہوں۔ اور جو شخص خود اپنے آپ سے سلامت نہیں ہے وہ اس خطاب کا کیونکر مستحق ہو سکتا ہے؟

فوائد:

یہ اسم بغیر الف کے بھی لکھا گیا ہے اور الف کے ساتھ بھی صرف اعداد میں فرق ہے جس کی وجہ سے دو جگہ لکھا گیا ہے اس اسم پاک کا پڑھنے والا افعال رذیلہ اور کردار قبیحہ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ (ظفر جلیل)

بعد نماز فجر ایک ہزار مرتبہ پڑھنے سے علم اور جودت (یعنی ذہن میں تیزی اور قوت حافظہ) زیادہ ہو جاتا ہے۔ (دلائل الخیرات)

اس اسم کا ذاکر بوجہ علم و سخا مشہور ہو جاتا ہے اور شہر بہ شہر عوام و خواص اس کی مدح وثناء کرنے لگیں گے۔ (تنویر)

اس اسم کے الف کے بغیر فوائد: شفائے امراض کیلئے یہ عمل مجرب ہے۔ مرض شدید میں مریض کے سرہانے بیٹھ کر اس طرح پڑھے کہ تسبیح مریض کے سر سے مس کرتی رہے، جب تسبیح ختم ہو اس تسبیح کو مریض کے تکیہ کے نیچے رکھ دے، دوسرے دن وقت مقررہ یا کچھ قبل پھر تسبیح نکال کر اس طرح پڑھے اور تسبیح سرہانے رکھ دے، اسی طرح تین دن یا تین شب یہ عمل کرے اور تسبیح مریض کے سرہانے تا شفا ہی رکھی رہنے دے۔ انشاء اللہ پہلے دن سے افاقہ ہوگا اور جلد شفا حاصل ہوگی۔ (تنویر الاسماء)

برائے قضائے حاجات، گوشہ خلوت یا گوشہ مسجد میں نصف رات میں دو رکعت نماز ادا کرے اور حضور قلب کے ساتھ "سلام قولا من رب رحیم" کھڑے ہو کر پڑھے جو حاجت ہو پوری ہو گی اور اگر چالیس دن اسی طرح پڑھے تو علم وظاہر و

باطن حاصل ہوگا اور کل مخلوق مسخر ہوگی۔ (تنویر الاسماء) (از مترجم)

اَلْمُؤْمِنُ

(اپنے وعدہ میں سچا یا اپنے عذاب سے امن دینے والا)

شرح: "اَلْمُؤْمِنُ" سے مراد وہ ذات ہے، جو اسباب امن مہیا کرنے اور خوف و خطر کی راہیں بند کرنے والا ہو اور اس لیے امن و امان سے منسوب کیا جائے۔

امن خوف ہی کے مقام میں متصور ہو سکتا ہے۔ اور خوف ہمیشہ ہلاکت یا نقصان کے احتمال سے ہوتا ہے۔ اور مومن مطلق وہ ذات ہے کہ جس قدر امن و امان تصور میں آ سکتا ہے وہ اسی سے مستفاد ہو وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ ہے۔

اندھا، چونکہ کچھ نہیں دیکھ سکتا اس لیے وہ ہلاکت کے پیش آ جانے سے ڈرتا ہے۔ ثابت ہوا کہ اس کی آنکھیں ہلاکت سے امن دلاتی ہیں۔ کٹے ہوئے ہاتھوں والا بھی کسی ایسی آفت سے غیر مطمئن ہے جس کا دفعیہ ہاتھوں سے ہو سکتا ہے۔ پس سالم ہاتھ بھی آفت سے امن دلانے والا ہوا علیٰ ہذا تمام حواس اور اعضاء بدن۔ اور "اَلْمُؤْمِنُ" ان سب اعضاء کا خالق اور نقش بنانے والا، مکمل کرنے والا اور طاقت بخشنے والا ہے۔

فرض کرو ایک کمزور آدمی دشمنوں سے بچنے کے لیے مارا مارا پھر رہا ہے سخت مشکل میں گھر گیا ہے ہاتھ پاؤں میں سکت نہیں رہی ہے۔ اگر سکت ہے تو پاس کوئی ہتھیار نہیں۔ اگر ہتھیار ہے تو اکیلا دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر اس کے پاس فوج ہے تو اس کے شکست پانے کا اندیشہ ہے کوئی قلعہ بھی نہیں کہ اس میں پناہ گزین ہو بیٹھے۔ ایسی حالت میں اس کو ایک ایسا مددگار مل جاتا ہے جو اس کی کمزور طاقتوں میں جان ڈال دیتا ہے۔ اپنی غیبی فوج اور اسلحہ سے اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے اردگرد ایک سنگین قلعہ بنا کھڑا کرتا ہے، یہ مددگار جس نے اس کو پورا امن و امان بخشا ہے فی الواقع

''اَلْمُؤْمِنُ'' کہلانے کا مستحق ہے۔

بندہ اپنی اصلی فطرت میں کمزور ہے اور اس کے باطن کو دیکھو تو امراض اور بھوک پیاس وغیرہ آفات اس میں بھری پڑی ہیں۔ ظاہر دیکھو۔ تو وہ آگ میں جل جانے پانی میں ڈوب جانے اور زخم اور چوٹ وغیرہ آفات کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اس کو ان تمام آفتوں سے بچانے والی وہی ذات پاک ہے جس نے مرض کو دور کرنے کے لیے دوائیں اور بھوک، پیاس کو رفع کرنے کے لیے کھانے پینے کی چیزیں بنائی ہیں۔ اور اعضا دیے ہیں تاکہ بدنی نقصان پہنچانے والی چیزوں کو دفع کریں۔ حواس عطا کیے ہیں، تاکہ کسی آنے والے خطرہ کی اطلاع دیتے ہیں۔ سب سے بڑا خوف آفت کی ہلاکت کا ہے اور اس سے صرف کلمہ توحید نجات دلاتا ہے اس کی طرف بھی اللہ ہی ہدایت بخشا ہے۔

چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ

''لا اله الا الله حصنی فمن دخل حصنی فقد امن من عذابی''

یعنی ''کلمہ توحید ''لا الہ الا اللہ'' میرا قلعہ ہے جو شخص میرے قلعہ میں آجاتا ہے اس کو عذاب کا کوئی اندیشہ نہیں۔''

غرض کہ دنیا میں ہر قسم کا امن اسباب سے وابستہ ہے۔ جن کو خاص وہی مہیا کرتا ہے۔ وہی ان کو کام میں لانے کی توفیق دیتا ہے

''فَهُوَ الَّذِیْ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی''

ترجمہ: ''اس ذات پاک نے ہر چیز کو اس کی فطرت عطا کر کے اس پر چلنے کی ہدایت کی۔''

پس وہی مومن مطلق و برحق ہے۔

تنبیہ:

اس وصف سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ تمام مخلوق کو اس کی طرف سے امن ہو بلکہ ہر

خوف زدہ شخص دینی و دنیوی خطرات کے دفعیہ میں اس کی امداد کا امیدوار ہو۔ جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

"من كان يؤمن بالله واليوم الاخر فليا من جارہ بوائقه"

ترجمہ: "جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کا ہمسایہ اس کے ظلم سے محفوظ ہونا چاہیے۔"

مومن کے نام کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو لوگوں کو راہ نجات دکھا کر اور طریق خدا سمجھا کر عذاب الٰہی سے امن دلائے۔ اور یہ انبیاء و اولیاء کا منصب ہے۔

اسی لیے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

انكم تتهافتون في النار تهافت الفراش وانا اخذكم بحجركم

ترجمہ: "تم دوزخ میں پروانوں کی طرح گرو گے اور میں تم کو تمہارے اطراف بدن سے (پکڑ کر) تھاموں گا۔"

سوال:

شاید تم کہو کہ ہر خوف و حقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس خدا کے سوا کوئی چیز خوف دلانے والی نہیں ہے۔ وہی ہے جو بندوں کو ڈراتا ہے۔ وہی ہے جس نے ڈرنے کے اسباب بنائے ہیں تو اس کی طرف امن کو کیونکر منسوب کیا جاتا ہے؟

جواب:

خوف بھی اسی کی طرف سے ہے۔ امن بھی اسی کی طرف سے وہی خوف و امن کا سبب پیدا کرنے والا ہے۔ اور اس کا مخوف ہونا اس کے مومن ہونے کا مانع نہیں ہے۔ جس طرح اس کا مذل ہونا اس کے معز ہونے کا مانع نہیں۔ بلکہ وہی معز ہے وہی مذل بھی ہے۔ اور اس کا خافض ہونا اس کے رافع ہونے کا مانع نہیں ہے۔ بلکہ وہی خافض بھی ہے رافع بھی، اسی طرح وہ مومن (امن دینے والا) بھی ہے۔ اور مخوف (ڈرانے والا) بھی۔ لیکن مومن اس کا اسم مقرر ہے مخوف نہیں۔

فوائد:

حضرت امام ہشتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو کوئی "اَلْمُؤْمِنُ" روزانہ ایک سو چھتیس بار پڑھے تو قلب میں ایمان کی لہریں موجزن ہو جائیں گی۔ شیخ مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر ایک ہزار ایک سو بتیس مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کی بدگوئی اور امراض خبیثہ سے محفوظ رکھے گا۔ شیخ عبدالمجید المغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہوت نفس اور غضب سے خالی ہو کر خلوت میں باستقلال بہ زبان و قلب ذکر میں محو ہو کر کہ نفس کا بھی وجود نہ رہے عمل پڑھے۔ ۱۴۱ دن گزرنے کے بعد دیوار پر ایک خاص نور ظاہر ہوگا جس کا اظہار زبان سے ناممکن ہے، ذاکر کا دل انوار معرفت سے منور ہو جائے گا اور ذاکر خود اپنے آپ کو بحر انوار میں جلوہ گر دیکھے گا۔ اس کے بعد اس ذاکر میں ایسی لطافت پیدا ہو جائے گی کہ جو اسے دیکھ لے باایمان ہو جائے اور گنہگار تائب ہو جائے گا۔ (تنویر الاسماء) (مترجم)

اَلْمُهَيْمِنُ

(نگہبان یا گواہ)

شرح: اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی مخلوق کے عملوں، رزقوں اور عمروں کا انصرام کر رہا ہے۔ اس کا انصرام اپنی اطلاع اور غلبہ اور حفظ کے ساتھ ہے۔ جو کوئی کسی امر کے تمام حالات سے واقف اس پر قابض اور اس کا حافظ ہو۔ وہ اس کا مہیمن کہلاتا ہے۔ حالات کی واقفیت کا مطلب علم ہے قبضہ کمال قدرت کا نتیجہ ہے۔ اور حفظ عقل کی طرف راجع ہوتا ہے۔ جس میں یہ تینوں معنی جمع ہوں۔ وہ مہیمن ہے۔ یہ تینوں مطلقاً اور کامل طور پر صرف اللہ تعالیٰ میں جمع ہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کو کتب قدیم میں خدا نام لکھا ہے۔

تنبیہ:

جو شخص لگاتار اپنی اخلاقی حالت کے متعلق غور کرتا رہے یہاں تک کہ اس کے

تمام نشیب و فراز اور اسرار سے واقف ہو جائے اور ساتھ ہی اپنے دل کے احوال و اوصاف کو درست رکھنے پر قادر ہو جائے اور ہمیشہ اس کی درست حالت قائم رکھنے میں مصروف رہے وہ اپنے دل کا مھیمن ہے اور اس کی واقفیت اور قدرت اور حفظ کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ دوسرے بندوں کے باطنی اسرار سے فراست و استدلال کے ذریعہ سے واقف ہو کر ان کو راہ راست پر قائم رکھنے کے لیے کمر بستہ ہو جائے تو اس معنی سے ان کا حصہ اس سے اور بھی زیادہ اور مکمل ہوگا۔

فوائد:

اس اسم مبارک میں ہیبت و عظمت کی بہت بڑی خاصیت ہے اور دشمنوں کے قلب کو مرعوب کرنے اور رعب و وجاہت سے مسخر کرنے کی تاثیر ہے۔ اس اسم کے ذاکر پر سخت دل موم ہو جاتے ہیں، کارہائے مشکل آسان ہو جاتے ہیں، ناقابل برداشت بوجھ اٹھانے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ (تنویر)

نہ مخلوق سے اس کو برائی پہنچے نہ کوئی اسے برائی ونقصان پہنچا سکے (ظفر جلیل)

شیخ مغربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جو شخص ۴۰ یا ۷۰ روز بوقت صبح بعد غسل ختم عمل تک کسی سے بات نہ کرے۔ اچھا لباس پہن کر ۱۸۴۹۶ مرتبہ اس اسم کو پڑھے ایسی تسخیر پیدا ہو کہ خود متحیر ہو جائے۔ (تنویر الاسماء) (از مترجم)

اَلْعَزِیْزُ

(غالب، قوی، قاہر)

شرح: ''اَلْعَزِیْزُ'' کے معنی وہ عالی قدر شے جس کی مثل شاذ و نادر مل سکتی ہو۔ جس کی از حد حاجت ہو اور جس کا حاصل ہونا بھی مشکل ہو۔ کسی شے میں جب تک یہ تینوں معانی جمع نہ ہوں اس پر اسم عزیز کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ بہت سی اشیاء ایسی ہیں کہ ان کی نظیر تو کم ملتی ہے لیکن چونکہ نہ ان کی شان بڑی ہے اور نہ ان سے چنداں

زیادہ نفع ملتا ہے اس لیے وہ عزیز نہیں کہلاتیں۔ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ان کی شان بھی بڑی ہے فائدہ بھی ان سے بہت ہے اوران کی نظیر بھی کوئی نہیں لیکن چونکہ ان کا حصول چنداں دشوار نہیں ہے اس لیے ان کو عزیز نہیں کہا جاتا۔

مثلاً سورج اور زمین جن کی کوئی نظیر نہیں ہے اور دونوں سے اپنی اپنی جگہ نفع بھی بہت ملتا ہے۔اوران کی حاجت بھی اشد ہے لیکن ان کو عزیز نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان کو دیکھنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔غرض ''اَلْعَزِیْزُ'' ہونے کے لیے ان تینوں اوصاف کا جمع ہونا لازم ہے۔

ان تینوں معنوں میں کمال و نقصان کے مراتب بھی پائے جاتے ہیں۔ ''اَلْعَزِیْزُ'' کی قلت وجود کا کمال یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہو۔کیونکہ ایک سے کم کوئی عدد نہیں ہوسکتا اوراس کی مثل کا وجود محال ہو۔ایسی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔کیونکہ مثلاً سورج اگرچہ وجود میں ایک ہی ہے لیکن امکان میں ایک نہیں ہے اس کی مثل کا وجود بھی ممکن ہے۔

''اَلْعَزِیْزُ'' کی شدت حاجت کا کمال یہ ہے کہ ہر چیز ہر بات میں اس کی محتاج ہو یہاں تک کہ اپنے وجود و بقا اور صفات میں بھی۔ یہ کمال صرف اللہ تعالیٰ میں ہے اوراس میں کوئی شے اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی دشوار حصول ہونے کا کمال یہ ہے کہ تمام مخلوق اپنی استدلالی نظر اور قیاسی رائے کے ساتھ اس کی ذات وصفات کا پورا پورا پتہ لگانے سے بالکل عاجز ہو۔ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ ہی سے خاص ہے۔اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کی باتیں اللہ تعالیٰ ہی جانے۔''

الغرض وہ ایسا ''اَلْعَزِیْزُ'' مطلق و برحق ہے کہ اس صفت میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

تنبیہ:

بندوں میں سے عزیز وہ ہے کہ بندگان خدا اپنی حیات اخروی اور سعادت ابدی

کے لیے اس کے محتاج ہوں۔ ایسا رتبہ بلاشبہ بہت کم لوگوں کو میسر ہوتا ہے۔ یہ رتبہ انبیاء صلوات اللہ علیہم کا ہے۔ پھر ان کے بعد عزت میں مشارک وہ لوگ ہیں۔ جو ان کے قرب زمانہ سے ممتاز ہیں۔ جیسے خلفائے راشدین، اور انبیاء علیہم السلام کے وارث علمائے کرام۔

فوائد:

"یَا عَزِیْزُ یَا مُعِزُّ" یہ دونوں اسماء ہم معنی اور ہم صفات ہیں۔ شیخ بونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اسم اذکار متوکلین سے ہے، اس لیے اس اسم کے ساتھ اور کسی اسم کو نہ ملائے۔ (تنویر)

اور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پنج گنج قادریہ میں بعد نماز فجر "یاعزیز، یا اللہ" سو بار تحریر فرمایا ہے جو کہ خاندان قادریہ کا معمول رہا ہے اور مجربات سے ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کسی دوسرے اسم کے ساتھ پڑھنے میں اس کے فوائد کبریٰ میں کمی نہ ہوگی بلکہ مثل دسرے اسماء کے زود اثر و قوی تر ہو جائے گا۔

اگر اس اسم کے نقش کو چاندی پر کندہ کرا کے انگشتری میں رکھ کر پہنے تو دشمن پر غلبہ و تفوق حاصل ہو پیش حکام و سلاطین معزز ہو۔ اشرار و خرافات عالم سے مامون رہے۔ اسرار عزت سے آراستہ ہو۔ (تنویر الاسلام)

اگر اس اسم پاک کو اس طرح پڑھیں "یَا عَزِیْزُ عَزِّزْنِیْ تَعَزَّزْتُ بِعِزَّتِكَ یَامُعِزُّ" نماز فجر کی سنت اور فرض کے درمیان دو سو اکیس (۲۱۱) بار پڑھیں تو عوام و خواص حکام و رعایا بلکہ ہر شے مسخر ہو جائے گا اور اپنے گرد ہجوم دیکھے گا۔ شرط یہ ہے کہ ہر مومن کے ساتھ اخلاق حسنہ سے پیش آئے۔

اَلْجَبَّارُ

(بڑا دباؤ والا)

شرح: "اَلْجَبَّارُ" وہ ہے، جو ہر شخص پر بہ طور جبر اپنا حکم جاری کرے اور اس پر کسی

کا حکم جاری نہ ہو سکتا ہو۔ اور جس کے قبضہ قدرت سے کوئی نہ نکل سکے۔ اور اس کی رگاہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے ساری ہمتیں پست ہوں۔ تو جبار مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہ ہر ایک کو مجبور کر سکتا ہے اس کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ اور ان دونوں باتوں میں اس کی مثل کوئی نہیں ہے۔

تنبیہ:

بندوں میں سے جبار وہ ہے کہ اتباع کے درجہ سے ترقی کر کے دوسروں کو اپنا تابع بنائے اور سب سے بڑا رتبہ حاصل کرے۔ حتیٰ کہ لوگوں کو اپنی ہیئت وصورت سے اپنی عادت وسیرت کے مطابق چلنے پر مجبور کرے۔ غرض وہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور خود چنداں فائدہ نہ اٹھائے۔ لوگوں کا فائدہ مقدم سمجھے۔ اپنے فائدے کی حرص نہ کرے۔ لوگوں کو اپنا مطیع بنائے۔ خود کسی کی اطاعت نہ کرے۔ جو شخص اس کی زیارت کرے، وہ اس کے دیدار میں ایسا محو ہو کہ اپنے آپ کو بھول جائے۔ اس کا ایسا شوق ہو، کہ خود اپنی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ اور کوئی شخص اس کو دھوکا دینے اور اپنا تابع بنانے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس وصف سے خاص سید البشر ﷺ بہرہ در ہوئے ہیں۔

چنانچہ فرمایا:

لوکان موسی حیا ما وسعه الا اتباعی وانا سید ولد ادم ولا فخر

ترجمہ: ”اگر موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے، تو ان کو میرے تابع ہونے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ اور میں اولاد آدم (علیہ السلام) کا سردار ہوں اور میرے لیے یہ بات باعث فخر نہیں۔“

فوائد:

یہ دونوں اسم جلالی اور مقہوری اعداد کیلئے بہت زود اثر ہیں۔ ان کے عاملین کو چاہیے کہ اگر کسی کے اسم اعظم میں یہ اسماء یا ان میں کا ایک آئے تو وہ بادشاہ حاکم یا ان

کے مثل رعب و ہیبت، عزت و عظمت پائے گا۔ مگر کسی اور طریقے پر دشمنوں کیلئے پڑھے تو یہ خیال رکھے کہ دشمن مومنین میں سے ہوں تو ذلیل وخوار اور ان کی ہلاکت کی نیت سے ہرگز نہ پڑھے بلکہ اس لیے کہ دشمن نقصان نہ پہنچاسکیں تو اتنا ہی کافی ہے باقی مرضی مولا پر چھوڑ دیں کیونکہ کسی مومن کو ذلیل وخوار برباد یا ہلاک کرنا جائز نہیں، اگر چہ وہ اس کا ظلم برداشت سے باہر ہو۔ اپنا مقصد تو اسی سے حاصل کرے کہ دشمن کی دشمنی کا اثر نہ ہو۔ وباللہ التوفیق۔

شیخ بونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اسم کی دعوت چالیس روز کی ہے۔ دس ہزار مرتبہ روزانہ بہ پابندی شرائط خلوت میں پڑھے، نفس میں پاکیزگی، طبیعت میں انکساری اور نیک نیتی پیدا ہو جائے گی۔ مقاصد میں کامیابی اور دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو عظیم القدر اور جلیل القدر و جلیل المرتبت گردانا ہو جائے گا۔ (تنویر)

شیخ ابوالعباس فرماتے ہیں کہ مریدوں اور اہل ریاضت کیلئے مناسب ہے کہ نفس مغلوب اور شہوت سے محفوظ رہے۔ (تنویر) اعلیٰ حضرت امام احمد خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسم یا اجبار یا اللہ پنج گنج قادریہ میں نماز عصر کے بعد سو بار تحریر فرمایا ہے۔ (از مترجم)

اَلْمُتَكَبِّرُ

(عظمت و بزرگی والا)

شرح: ''اَلْمُتَكَبِّرُ'' وہ ہے، جو اپنے مقابلہ میں سب کو حقیر سمجھتا ہو۔ اور بزرگی و عظمت کا حق دار صرف اپنے آپ کو جانتا ہو اس لیے دوسروں کو غلاموں کی حیثیت سے دیکھتا ہو۔ اگر یہ بات صحیح ہو۔ تو وہ متکبر حق، اور اس کا فاعل متکبر برحق ہوگا۔ اور یہ بات علی الاطلاق خاص خدا کے لیے متصور ہے۔

اگر وہ تکبر اور استعظام باطل ہو۔ اور اس متکبر کو فی الحقیقت امتیازی عظمت جو اس کے زعم میں ہے حاصل نہ ہو۔ تو اس کا تکبر بے جا اور مذموم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا

جو شخص خاص اپنے آپ کو عظمت و بزرگی کا مستحق قرار دے اس کا قیاس غلط اور اس کی نظر باطل ہے۔

تنبیہ:

بندوں میں سے متکبر وہ زاہد ہے جو عارف بھی ہے۔

عارف کے زاہد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق میں سے جو چیز اس کے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہو، وہ اس سے کنارہ کش ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ہر چیز سے اپنے آپ کو بڑا سمجھے اس لیے وہ دنیا و آخرت سب کو حقیر سمجھے گا۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں خلل انداز ہونے کے باعث اپنی نظروں سے گرا دے گا۔ غیر عارف کا زہد ایک قسم کا معاملہ اور معاوضہ ہے۔ کیونکہ وہ متاع دنیا کے عوض میں متاع آخرت کی خریداری کرتا ہے۔ ایک چند روزہ چیز سے اس لیے دستبردار ہوتا ہے کہ اس کے عوض میں دائمی نعمت کئی گناہ حاصل کرے، یہ بیع سلم نہیں تو اور کیا ہے جس شخص کو نعمتیں کو کھانے اور عیش منانے کی خواہش اپنا غلام بنائے ہوئے ہو، وہ حقیر ہے اَلْمُتَکَبِّرُ وہی شخص ہے جو ہر نفسانی خواہش کو اس خیال سے حقیر سمجھتا ہو کہ ان میں چوپائے بھی شریک ہیں۔

فوائد:

حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اکثر مباشرت سے پہلے اس اسم کو دو مرتبہ پڑھ لے تو پروردگار عالم فرزند صالح عطا فرمائے گا۔ (تنویر الاسماء)

شیخ عبدالمجید مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ ذکر صالحین اور عابدین کے اذکار سے ہے۔ اس اسم کے ذاکر میں شائستگی اور امور میں باقاعدگی پیدا ہو جاتی ہے اور نظر عوام و خواص میں عزت و حرمت پیدا ہوتی ہے اور ہر سرکش ذلیل و سرنگوں ہو جاتا ہے۔

۶۳۲ مرتبہ یَااَلْمُتَکَبِّرُ بعد نماز صبح پڑھے اگر کوئی شخص دو سو بتیس مرتبہ روزانہ اس اسم متکبر کو پڑھے بزرگی حاصل ہو۔

شیخ ابوالعباس ابن علی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اسم "یا کبیر" کا ذکر اذکار جلیلہ سے ہے اور جو خواص اسم متکبر کے ہیں وہی اس اسم مبارک کے ہیں۔ ان اسماء کے ذکر سے ہر سرکش اور بادشاہ مطیع ہو جاتا ہے۔ (تنویر الاسماء)

اَلْخَالِقُ — اَلْبَارِئُ — اَلْمُصَوِّرُ

(ہر چیز کا پیدا کرنے والا) (ہر چیز کا موجد) (مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانیوالا)

شرح: لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ اسماء مترادف ہیں۔ اور ہر اسم کے معنی پیدا کرنا اور اختراع کرنا ہیں مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جو چیز عدم سے وجود میں آتی ہے وہ پہلے تقدیر کی محتاج ہے۔ پھر تقدیر کے موافق ایجاد کی اس کے بعد تصویر کی۔ اور اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ وہ ایک شے کی تقدیر کرتا ہے اس کا خالق ہے اور اس حیثیت سے کہ اس کا اختراع کرتا ہے، اس کا باری ؑ ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ مخترعات کی صورتوں کو باہم عمدہ ترتیب دیتا ہے، مصور ہے۔

مثلاً ایک عمارت کا بنانا منظور ہو تو پہلا کام انجینئر کا ہوگا جو اس عمارت کی نوعیت و صورت تجویز کر کے ایک نقشہ تیار کرتا ہے۔ اور اس پر اینٹ، پتھر، چونہ، لکڑی وغیرہ صرف ہونے والے مصالح کی مقدار کا اندازہ لگا کر اس کے اخراجات کا تخمینہ کرتا ہے۔ اس کے بعد معمار کا کام شروع ہوتا ہے جو اس نقشہ کے موافق عمارت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ اور مصالح کی تجویز کردہ مقدار کے اندر اندر پوری عمارت بنا کھڑی کرتا ہے۔ ابھی تک وہ عمارت غیر مکمل اور نا قابل سکونت ہوتی ہے کہ ایک تیسرے صناع یعنی مصور کے ہاتھ سے وہ ایک شاندار قصر اور شاہی ایوان بن جاتی ہے۔

یہ تو انسانی کاموں کی مثال تھی خدا کا کام اس سے برتر ہے۔ وہ خود ہی اندازہ قائم کرتا ہے۔ خود ہی بناتا ہے۔ اور خود ہی اس کی ظاہری صورت کو آراستہ کرتا ہے۔ یا

یوں کہو کہ وہی خالق وہی باریٔ اور مصور ہے۔

مثال کے طور پر انسان کو لو جو اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ اس وجود کے لیے سب سے پہلے ایک مجسمہ ضروری تھا۔ جس کو انسانی صفات سے متصف کیا جا سکے۔ یہ مجسمہ مٹی اور پانی دونوں کی ترکیب سے تیار ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ صرف مٹی ایک خشک اور ٹھوس چیز ہے۔ جس میں نرمی ایک لچک نہیں ہے۔ اور صرف پانی ایک تر اور سیال شے ہے جو قائم اور متماسک نہیں ہے۔ لہٰذا ان دونوں خشک اور تر چیزوں کا مرکب اور معتدل مادہ اس مجسمہ کے لیے مناسب تھا۔ اس کے بعد آگ کا جز بھی ان میں شامل ہونا بہتر تھا۔ جس سے مٹی اور پانی کا قوام مستحکم ہو جائے۔ اس کے بعد ضروری تھا کہ اس پانی مٹی کی خاص مقدار معین ہو۔ کیونکہ اگر تھوڑی سی مقدار ہوتو اس مجسمہ سے انسانی افعال سرزد نہیں ہو سکتے اور ضعف و ہلاکت سے اس کا وہی حال ہو، جو کیڑے مکوڑے کا ہوتا ہے۔ اتنی بڑی مقدار بھی فضول تھی کہ یہ مجسمہ پہاڑوں اور ٹیلوں کے برابر بن جاتا کیونکہ اتنے بڑے قد اور حجامت کی کوئی حاجت نہ تھی یہ ساری باتیں اندازہ اور تجویز ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں تقدیر کہتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ ان امور کی تقدیر اور تقدیر کے موافق ایجاد کرنے کے لحاظ سے خالق ہے۔ اور محض ایجاد کرنے اور عدم سے وجود میں لانے کے لحاظ سے باریٔ ہے۔ محض ایجاد اور چیز ہے اور ایجاد بوفق تقدیر اور چیز۔

اسم اَلْمُصَوِّرُ اللہ تعالیٰ پر اس حیثیت سے صادق آتا ہے کہ اس نے تمام اشیاء کی صورتوں کو نہایت خوبی سے مرتب کیا ہے اور ان کو اچھی صورت پر بنایا ہے اور یہ صاف فعل سے ہے۔ اس کی حقیقت وہی شخص جان سکتا ہے جو تمام عالم صورت کو پہلے بالاجمال اور پھر بالتفصیل جانتا ہو۔ کیونکہ تمام عالم ایک شخص کا حکم رکھتا ہے۔ جو باہم ایک دوسرے کو کسی غرض مطلوب پر مدد دینے والے اعضاء سے مرکب ہو۔ اس کے اعضاء و اجزاء آسمان اور ستارے اور زمین اور ان کے مابین کی اشیاء مثلاً پانی، ہوا

وغیرہ ہیں۔اس کے اجزاء ایسی محکم ترتیب سے مرتب ہیں کہ اگر اس ترتیب میں تغیر آ جائے تو نظام میں خلل آ جائے اس لیے جو جز اوپر رہنا چاہیے، وہ بالائی سمت سے مخصوص ہے۔اور جو نیچے ہونا مناسب ہے وہ زیریں سمت سے خاص ہے۔ جیسے کہ معمار دیواروں کی بنیاد میں پتھر اور ان کے بالائی حصے پر لکڑی رکھتا ہے۔ نہ اتفاقاً، بلکہ اس کے نزدیک یہ ترتیب مکان کی مضبوطی کے لیے ضروریات سے ہے۔ اگر اس ترتیب کے خلاف پتھر کو اوپر اور لکڑی کو نیچے رکھا جائے۔تو عمارت ضرور منہدم ہو جاتی اور ہیئت ہرگز قائم نہ ہو سکتی۔اسی پر ہم کرۂ ارض و کرۂ ماو غیرہ کا نیچے ہونا اور ستاروں کا اوپر ہونا قیاس کر سکتے ہیں۔

اگر تھوڑے سے اجزائے عالم کا ذکر اور ان کی ترتیب کی حکمت بیان کرنے لگیں تو ایک دفتر ہو جائے گا۔اس تفصیل کا جتنا کسی کو علم ہو گا اتنا ہی زیادہ وہ مصور کے معنی سے واقف ہو گا۔ یہ ترتیب وتصویر اجزائے عالم میں سے ہر جزء میں موجود ہے اگرچہ وہ چھوٹا سا ہی ہو۔ یہاں تک کہ چیونٹی اور کیڑے میں بلکہ چیونٹی اور کیڑے کے ہر عضو میں موجود ہے۔ ہر ایک جاندار کا ایک چھوٹا عضو آنکھ ہے۔اگر اس کی صورت کی تفصیل لکھیں کلام ختم نہ ہو گا۔ جو شخص آنکھ کے طبقات ان کی ہیئت مشکل، مقدار، رنگ اور ان کی وجہ حکمت سے واقف نہیں وہ ان کی صورت سے واقف نہیں اور نہ ان کے مصور سے واقف ہے۔صرف نام ہی نام جانتا ہے۔ یہی حال ہر حیوان و نبات کی صورت بلکہ ان کے ہر جزء کی صورت کا ہے۔

تنبیہ:

اسم اَلْمُصَوِّرُ سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اس کے نفس میں تمام وجود کی صورت بہ ترتیبہ حاصل ہو۔ جتی کہ وہ تمام ہیئت عالم کو محیط ہو۔ گویا کہ تمام عالم اس کے زیر نظر رہے۔ پھر تمام پر تفصیلی غور کرے۔ چنانچہ انسانی صورت کے بدن اور اعضائے جسمانی کا حال معلوم کرے۔ان کے انواع، عدد، ترکیب اور انسان کی آفرینش و

ترکیب کی حکمت کو سمجھے۔ پھر اس کی معنوی صفات اور معانی شریفہ کو معلوم کرے جن سے اس کے ادرات کا اور ارادے وابستہ ہیں۔ اور اسی طرح حیوانات اور نباتات کی صورتوں کو اپنے مقدور بھر ظاہر و باطن سے ملاحظہ کرے۔ یہاں تک کہ تمام اشیاء کا نقش اور صورت اس کے ذہن میں منقش ہو جائے۔

یہ حال تو صور جسمانیہ کی معرفت کا تھا۔ اور یہ سلسلہ روحانیات کی ترتیب کی بہ نسبت بہت مختصر ہے۔ جس میں ملائکہ اور ان کے مراتب اور ان کے مقررہ تصرفات کی معرفت داخل ہے۔ ملائکہ کے یہ تصرفات وہ ہیں جو وہ آسمانوں اور ستاروں میں کرتے ہیں۔ پھر قلوب بشریہ میں ہدایت وارشاد کا تصرف کرتے ہیں اور حیوانات میں ان کو اپنی حاجات کا احساس دلانے کا تصرف کرتے ہیں۔

غرض کہ اس اسم سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ وہ صور علمیہ کا جو صور وجود کے مطابق ہوں اکتساب کرے۔ کیونکہ علم اس صورت میں منقش فی النفس کا نام ہے جو صورت معلوم کے مطابق ہو۔ اور صور کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم صور کے اعیان میں موجود ہونے کا سبب ہے۔ اور وہ صور جو اعیان میں موجود ہوں وہ انسان کے دل صور علمیہ کے حاصل ہونے کا سبب ہیں۔ اور اس طرح بندہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے اسم مُصَوِّرُ کے معنی سے علم حاصل کرتا ہے اور نیز وہ اپنے نفس میں صور حاصل کرنے کے باعث گویا کہ وہ مُصَوِّرُ ہے اگرچہ بطور مجاز ہو کیونکہ یہ صورت اس میں بالتحقیق اللہ تعالیٰ کی ایجاد واختراع سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ بندہ کے فعل سے لیکن بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فیضان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ"

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو متغیر نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ خود متغیر کریں۔''

اور اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات من رحمة الا فتعر ضولھا"

الخالق اور البارئ میں بندہ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ مگر بمجاز بعید، جس کی توجیہ یہ ہے کہ خلق اور ایجاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی قدرت کو اپنے علم کے مطابق کام میں لایا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لیے علم اور قدرت پیدا کی ہے۔ اور اس کو اپنی تقدیر اور علم کے موافق مقدرات کے حاصل کرنے کا موقع میسر ہے۔ اور امور موجودہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جن کا حصول ہرگز بندوں کی قدرت میں نہیں ہے۔ جیسے آسمان ستارے، زمین، حیوانات اور نباتات وغیرہ۔ دوسرے وہ جن کا حصول صرف بندوں کی قدرت سے وابستہ ہے۔ اور یہ وہ ہیں، جو اعمال عباد کہلاتے ہیں۔ جیسے صناعات، سیاسات عبادات اور مجاہدات۔ چنانچہ جب بندہ ریاضتوں کے ساتھ اپنے نفس کے مجاہدہ میں اور اپنی مخلوق کی سیاست میں ایسے مدارج پر پہنچ جائے جن میں وہ ایسے امور کے استنباط کا امتیاز حاصل کر لے جن کو پہلے کسی نے استنباط نہ کیا ہو اور ساتھ ہی وہ ان کے کرنے اور ان کی ترغیب دینے پر قادر بھی ہو تو اس کو اس چیز کا مخترع کہا جائے گا جس کا پہلے وجود نہ ہو۔ چنانچہ شطرنج وضع کرنے والے کے حق میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس کا واضع اور مخترع ہے۔ کیونکہ اس نے ایک ایسی چیز وضع کی ہے جو پہلے کسی نے نہ کی تھی۔ ہاں اتنی بات ہے کہ اگر اس نے کوئی ایسی چیز وضع کی جس میں کوئی نیکی نہیں ہے تو وہ مدح و ستائش کا مستحق نہ ہوگا اسی طرح ریاضات، مجاہدات، سیاسات اور ضاعات میں جو نیکیوں کا سر چشمہ ہیں، صور اور ترتیبات ملحوظ ہیں جن کو لوگ ایک دوسرے سے سیکھ لیتے ہیں۔ اور پہلے استنباط کرنے والی کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ گویا یہ واضع ان صور کا مخترع اور خالق ہے حتی کہ اس پر یہ اسم مجازاً اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کئی اسماء ایسے ہیں۔ جن کو بندہ کی طرف مجازاً نقل کیا جائے گا اس قسم کے اسماء بہت ہیں اور بعض ایسے اسماء ہیں جو بندہ کے حق میں حقیقتاً

ہوتے ہیں اور اللہ کے حق میں مجازاً جیسے الصبور اور الشکور۔

یہ مناسب نہیں ہے کہ اسم کی مشارکت تو دیکھ لی جائے مگر مذکورہ تفاوت پر غور نہ کیا جائے۔

فوائد:

امام علی رضا ابن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دستکاری یا کارنازک اور مشق کتابت یا صاحب قلم ہو۔ (یعنی لکھنے کا کام زیادہ کرتا ہو اور اس میں کسی وجہ سے خلل پڑتا ہو وہ ان اسماء کی تلاوت کرے، سب تکالیف دور ہوں گی اور سہولت حاصل ہوں گی یا سلاطین (حکام بالا) سے تعلقات ہوں گے اور کوئی درمیان میں فساد کرتا ہو یعنی ان تعلقات مخل ہو یا حکام کو برگشتہ کرتا ہو یا اندیشہ ہو تو اسم یا خالق کی تلاوت کی برکت سے تمام درمیانی نقصانات دور ہوں اور جملہ حالات بہتر ہو جائیں۔ (تنویر)

شیخ مغربی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص اولاد فرزند سے محروم ہو یا تنگی رزق کا شکار ہو وہ ان اسماء کا ورد کرے گا کامیاب ہوگا۔ (تنویر)

جو کوئی اسم خالق کا ورد کرے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے اور وہ اس کیلئے قیامت تک عبادت میں مشغول رہے گا اور پڑھنے والے کا چہرہ نورانی کر دے گا اور جو کوئی ہفتہ میں سو بار اسم یا باری پڑھے اللہ تعالیٰ اس کو قبر میں نہ چھوڑے بلکہ ریاض قدس میں لے جائے گا اور بے اولاد ہو گا، سات دن روزہ رکھے اور نزدیک افطار اکیس بار "یامصور" پڑھے اور پانی پر دم کر کے بیوی کو پلادے فرزند نیک ہو گا۔ (ظفر جلیل) (ازمترجم)

اَلْغَفَّارُ

(بہت بخشنے والا)

شرح: یہ وہ ذات پاک ہے جو خوبی کو ظاہر کرتی ہے اور برائیوں اور گناہوں کو دبا

میں پردہ ڈال کر۔ اور آخرت میں بخش کر رفت و گذشت کر دیتی ہے۔

غفر کے معنی ستر۔ اللہ کا پہلا ستر اپنے بندے کے عیوب پر یہ ہے کہ اس کے بدن کے بدنما اور گھناؤنے حصے جو آنکھوں کو برے معلوم ہوتے ہیں اس کے باطن میں چھپا دیے۔ جو اس کے جمال ظاہری کے رنگ و روغن میں پنہاں ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ بندہ کے باطن اور ظاہر کی صفائی اور عدم صفائی اور خوبصورتی اور بدصورتی میں کس قدر فرق ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم کا کونسا حصہ دکھایا ہے اور کونسا چھپایا ہے۔

دوسرا ستر یہ کہ اس لیے برے خیالوں، مذموم ارادوں اور مکروہ عقیدوں کو اس کے دل کی اندھیری کوٹھڑی میں بند کیا ہے تاکہ کوئی شخص ان شرمناک بھیدوں سے واقف نہ ہو۔ اگر مخلوق کو اس کے دل کا حال معلوم ہو جاتا۔ اور اس کے وسوسوں اور دل کے کھوٹ، خیانت اور بدظنی کا پتہ لگ جاتا تو لوگ اس کے دشمن بن جاتے۔ بلکہ اس کو جان سے مار ڈالنے کی کوشش کرتے۔ غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسرار اور مخفی امور کو کس طرح دوسرے لوگوں سے محفوظ رکھا ہے۔

تیسرا ستر یہ ہے کہ وہ بندہ کے ایسے گناہ بخش دیتا ہے جن سے وہ سر عام رسوا ہونے کا مستوجب ہوتا ہے۔ اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ اگر بندہ ایمان پر ثابت رہا ہے تو اس کے چھوٹے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ تاکہ ان نیکیوں کے ثواب سے اس کے بڑے بڑے گناہ دب جائیں۔

تنبیہ:

اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اپنے متعلق جو بات مخفی رکھنی مناسب سمجھتا ہو کریں، وہ دوسرے کے متعلق بھی مخفی رکھے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"من ستر علی مؤمن عورته ستر الله عورته یوم القیمة"

ترجمہ: ''جو شخص کسی مومن کی عیب پوشی کرے قیامت کے روز خدا اس کے عیب چھپائے گا۔''

غیبت کرنے والا، عیب جوئی کرنے والا، دل میں کینہ رکھنے والا، برائی کا بدلہ لینے والا، یہ سب اس مبارک وصف سے محروم ہیں۔ اس وصف سے متصف صرف وہی شخص ہے جو مخلوق خدا کی خوبیوں کے سوا کوئی بات ظاہر نہ کرے۔ مخلوق میں کمال بھی ہے، نقص بھی۔ خرابی بھی ہے، خوبی بھی، جو شخص برائیوں سے چشم پوشی اور خوبیوں کا اظہار کرے وہ اس اسم سے پورا بہرہ مند ہے۔

حکایت:

جیسا کہ روایت ہے کہ ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں سمیت ایک مردہ کتے کے پاس سے گذرے جس کی بدبو پھیل رہی تھی۔ لوگوں نے کہا یہ مردار کس قدر سڑا ہوا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس کے دانتوں کی سفیدی کیسی چمکیلی ہے۔ جس سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ ہر چیز کے اچھے حصے کا ذکر کرنا چاہیے۔

فوائد:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب انسان پر روزی تنگ ہو یا پریشانی دامن گیر ہو یا کوئی مصیبت پیش آئے یا اولاد کی تمنا ہو، یا زیادتی مال و متاع چاہتا ہو تو اس کو چاہیے کہ خلوص دل سے پروردگار عالم کی بارگاہ میں توبہ کرے، اس نیت کے ساتھ کہ آئندہ ان خطاؤں کا مرتکب نہ ہوگا تو وہ جس شے کو طلب کرے گا، حاصل ہوگی اور ہر شدت و سختی دور ہو، ظالم و موذی کی ایذا اور ظلم سے محفوظ رہے گا، ان امور میں یہ اسماء سریع التاثیر ہیں۔ (تنویر الاسماء) (از مترجم)

اَلْقَهَّارُ

(زبردست یا غلبہ رکھنے والا)

شرح: اَلْقَهَّارُ وہ ہے، جو اپنے بڑے بڑے طاقتور دشمنوں کی کمر توڑ ڈالے۔ ان کو ہلاک کرے یا ذلیل بنا کر قہر رسیدہ کرے۔ بلکہ قَهَّارُ وہ ذات ہے، جس کے قہر و قدرت کے نیچے ہر موجود مسخر اور اس کے قبضہ میں عاجز ہو۔

تنبیہ:

بندوں میں سے قَهَّارُ وہ ہے، جو اپنے دشمنوں کو مورد قہر بنائے انسان کا سب سے زیادہ سرکش دشمن نفس ہے، جو اس کے پہلو میں موجود ہے۔ شیطان سے بھی بڑھ کر اس کی دشمنی پر آمادہ ہے، جو اس کو دھوکا دیا کرتا ہے۔ جب بندہ اپنے نفس کی خواہشوں کو قابو میں کر لیتا ہے تو شیطان بھی دب جاتا ہے کیونکہ شیطان انہیں خواہشات کے ذریعے سے انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ شیطان کا ایک جال عورتیں ہیں۔ جس شخص میں شہوت کی قوت نہ ہو، وہ اس پھندے میں نہیں پھنستا۔ اسی طرح جو شخص دین کی اطاعت اور عقل کی تابعداری سے اس خواہش کو روکے وہ اس سے امن میں رہتا ہے جب آدمی اپنے نفس کی شہوات پر قابض ہو جاتا ہے وہ تمام لوگوں کو قابو میں کر لیتا ہے۔ پس اس پر کسی کا داؤ نہیں چل سکتا۔ کیونکہ اس کے دشمنوں کا بڑے سے بڑا مدعا یہ ہوگا کہ اس کے جسم کو ہلاک کر دیں۔ اور یہ گویا اس کی روح کو زندہ کرتا ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنی زندگی میں خواہشات کو مار لیتا ہے وہ موت کے بعد ابدی زندگی پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون“

ترجمہ: ”جو لوگ اللہ کی راہ میں کام آئے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے اللہ کے پاس سے رزق پاتے ہیں۔“

فوائد:

یہ اسم جلالی اور مقہوری اعداد کیلئے بہت زود اثر ہیں۔ان کے عاملین کو چاہیے کہ اگر کسی کے اسم اعظم میں یہ اسماء یا ان میں کا ایک آئے تو وہ بادشاہ حاکم یا ان کے مثل رعب و ہیبت، عزت وعظمت پائے گا۔مگر کسی اور طریقے پر دشمنوں کیلئے پڑھے تو یہ خیال رکھے کہ دشمن مومنین میں سے ہوں تو ذلیل وخوار اور ان کی ہلاکت کی نیت سے ہرگز نہ پڑھے بلکہ اس لیے کہ دشمن نقصان نہ پہنچا سکیں تو اتنا ہی کافی ہے باقی مرضی مولا پر چھوڑ دیں کیونکہ کسی مومن کو ذلیل وخوار برباد یا ہلاک کرنا جائز نہیں، اگرچہ وہ اس کا ظلم برداشت سے باہر ہو۔اپنا مقصد تو اسی سے حاصل کرے کہ دشمن کی دشمنی کا اثر نہ ہو۔وباللہ التوفیق۔

شیخ بونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اسم کی دعوت چالیس روز کی ہے۔دس ہزار مرتبہ روزانہ بہ پابندی شرائط خلوت میں پڑھے،نفس میں پاکیزگی، طبیعت میں انکساری اور نیک نیتی پیدا ہو جائے گی۔مقاصد میں کامیابی اور دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو عظیم القدر اور جلیل القدر وجلیل المرتبت گردانا ہو جائے گا۔(تنویر)

شیخ ابوالعباس فرماتے ہیں کہ مریدوں اور اہل ریاضت کیلئے مناسب ہے کہ نفس مغلوب اور شہوت سے محفوظ رہے۔(تنویر) اعلیٰ حضرت امام احمد خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسم یا اجبار یا اللہ پنج گنج قادریہ میں نماز عصر کے بعد سو بار تحریر فرمایا ہے۔(از مترجم)

اَلْوَهَّابُ

(بہت عطا کرنے والا)

شرح: ہبہ کے معنی عوض اور غرض کے بغیر بخشش۔جب اس قسم کی بخششیں بکثرت ہوں تو ان کے فاعل کو جواد اور وھاب کہتے ہیں۔اور حقیقی جود وعطا اور ہبہ صرف اللہ تعالیٰ سے متصور ہو سکتا ہے۔کیونکہ وہی ہر محتاج کی حاجت بلا معاوضہ اور بلا کسی

فوری یا بہ دیر حاصل ہونے والی ہو۔ اور وہ غرض یا محض مدح وستائش ہو، یا باہمی دوستی، یا رفع الزام، یا حصول رتبہ وشہرت ہو۔ تو وہ اپنی عطا کا عوض پا رہا ہے۔ وھاب یا جواد کے لقب کا حق دار نہیں۔ کیونکہ عوض ہمیشہ عین ہی نہیں ہوتا بلکہ جو امر شخص نے اس لیے عطاو بخشش کی کہ اس کی عزت ہو یا اس کی تعریف کی جائے یا اس لیے کہ اس کی بہ نسبت بدگوئی نہ کی جائے تو وہ شخص گویا ایک قسم کا لین دین کر رہا ہے۔ حقیقی جواد وہ ہے، جس سے طالب کو بلا معاوضہ فائدے حاصل ہوں۔ بلکہ وہ جو کچھ کرتا ہے بخلوص نیت کرتا ہے۔ اور وہ کام اس کی اصلی غرض اور وہی اس کا عوض ہے۔

تنبیہ:

بندہ سے جودو بخشش متصور ہی نہیں ہوسکتی کیونکہ تاوقتیکہ وہ اس کام کے کرنے کو اس کے ترک سے اولیٰ خیال نہیں کرتا اس وقت وہ اس کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ پس اس کا فعل کسی ذاتی غرض پر مبنی ہوگا لیکن جو شخص اپنا تمام مال حتی کہ اپنی جان بھی خاص اللہ تعالیٰ کے لیے دے ڈالے، نہ جنتی نعمتوں کے حصول کے لیے، نہ عذاب دوزخ کے خوف سے اور کسی فوراً یا بدیر حاصل ہونے والے مطلب کے لیے جو بشری مطالب میں سے ہو۔ البتہ یہ شخص ایک طرح سے وھاب اور جواد کے خطابات کا مستحق ہے۔
اس سے کم رتبہ وہ شخص ہے، جو اس غرض سے بخشش کرے کہ جنت کی نعمتیں حاصل ہوں اور اس سے نیچے اس شخص کا درجہ ہے جو اپنے ذکر خیر کی خاطر سخاوت کرے۔
جو شخص اپنے جودو عطا کے عوض میں ایسی چیز کا طالب ہو جس کا دست بدست لین دین نہیں ہوسکتا تو وہی لوگ اس کو جواد کے لقب کا حق دار سمجھتے ہیں جن کے نزدیک صرف مادی چیزیں عوض ہوسکتی ہیں۔

سوال:

جو شخص اپنا تمام مملوکہ مال بلا کسی عاجل و آجل غرض کے خالصاً لوجہ اللہ دے ڈالتا ہے اس کو کیوں جواد نہیں کہا جاتا حالانکہ وہ کوئی حظ نہیں پاتا؟

جواب:

اس کا حصہ خاص خدا کی ذات اس کی رضا، اس کا دیدار اور اس کا وصال ہے اور یہ حصہ وہ سعادت عظمیٰ ہے جس کو انسان اپنے افعال اختیار یہ کی بدولت حاصل کرتا ہے اور یہ وہ حصہ ہے جس کے آگے سارے حصے ناچیز ہیں۔

سوال:

یہ جو کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عارف جو اس کی عبادت کرتا ہے تو خدا کی ذات کے سوا اور کوئی غرض اس کو مدنظر نہیں ہوتی۔اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر بندہ کا فعل غرض سے خالی ہو نہیں سکتا۔تو خاص خدا کی خاطر عبادت کرنے والے اور کسی دوسری غرض کے لیے عبادت کرنے والے میں کیا فرق ہے؟

جواب:

جمہور کے نزدیک حظ (غرض) سے مراد لوگوں کے مشہورہ اغراض ہیں جو شخص ان سے دست بردار ہو جاتا ہے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی شے نہیں رہتی۔تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اغراض کو ترک کر دیا۔

یہ ایسا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ غلام اپنے آقا کا لحاظ نہ خاص آقا کے لیے کرتا ہے بلکہ اس انعام و اکرام کے لیے کرتا ہے جو اس کو اپنے آقا سے حاصل ہوتا ہے اور آقا اپنے غلام کے ساتھ حسن سلوک کوئی خاص اس کی ذات کے لیے نہیں کرتا بلکہ اس خدمت گزاری کی خاطر کرتا ہے جو اپنے غلام سے مطلوب ہوتی ہے۔مگر باپ جو اپنے بیٹے کی پرورش اور اس کے ساتھ ہر طرح کا حسن سلوک کرتا ہے تو خاص اسی کی ذات کے لیے کرتا ہے کسی غرض کے لیے نہیں جو بیٹے سے مطلوب ہو۔ بلکہ اگر بالکل کوئی فائدہ بیٹے سے حاصل نہ بھی ہوتا تو بھی اس کے مصالح میں برابر مدد دیتا رہے گا۔

اور جو شخص کوئی چیز طلب کرے جس سے خاص اس چیز کی ذات مطلوب نہ ہو بلکہ اس کے ذریعے سے کوئی اور شے حاصل کرنا منظور ہو تو گویا وہ اس چیز کا طالب نہیں

ہے کیونکہ اس کی طلب کا وہ اصلی مدعا نہیں ہے بلکہ اصلی مدعا اور شے ہے۔ جیسے ایک شخص سونے کی جستجو میں ہے تو سونا اس کا مطلب لذاتہ نہیں ہے بلکہ اس لیے مطلوب ہے کہ اس کے ذریعہ سے پوشاک اور خوراک کا سامان حاصل کرے اور پھر یہ امور بھی مطلوب لذاتہ نہیں ہیں، بلکہ اس لیے مطلوب ہیں کہ ان کے ذریعے سے آرام اور دفع تکلیف کا مقصد حاصل ہو یہ امور البتہ مطلوب لذاتہ ہیں۔ ان سے آگے اور کوئی شے حاصل کرنا مقصود نہیں ہے۔ غرض سونا طعام کا ذریعہ ہے اور طعام آرام کا وسیلہ ہے اور آرام ہی اصل مقصود ہے۔ یہ آگے کسی اور چیز کا واسطہ نہیں ہے۔ اسی طرح بیٹا والد کے حق میں واسطہ نہیں ہے بلکہ باپ کو بیٹے کی سلامتی خاص بیٹے کی خاطر مطلوب ہے کیونکہ بیٹے کی ذات ہی اس کی ملحوظ خاطر ہے اور اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت کی خاطر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی عبادت کو طلب جنت کا واسطہ بنایا ہے اس کا آخری مقصد نہیں بنایا۔ واسطہ کی علامت یہ ہے کہ اگر مطلوب اس کے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو اس واسطہ کو طلب نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ اگر مذکورہ مقاصد سونے کے بغیر حاصل ہو جائیں تو کوئی سونے کا نام بھی نہ لے، کیونکہ اصلی غرض کا حاصل کرنا منظور ہے، سونے کا حاصل کرنا منظور نہیں۔

اگر اس شخص کو جو جنت کی خاطر عبادت کرتا ہے یونہی جنت حاصل ہو سکتی تو وہ کبھی خدا کی عبادت نہ کرتا۔ کیونکہ اس کی مجبوب و مطلوب صرف جنت ہے نہ کہ کوئی اور شے۔ لیکن جس کا اصلی مطلوب ومحبوب خاص خدا کی ذات ہے اور کوئی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیدار اس کے قرب اور ملاء اعلیٰ کی مرافقت سے مسرور رہنا اس کی غرض ہے اس کی نسبت جو کہا جائے گا کہ وہ خدا کی عبادت خاص خدا ہی کے لیے کرتا ہے، تو اس کا یہ معنی نہیں ہوگا کہ وہ کسی مدعا کا طالب نہیں ہے بلکہ یہ معنی ہوگا کہ اس کا مدعا خاص خدا کی ذات ہے۔ اس کے سوا اور کوئی غرض اس کو مدنظر نہیں ہے اور جو شخص دیدار الٰہی اور اس کی معرفت اور مشاہدہ اور قرب کے سرور کی لذت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ اس کا

شائق نہیں ہوسکتا اور جو اس کا شائق نہیں اس کی نسبت یہ تصور ہی نہیں ہوسکتا کہ ذات رب العزت اس کی مقصود ہو لہٰذا اس کی عبادت کی وہی کیفیت ہوگی۔ جیسے کوئی مزدور راجرت کی طمع پر کام کرتا ہے۔ اکثر لوگ اس لذت سے ناآشنا اور اس کے معنی سے ناواقف ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ مشاہدہ ذات باری کی کیا لذت ہے وہ زبان ہی زبان سے اس پر ایمان رکھتے ہیں ان کے دلوں کا میلان صرف بڑی آنکھوں والی پیاری پیاری حوروں کی طرف ہے۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی لذت یعنی اس کے دیدار اور قرب کو غرض و مدعا کہا جاسکتا ہے تو اغراض و مقاصد سے بری ہونا محال ہے۔ اور اگر غرض و مقصد سے وہ معنی مراد ہو جو عموماً مشہور ہے اور لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں تو وہ غرض نہیں ہے اور اگر اس سے مراد وہ شے ہو جس کا حصول بندہ کے حق میں عدم حصول سے بہتر ہو تو اس کو غرض میں شمار کیا جائے گا۔

فوائد:

جو کوئی فقر و فاقہ میں مبتلا ہو، اس اسم کو پڑھے اور لکھ کر پاس رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اتنا دیتا ہے کہ حیران رہ جائے اور اگر نماز چاشت کے بعد بھی سجدے میں سات بار کہے اللہ تعالیٰ خلقت سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔ اگر کوئی حاجت اہم ہو تو نصب شب کو وضو کر لے اور تین سجدے کرے اور ہر سجدہ میں سو بار "یا وھاب" کا دورہ کرے، اس طرح کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں اوپر رہیں مثل دعاء کے انشاء اللہ تعالیٰ پہلی رات میں ہی حاجت پوری ہوگی، ورنہ تین رات پڑھے کامیاب ہوگا۔ (ظفر جلیل)

شیخ مغربی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مہم پیش آئے یا کسی چیز کا طالب ہو یا کوئی مراد حاصل کرنا ہو یا کسی دوسرے کے ہاتھ میں قید ہو یعنی مقروض ہو یا محنت سخت برداشت کرنی پڑتی ہو یا رزق میں تنگی ہو یا طلب راہ حقیقت ہو یا دنیا کا مال حاصل کرنا ہو یا دوست سے ملاقات کی تمنا ہو یا اعلیٰ درجہ کی حکومت (یا ملازمت) حاصل کرنا یا دشمن

کو دفع کرنا ہو، اس کے علاوہ کوئی سی بھی مراد رکھتا ہو تو بوقت نیم شب وضوئے کامل کر کے دو رکعت نماز ادا کرے، شب جمعہ ہو تو بہتر ہے اور مسجد میں یا علیحدہ کمرے میں اس عمل کو کرنا چاہیے۔ بعد نماز سر برہنہ کر کے دست بدعا ہو کر سو مرتبہ ''یا وھاب'' کہے، بعد میں اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے، اس عمل کو متواتر تین راتیں کرے، انشاء اللہ الوہاب مقصد پورا ہوگا۔ (تنویر)

اَلرَّزَّاقُ

(روزی پہنچانے والا)

شرح: رَزَّاقُ سے مراد وہ ذات پاک ہے جس نے روزی کی محتاج مخلوقات کو پیدا کر کے اس کو روزی پہنچائی اور اس کے لیے روزی سے فائدہ اٹھانے کے اسباب پیدا کیے۔

رَزَّاقُ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری رزق، جس سے مراد غذا و خوراک ہے جو اشیاء ظاہرہ کے لیے ہے اور یہ اشیاء بدن ہیں۔

دوسرا رزق باطن ہے۔ اس سے مراد معرفت اور کشف ہے یہ قلب اور روح کے لیے ہے۔

دوسرا رزق زیادہ قابل عزت ہے کیونکہ اس کا ثمرہ ابدی زندگی ہے اور رزق ظاہری کا ثمرہ یہ کہ ایک خاص محدود مدت تک جسم کی قوت قائم رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دونوں رزق پیدا کرتا ہے۔ اور دونوں فریقوں کو ان سے بہرہ ور بناتا ہے۔

ولکنه یبسط الرازق لمن یشآء ویقدر۔

ترجمہ: ''خدا جس کیلئے چاہتا ہے رزق کی فراخی کرتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے۔''

تنبیہ:

اس وصف سے بندہ کا اصلی حصہ دو امر ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس وصف کی حقیقت سمجھے اور یقین کرے کہ خدا کے سوا اور کوئی اس وصف کا مستحق نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیشہ خدا ہی کو روزی رساں سمجھے۔ اور اس کے متعلق خدا ہی پر توکل کرے۔

حکایت:

جیسا کہ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت روایت ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا تم کہاں سے کھاتے ہو:

حاتم: اس کے خزانے سے۔

سائل: کیا وہ آسمان سے تمہاری طرف روٹی پھینک دیتا ہے۔

حاتم: اگر زمین اس کی اپنی نہ ہوتی تو بیشک اسکو آسمان ہی سے روٹی پھینکنی پڑتی۔

سائل: تم کلام کی تاویل کر لیتے ہو۔

حاتم: اس لیے کہ اس نے آسمان سے کلام ہی نازل فرمایا ہے۔

سائل: معاف کیجئے میں آپ سے بحث کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔

حاتم: اس لیے حق کے آگے باطل ٹھیر نہیں سکتا۔

بندہ کے حصے میں دوسرا امر یہ ہے کہ خدا اس کو نیک ہدایت کرنے والا علم اور نیکی کا راستہ دکھانے والی زبان اور صدقہ وخیرات دینے والا ہاتھ عطا کرے۔ اور وہ اپنے نیک اقوال واعمال کی بدولت لوگوں کے دلوں میں سب سے زیادہ قابل عزت رزق پہنچنے کا موجب ہو اور خدا جب اپنے بندے پر محبت کی نظر کرتا ہے تو اس کی طرف لوگوں کی حاجات بڑھا دیتا ہے اور جب وہ اللہ اور اللہ کے بندوں کے مابین وصول رزق کا ذریعہ بن جاتا ہے تو اس وصف سے بخوبی بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الخازن الامین الذی یعطی ما امر به طیبه به نفسه احد المتصدقین
ترجمہ: ''دیانت دار خزانچی کہ جو کچھ اس کے مالک نے فرمایا ہو، دل کی خوشی سے دیتا ہے وہ خیرات وصدقہ دینے والا ہے۔''
بندوں کے ہاتھ خدا کے خزانے ہیں۔ پس خدا نے جس شخص کے ہاتھوں کو بدنوں کے رزق کا خزانہ اور اس کی زبان کے رزق کا خزانہ بنایا ہو اس نے اس وصف سے بہت بڑا حصہ حاصل کیا ہے۔

فوائد:

رزق ضروریات زندگی کا نام ہے اور اسم رَزَّاقُ کے پڑھنے والے کو خزانہ غیب سے روزی ملتی ہے جو کوئی طلوع صبح صادق کے بعد نماز فجر سے پہلے اپنے مکان کے چاروں کونوں پر کھڑے ہو کر دس دس بار اسم ''یارَزَّاقُ'' تلاوت کرے کبھی اس کے گھر میں غریبی اور مفلسی نہ آئے گی۔ طریقہ اس کا یہ ہے کہ گھر میں قبلہ رخ کھڑا ہو اور داہنے ہاتھ کے گوشے سے شروع کرے اور اس کونے سے دسرے کونے تک اس طرح جائے کہ قبلہ سے رخ نہ پھرے اور ہر گوشے میں قبلہ رخ ہی کھڑا ہو کر یہ اسم پڑھے بہت مجرب ہے۔ (ظفر جلیل)

حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص تین سو آٹھ مرتبہ بعد نماز فجر پڑھ لیا کرے تو رزق کشادہ ہوگا اور شیخ بونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو نصف شعبان میں کثرت سے پڑھے اور انگشتری میں کندہ کر کے پہن لے تو اللہ تعالیٰ سال بھر کا رزق عطا فرمائے گا۔ (تنویر الاسماء)

اَلْفَتَّاحُ

(مشکل کشا، یا بندوں میں حکم کرنے والا)

شرح: فَتَّاحُ وہ ہے، جس کی عنایت سے ہر مغلق کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور جس

کی ہدایت سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے کبھی وہ اپنے انبیاء کے ہاتھ پر ممالک فتح کرتا ہے اور دشمنوں کے ہاتھ سے چھین لیتا ہے اور فرماتا ہے:

"انا فتحنالك فتحا مبينا ليغفرلك الله"

ترجمہ: "تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر، تا کہ بخشے واسطے تیرے خدا"

اور کبھی اپنے اولیاء کے دلوں سے حجاب اٹھا کر ان کے لیے عالم ملکوت اور جمال کبریائی کی طرف دروازے کھول دیتا ہے اور فرماتا ہے: "**ما يفتح الله للناس من رحمة فلا ممسك لها**" یعنی اللہ لوگوں پر جو رحمت کے دروازے کھولتا ہے، کوئی ان کو بند نہیں کر سکتا۔" اور جس کے ہاتھ میں غیب کی کنجیاں اور رزق کی کنجیاں ہوں۔ وہ فتاح کہلانے کا سب سے بڑا حق دار ہے۔

تنبیہ:

بندے کو یہ درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی زبان کے ساتھ مشکلات الٰہیہ کے نکات حل ہوں۔ اور اس کی معرفت سے وہ دینی دنیوی امور آسان ہو جائیں جو لوگوں کے لیے مشکل ہو رہے ہیں تا کہ اس کو اسم اَلْفَتَّاحُ سے پورا حصہ مل سکے۔

فوائد:

یہ اسم مبارک ہر کار مشکلہ جس کا حل دشوار ہو، اس اسم مبارک کی برکت سے آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ ظفر جلیل میں ہے جو بعد نماز فجر دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر ستر بار "یَافَتَّاحُ" کا ورد کرے، اس کے آئینہ دل سے زنگ و میل دور ہوگا اور نور و صفائی کی ارزانی ہوگی۔ یہ اسم پاک امتحان دینے والوں اور وکیلوں، مناظروں نئی نئی ایجادات کرنے والے، مفکروں، مبلغوں اور مقرروں کیلئے شمع شبستان کا کام دیتا ہے۔

شیخ بونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اسم سالکوں کیلئے مناسب ہے جو کثرت سے اس کا ورد کرے تو پروردگار ابواب فتح و نصرت کشادہ فرما دے اور جو شخص دو رکعت نماز ادا کرے رکعت اول میں بعد سورۂ فاتحہ، سورۂ یٰسین شریف اور دوسری میں بعد سورۂ

فاتحہ، سورۂ تبارک الذی پڑھے۔ بعد نماز ۴۸۹ مرتبہ "یَا فَتَّاحُ" پڑھے تمام مشکلات آسان ہوں گی، ہر حاجت برآئے گی، غیبی امداد شامل ہوگی۔ (تنویر)

اَلْعَلِیْمُ

(بہت جاننے والا)

شرح: اس کے معنی ظاہر ہیں اور اس کا کمال یہ ہے کہ وہ ظاہر و باطن اور دقیق و جلیل چیز کا علم اول سے آخر تک رکھتا ہو۔ اور یہ علم وضوح و کشف کے سب سے زیادہ مکمل طریقے سے ہو جس سے زیادہ ظاہر کوئی بھی مشاہدہ اور کشف تصور میں نہیں آسکتا۔ پھر یہ کہ وہ معلومات کے ذریعے سے حاصل نہ کیا گیا ہو بلکہ تمام معلومات اس کے ذریعے سے حاصل کیے گئے ہوں۔

تنبیہ:

بندہ کا علیم کے اسم سے جو حصہ ہے وہ مخفی نہیں لیکن اس کا علم اللہ تعالیٰ کے علم سے تین باتوں میں جدا ہے۔

(۱) تو یہ کہ بندہ کی معلومات گو کتنی ہی زیادہ ہوں۔ مگر وہ ایک محدود مقدار رکھتی ہیں پس ان معلومات کے ساتھ ان کو کیا نسبت جو بے انتہا ہیں۔

(۲) یہ کہ بندہ کا کشف اگرچہ خوف روشن ہو مگر اس حد تک نہیں پہنچ سکتا جس کے بعد وضوح اور روشنی کا درجہ ممکن نہ ہو بلکہ اس کا مشاہدہ ایسا ہوگا، جیسے ایک باریک پردے سے دیکھ رہا ہو اور پھر درجات مشاہدہ میں جو فرق ہے اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ باطنی بصیرت کا حال ظاہری بصارت کا سا ہے۔ اور طلوع فجر کے وقت کسی چیز کے دکھائی دینے اور سورج نکلنے کے بعد دکھائی دینے میں بڑا فرق ہے۔

(۳) یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم اشیاء کے علم سے حاصل نہیں ہے بلکہ اشیا اس کے علم سے مستفاد ہیں اور بندہ کو جو اشیاء کا علم ہے وہ اشیا کے تابع اور اشیاء ہی سے حاصل ہے۔

اگر اس فرق کے سمجھنے سے ابھی تمہارا ذہن قاصر ہو۔ تو شطرنج کی بازی سیکھنے والے کے علم کو واضع شطرنج کے علم سے ملا کر دیکھو۔ اور غور کرو کہ واضع کا علم شطرنج کے وجود کا سبب ہے اور شطرنج کا وجود شطرنج سیکھنے والے کے علم کا سبب ہے۔ اور واضع کا علم شطرنج کے وجود سے مقدم ہے۔ اور سیکھنے والے کا علم موخر ہے۔ اسی طرح اشیاء کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم سب سے مقدم اور ان سب کا سبب ہے اور ہمارا علم اس کے خلاف ہے۔

علم کی بدولت بندے کا شرف اس لیے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے لیکن سب سے زیادہ شریف علم وہ ہے، جس کا موضوع زیادہ شریف ہو۔ اور سب سے زیادہ شریف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی معرفت سب معرفتوں سے زیادہ افضل ہے۔ بلکہ تمام اشیا کی معرفت کو جو شرف حاصل ہے، وہ اسی لیے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی معرفت ہے یا اس طریق کی معرفت ہے جو بندہ کو اللہ سے قریب کر دیتا ہے۔ یا اس امر کی معرفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے قرب کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔ جو معرفت اس سے خارج ہو اس میں زیادہ بھلائی نہیں ہے۔

فوائد:

حضرت سیدنا امام علی رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص اپنے دل میں اسم **اَلْعَلِیْمُ** کی کثرت کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ علم سے سرفراز فرمائے گا۔ (تنویر)

یہ اسم پاک، استخارے اور اسرار مخفی کے اسرار کے اظہار کیلئے مخصوص ہے۔ اگر یہ جاننا چاہے کہ اس مقدمہ کا انجام کیا ہوگا لڑائی میں کس کی فتح ہوگی۔ تجارت میں نفع ہوگا، یا نقصان، شرکت مفید ہوگی، سفر اچھا ہوگا اس قسم کے دیگر امور مخفی جو قبل از وقت معلوم کرنا چاہتے ہوں تو تین مرتبہ شب جمعہ، بعد نصف شب باوضو دو رکعت نماز ادا کرے اور بعد نماز ایک سو پچاس مرتبہ اس اسم کو پڑھے، اس کے بعد سو جائے۔ اور درود شریف پڑھتا رہے، یہاں تک کہ سو جائے، بس انشاء اللہ خواب میں بتا دیا جائے گا اور جو کچھ معلوم ہوگا اس میں بغیر کسی وجہ کامل کی دعا کے ردوبدل نہ ہوگا جو معلوم ہوگا

ویسا ہی ظہور میں آئیگا۔ (تنویر الاسماء)

اَلْقَابِضُ
(بندوں کی روزی محدود کرنے والا)

اَلْبَاسِطُ
(بندوں کی روزی فراخ کرنے والا)

شرح: یہ اس معبود برحق کے نام ہیں جو موت کے وقت جانوں کو جسموں سے قبض کرتا ہے زندگی کے وقت جسموں میں جانیں ڈالتا ہے اور اغنیاء سے خیراتیں بند کر لیتا ہے۔ محتاج لوگوں کے لیے رزق وافر کر دیتا ہے۔ اور اغنیاء کے لیے رزق کشادہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ ان کو کبھی فاقہ کرنے کا موقع نہیں پڑتا۔ فقیروں کو تنگ دست بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ بیچارے عاجز آجاتے ہیں۔ وہ دلوں کو قبض کرتا ہے اور اپنی بے پروائی، بزرگی اور جلال کا پورا پورا احساس دلا کر ضیق میں ڈال دیتا ہے۔ اور پھر اپنے لطف واحسان اور جمال کے فیضان سے ان پر بسط کی حالت طاری کر دیتا ہے۔

تنبیہ:

بندوں میں قَابِضُ و بَاسِطُ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب عجیب حکمتیں اور جامع کلمات عطا ہوئے ہوں۔ پس کبھی تو وہ خدا کی نعمتوں اور عنایتوں کا حال سنا کر لوگوں کے دل باغ باغ بنا دیتا ہے اور کبھی اس کے جلال اور کبریا اور اس کے عذاب وبلا کے اقسام اور اپنے دشمنوں سے اس کے انتقام کا حال سنا کر ڈرائے، اور ان کے دل میں سنسنی ڈال دے۔

جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا کہ ایک بار تو یہ بات سنا کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل عبادت سے تنگ کر دیے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو قیامت کے دن فرمائے گا۔ ''ابعث بعث النار'' ترجمہ: ''دوزخی جماعت روانہ ہو'' حضرت آدم علیہ السلام پوچھیں گے کہ کتنے دوزخی! تو خدا فرمائے گا، ہزار میں سے نوسو ننانویں۔ جس سے صحابہ کرام کے دل ٹوٹ گئے اور وہ عبادت سے سست ہوئے جب صبح ہوئی اور آپ

نے ان کی سستی اور قبض کی حالت ملاحظہ فرمائی تو ان کے دلوں کو تسلی دی، اطمینان دلایا اور یہ فرما کر ان پر بسط کی حالت طاری کر دی کہ وہ قیامت کے دن تمام سابقہ امتوں میں سے اس طرح ممتاز نظر آئے گی جس طرح ایک سفید رنگ کے بیل کے بدن پر سیاہ خال۔

فوائد: یَا قَابِضُ

اگر دشمن قوی ہو یا جان و مال کا خطرہ ہو، اس اسم یَا قَابِضُ کو تین شب متواتر بہت نیت آوارگی دشمن پڑھے، دشمن مقہور ہوگا اور مقصد حاصل ہوگا، یہ وہ اسم ہے کہ اس کی قوت سے فرشتہ موت، روح قبض کرتا ہے اگر کوئی شخص اس کا ورد کرے تو اس کی مشکلیں آسان ہوں گی اور قوت و ہیبت زیادہ ہوگی، اس اسم کا نقش خون اور خون بواسیر کے روکنے کیلئے اکسیر ہے۔ (تنویر)

فوائد: یَا اَلْبَاسِطُ

حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر بوقت صبح دس مرتبہ ہاتھ پھیلا کر "یَا اَلْبَاسِطُ" کہے اور ہاتھ چہرے پر مل لے تو اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہ کرے گا، رزق کشادہ ہوگا، غم والم دور ہوں گے، تنگدست اور مبتلائے قحط نہ ہوگا۔ (تنویر)

شیخ بونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر طالب صادق اس اسم کو اس طرح پڑھے کہ اپنے نفس کو شہوت سے جسم کو حرام سے زبان کو کلام بد سے نظر کو محرمات سے کان کو غیبت سے، ہاتھ کو ممنوعات سے، دل کو معاصی سے، عقل کو خواہش سے، روح کو کرامت کی طرف التفات کرنے سے اور سر کو غیر کی جانب خمیدہ ہونے سے روکے تو کامل ہو جائے گا۔

اَلرَّافِعُ	اَلْخَافِضُ
(فرمانبرداروں کو بلند کرنے والا)	(نافرمانوں کو پست کرنے والا)

شرح: ان ناموں سے مراد وہ موجود برحق ہے جو کفار کو بدبختی میں مبتلا کر کے پست کر دیتا ہے اور مومنوں کو کامیابی بخش کر بلند کر دیتا ہے۔ اپنے اولیاء کو قرب کی بلندی

بخشتا ہے اور اپنے دشمنوں کو دوری کے گڑھے میں ڈالتا ہے۔ جو شخص محسوسات اور متخیلات سے اپنا مشاہدہ اور بری خواہشات سے اپنا ارادہ بلند کر لیتا ہے اس کو وہ موجود برحق ملائکہ مقربین کے مقام تک ترقی عطا کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنا مشاہدہ محسوسات پر، اور اپنی ہمت کو ان خواہشات نفسانی پر، جن میں چوپائے بھی اس کے شریک ہیں مائل رکھتا ہے تو اس کو وہ اسفل السافلین میں کرا دیتا ہے اور یہ کام خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، لہٰذا وہ خافض اور رافع ہے۔

تنبیہ:

ان اسموں سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ حق کو بلند اور باطل کو پست کرے اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے حق بات کہنے والے کی تائید کرے اور غلط بات بیان کرنے والے کو دھمکائے۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی کرے تا کہ ان کو پست کرے اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی رکھے تا کہ ان کو عالی رتبہ ہونے میں مدد دے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی ولی سے فرمایا ہے کہ:

> ''تم نے دنیا میں زہد کیا تھا اس کے عوض میں تم کو راحت مل گئی۔ اور مجھ کو جو یاد کیا تو میرا دیدار بھی حاصل ہو گیا۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے کسی میرے دوست سے دوستی اور کسی دشمن سے دشمنی بھی کی؟''

فوائد: ''یَا خَافِضُ''

یہ اسم پاک دشمنوں کی شقاوت وعداوت سے محفوظ و مامون رہنے کیلئے خاص ہے۔
شیخ بزرگ فرماتے ہیں جو شخص حیوانی فضائل سے اپنے نفس کو پاک کر کے اس نم کو پڑھے اس پر اس کے اسرار منکشف ہو جائیں اور اس اسم کا عامل جس حاکم و ظالم کے سامنے جائے، حاکم اس کی ہیبت سے ذلیل وضعیف ہو گا۔ (تنویر)

فوائد: یَا اَلرَّافِعُ

جو شخص تین روزے رکھے اور چوتھے روز اگر چودھویں شب ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ ستر ہزار مرتبہ یَا اَلرَّافِعُ پڑھے، دشمن پر فتح ہو اور مخلوق میں برگزیدہ اور مالدار ہوگا۔ (ظفر جلیل)

اگر اسم "یَا خَافِضُ، یَا اَلرَّافِعُ" کے اعداد میں اپنے نام کے اعداد شامل کر کے نقش ریشمی کپڑے یا چاندی پر کندہ کرا کے اپنی ٹوپی کے اندر سی لے تو ضعف وغم دور ہوگا، تحصیل علم میں آسانی ہوگی، امتحان میں امتیازی نمبر حاصل ہوں گے۔

اَلْمُعِزُّ	اَلْمُذِلُّ
(عزت دینے والا)	(ذلیل کرنے والا)

شرح: یہ وہ ذات ہے کہ جس کو چاہے بادشاہی دے جس سے چاہے چھینے۔ سچی بادشاہی یہ ہے کہ محتاجی کی ذلت اور شمولیت کی مجبوری اور نادانی کے عیب سے نجات حاصل ہو۔ پس اس نے جس شخص کے دل سے پردہ اٹھا دیا یہاں تک کہ اس نے اس ذات والا صفات کے جمال کا نظارہ کر لیا اور اس کو قناعت کی توفیق بخشی، یہاں تک کہ وہ اس کی بدولت مخلوق سے بے پرواہ ہو گیا۔ اور اس کو قوت و طاقت بخشی، یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کی صفات پر غالب آ گیا تو اس کو اس جہان میں بھی غرت اور بادشاہی عطا کی اور پھر آخرت میں بھی تقرب کی عزت بخشے گا۔ اور فرمائے گا:

"یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك الخ"

ترجمہ: "اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف جا۔"

اور جو شخص مخلوق پر نظر رکھتا ہے حتیٰ کہ اس کا محتاج بن جاتا ہے۔ اور اس پر اس

قدر حرص غالب ہو جاتی ہے کہ وہ کسی حد تک قناعت نہیں کرتا اور جہالت کے اندھیرے میں پڑا رہتا ہے اس کو خدا نے بالکل ذلیل کر دیا اور اس سے ملک چھین لیا اور یہ خدا کے کام ہیں۔ جس طرح چاہے کرے، وہی عزت دینے والا ہے، وہی ذلت دینے والا جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے اور یہ ذلیل وہ ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ سے مخاطب کرتا ہے کہ:

ولکنکم فتنتم انفسکم وتربصتم وارتبتم و غرتکم الامانی حتی جآء امر اللہ وغرکم باللہ الغرور فالیوم لا یؤخذ منکم فدیۃ

ترجمہ: ''لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالا اور گھات میں بیٹھے اور شک کیا اور تم کو آرزوؤں نے دھوکا دیا یہاں تک کہ خدا کا حکم آیا اور غرور نے تم کو خدا کی نسبت غلط فہمی میں ڈال رکھا۔ پس آج تم سے فدیہ منظور نہیں کیا جائے گا۔''

فوائد:

شیخ جلال الدین محمود تبریزی فرماتے ہیں اگر دشمن قوی ہو جابر و ظالم ہو جس سے خوف جان لاحق ہو تو وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے، بعد نماز سجدے میں ۷۷ مرتبہ یہ اسم آہ وزاری سے پڑھے اللہ تعالیٰ امان میں رکھے گا دشمن ذلیل ہوں گے۔ (تنویر) یہ علم تسخیر عطارد کیلئے ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تسخیر عطارد کی تمنا ہے تو ساٹھ روز کی خلوت اختیار کرے اور دس ہزار مرتبہ روزانہ "**یا مذل کل جبار عنید بقھر عزیز سلطانہ یا مذل**" کی تلاوت کرے اور ان ایام میں دوسرا کوئی وظیفہ عمل ہرگز نہ پڑھے، بید الخیر سے چوکی سہ پایہ تیار کر کے اور ہر پایہ پر اسم مذکور تحریر کرے اور بالائے چوکی اسم یا اللہ تحریر کرے اور زیریں چوکی بخور روشن کرے اور سوائے ضروریات ضروریہ کے خلوت سے باہر ہرگز نہ آئے، نہ کسی کو اندر آنے دے آخر دعوت ملک عطارد بصورت مرد پیر حاضر ہوگا اور مژدہ مبارک کے ساتھ اطاعت و تسخیر قبول کرے

گا۔اس کے بعد عامل کو اختیار کہ جس وقت چاہے ملک عطارد کے بتلائے ہوئے قاعدے مطابق اس سے ملاقات کرے۔(تنویر)

اَلسَّمِیْعُ

(بہت دیکھنے والا)

شرح: سَمِیْعُ وہ ذات ہے جس کے ادراک سے کوئی سننے کی بات مخفی نہیں رہتی خواہ باریک سے باریک ہو۔وہ رات کے وقت صاف پتھر پر چلنے والی چیونٹی کے پاؤں کی آہٹ بھی سنتا ہے حمد کہنے والوں کی حمد سن کر جزائے خیر دیتا ہے۔دعا کرنے والوں کی دعائیں سن کر قبول کرتا ہے۔اس کی شنوائی کانوں اور کان کے پردوں کے بغیر ہی ہے۔جس طرح کہ اس کے دوسرے افعال بلا اعضاء کے اور کلام بے زبان کے ہے۔اور اس کی شنوائی حدوث وتجدد سے پاک ہے۔

جب تم کو یہ معلوم ہو چکا کہ اس کی شنوائی ایسے تغیرات سے پاک ہے۔جو مسموعات کے تازہ وقوع کے وقت عارض ہو سکتے ہیں۔اور تم نے اس کو اس امر سے منزہ سمجھ لیا ہے کہ وہ کان یا کسی دوسرے آلہ سے سنتا ہو تو تم آپ سے آپ نتیجہ نکال سکتے ہو کہ اس کی شنوائی کیا ہے؟ ایک صفت ہے جس سے اشیاء کی صفات کی پوری کی پوی ماہیت اس پر منکشف ہو جاتی ہیں۔جو شخص اس امر پر غور نہیں کرتا وہ تشبیہ کے خیال میں مبتلا ہو جاتا ہے تم اس سے بچو اور ذرا غور وفکر سے کام لو۔

تنبیہ:

بندہ کو حس کی حیثیت سے شنوائی کا جو حصہ حاصل ہے وہ ناقص ہے کیونکہ وہ تمام مسموعات کو ادراک نہیں کر سکتا۔ بلکہ صرف انہیں آوازوں کو محسوس کر سکتا ہے جو اس کے قریب ہوں۔پھر یہ کہ اس کا ادراک ایک عضو کے ذریعے سے ہے اور وہ ایک ایسا آلہ ہے جو مختلف آفات میں گھرا ہوا ہے۔اگر آواز دھیمی ہو تو وہ ادراک کر نہیں سکتا اگر

دور ہو تو بھی سن نہیں سکتا اگر آواز بڑی ہو، تو شنوائی کا پردہ ہی پھٹ جاتا ہے اور شنوائی باطل ہو جاتی ہے۔

شنوائی سے بندہ کا دینی حصہ دو امر ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ سمیع ہے لہٰذا اپنی زبان کو برے کلام اور بیہودہ گوئی سے محفوظ رکھے۔

دوم یاد رکھے کہ اس کو سننے کی طاقت اس لیے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے جو اس نے نازل فرمایا ہے اور اسکے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے کی ہدایت حاصل کرے۔ غرض اس کے سوا اور کسی بات میں اپنی شنوائی استعمال نہ کرے۔

فوائد:

امام علی رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس اسم کا پڑھنے والا مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے۔ اہل تحقیق لکھتے ہیں کہ اگر اس کے عامل کو چاہیے کہ فحش غیبت سے اپنی زبان و کان کو بچائے۔

محمد احمد تمیمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر روزانہ بعد نماز فجر سات مرتبہ

"فسیکفیکهم الله و هو السمیع العلیم"

پڑھے تمام دن مہمات سے کفایت فرمائے اور مشکلات سے محفوظ رہیگا۔ (تنویر)

اگر اس کا نقش لکھ کر اپنی ٹوپی میں رکھے مراتب بلند ہوں گے، عزیز الخلائق ہوگا۔

اَلْبَصِیْرُ

(بہت دیکھنے والا)

شرح: یہ وہ ذات پاک ہے جو ہر چیز کو صاف صاف دیکھ رہا ہے یہاں تک کہ مٹی میں چھپی ہوئی چیزیں بھی اس کی نظر سے مخفی نہیں ہیں اس کا دیکھنا بھی پتلی، ڈھیلے اور پپوٹے وغیرہ سے پاک ہے۔ اور اس معنی سے بری ہے کہ اس کی ذات میں اشیاء کی صورتیں اور رنگ منطبع ہوتے ہوں۔ جیسے انسان کی آنکھ میں منطبع ہوتے ہیں کیونکہ

یہ امور ان تاثرات وتغیرات کی قبیل سے ہیں جو تجدد و حدوث کے مقتضی ہیں، جب وہ ان امور سے پاک ہے تو اس کا دیکھنا ایک ایسی صفت ہے جس سے دیدنی اشیاء کی ٹھیک ٹھیک صفات منکشف ہو جاتی ہیں اور یہ بینائی اس بینائی سے کہیں زیادہ روشن اور تیز ہے جو آنکھوں کو حاصل ہے اور جو اکثر صاف اور ظاہر چیزوں کو محسوس کرنے سے بھی قاصر رہتی ہے۔

تنبیہ:

وصف بصر میں حس کی حیثیت سے جو حصہ بندہ کو حاصل ہے، وہ ظاہر ہے لیکن وضعیف وقاصر ہے کیونکہ اس کی طاقت دور تک کام نہیں کرتی اور نہ اشیاء میں جاتی ہے بلکہ صرف ظاہری اشیاء کو محسوس کرتی ہے، چھپی ڈھکی باتوں سے قاصر ہے۔

دینی حصہ دو چیزیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ یقین رکھے کہ اس کو بنیائی اس لیے دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں، عجائب ملکوت اور آسمانوں پر نظر کرے، تاکہ اس کو عبرت حاصل ہو۔

کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا مخلوق میں سے کوئی شخص آپ جیسا ہوگا؟ فرمایا ہاں جس شخص کی نظر عبرت کے لیے ہو اور خاموشی غور وفکر کے لیے اور کلام، اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے! وہ مجھ جیسا ہے۔

دوم یاد رکھے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے لہٰذا اس کی نظر سے بے پروائی نہ کرے۔ جو شخص لوگوں سے ایسی باتیں چھپاتا ہے جو اللہ سے نہیں چھپاتا وہ گویا اللہ تعالیٰ کی نظر سے بے پروائی کر رہا ہے۔

اس صفت پر ایمان لانے کا ایک ثمرہ مراقبہ ہے۔ پس جو شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے اور پھر کسی گناہ کے قریب جاتا ہے وہ کیسا دلبر اور گستاخ ہے اور اگر یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا تو وہ کتنا بڑا کافر ہے!!!

فوائد:

اہل تحقیق فرماتے ہیں جو اس اسم اَلْبَصِیْرُ کا ورد کرے گا اور اپنی چشم کو عیوب خلق اور امر خلاف شرع سے روکے گا تو اللہ تعالیٰ اسے بینائی ظاہر و باطن عنایت فرمائے گا اس اسم مبارک کی برکت سے انبیاء علیہم السلام کو معراج حاصل ہوئی اور اولیاء مقرب بارگاہ الٰہی ہوئے اگر روز جمعہ نماز سنت اور فرض کے درمیان ایک سو مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا تو عنایات و مکاشفات و اسرار اسمائے الٰہی سے مشرف ہوگا۔ (تنویر)

ظفر جلیل میں روز پنج شنبہ لکھا ہے بہتر ہے کہ روز پنجشنبہ اور جمعہ دونوں دن نماز فجر کی سنت و فرض کے درمیان پڑھے یا عصر کی سنتیں پڑھ کر اس اسم کو پڑھے گا پھر فرض باجماعت ادا کرے۔

اَلْحَکَمُ

(مخلوقات کا حاکم)

شرح: حَکَمُ وہ حاکم ہے جو لوگوں کے فیصلے کرتا ہے اور جس کے آگے سب مخلوق سر تسلیم خم کرتی ہے جس کے حکم کو کوئی نامنظور نہیں کر سکتا اور نہ اس کے فیصلے کو واپس کر سکتا ہے۔

جس کا بندوں کے حق میں یہ حکم ہے کہ

"لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ وَاِنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی"

ترجمہ: ''انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کمایا اور اس کی کمائی عنقریب دیکھ لی جائے گی۔''

"اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ۔"

ترجمہ: ''بھلے لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور برے لوگ دوزخ میں۔''

بھلے اور برے لوگوں کے متعلق خوش قسمتی اور بدبختی کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے

کہ ان سے بھلائی اور برائی کو بھلے اور برے لوگوں کی سعادت وشقاوت کا سبب بنا دیا ہے جیسا کہ دواؤں اور زہروں کو ان کے کھانے والوں کے لیے شفا اور موت کا باعث بنا دیا ہے۔ چونکہ حکمت کا معنی اسباب پر مسببات کو مترتب کرتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ حکم مطلق ہے۔ کیونکہ وہی تمام اسباب مہیا کرتا ہے۔

حکم سے قضا و قدر کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اسباب وضع کرتا ہے، تاکہ وہ مسببات تک منتہی ہوں۔ پھر ان کلی واصلی اور ثابت و مستقر اسباب کو جو نہ زائل ہوتے ہیں اور نہ متغیر ہوتے ہیں نصب کرنا قضا ہے۔ جیسا کہ زمین آسمان، ستارے اور ان کی حرکات جو متناسب اور دائم ہیں نہ ان میں تغیر آتا ہے اور نہ وہ آگے پیچھے ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا تحریری حکم اپنی میعاد کو پہنچ جائے گا۔ چنانچہ فرمایا:

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا

ترجمہ: ''پس کر دیا انہیں دو دن میں سات آسمان اور ہر آسمان کو اس کا امر وحی کیا۔''

پھر ان متناسب ومحدود اور مقدر ومحسوب اسباب کو ان مسببات کی طرف متوجہ کرنا قدر ہے۔ جو ان اسباب سے لحظہ بلحظہ حادث ہوتے ہیں۔

غرض کہ حکم وہ پہلی اور کلی تدبیر اور چوٹی کا امر ہے جو آنکھ کے جھپکے سے بھی جلد وقوع پا جاتا ہے۔ اور قضا اسباب کلیہ ودائمہ کا اصولی طور پر وضع کرنے کا نام ہے۔ اور قدر سے مراد ان اسباب کلیہ کو ایک متناسب ومحسوب رفتار کے ساتھ محدود ومعدود مسببات کی طرف ایسے اندازہ کے ساتھ تحریک دینا ہے جو کم وبیش نہ ہو۔ اس لیے کوئی چیز اس کی قضا وقدر سے باہر نہیں نکل سکتی۔ اور یہ بات ذیل کی مثال سے بخوبی سمجھ آ سکتی ہے۔

تم نے کبھی نہ کبھی گھڑی کا صندوق دیکھا ہوگا جس سے اوقات نماز کا پتہ لگتا

ہے۔ اگر نہیں دیکھا تو ہم اس کی کیفیت بتا دیتے ہیں۔

ایک آلہ بہ شکل ستون ہوتا ہے جس میں معین اور خاص مقدار کا پانی ہوتا ہے۔ اس کے اندر اور پانی کے اوپر ایک اور مجوف آلہ ہوتا ہے جو ایک طرف سے دھاگے کے ساتھ بندھا ہوتا ہے اور دوسری طرف سے پانی پر تیرتا رہتا ہے۔ اس دھاگے کا دوسرا ایک چھوٹے سے ظرف کے نیچے پہنچا ہوا ہوتا ہے جو مذکورہ ستون نما آلہ کے اوپر دھرا رہتا ہے، اس ظرف میں ایک گیند اور اس کے نیچے ایک طشتری اس طرح رکھی ہوتی ہے کہ اگر گیند طشتری میں آگرے۔ تو اس کی آواز سنائی دے۔ ستون نما آلہ کے نیچے ایک خاص مقدار کا سوراخ ہوتا ہے جس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی نیچے بہتا رہتا ہے جب سارا پانی نیچے بہ جاتا ہے تو پانی پر تیرنے والا آلہ نیچے لٹک جاتا ہے۔ ادھر اس کے لٹکنے سے دھاگے کو جو کشش ہوتی ہے تو اس کے دوسرے سرے کی تحریک سے گیند طشتری میں آگرتا ہے اور اس کے گرنے کی آواز سن کر آس پاس کے لوگ خبردار ہو جاتے ہیں۔ ایک گھنٹے کے ختم ہونے پر یہ گیند ایک بار گرتا ہے۔ گیند کے دوبارہ گرنے کا درمیانی عرصہ پانی کے نکلنے اور بہہ جانے کی مقدار سے ہوتا ہے۔ اور یہ بات سوارخ کے مقدار پر موقوف ہے۔ جس سے پانی نکلتا ہے اور یہ امر حساب کے طریقے سے معلوم کیا جاتا ہے۔

غرض کی پانی کے بمقدار معلوم نکلنے پر سوراخ کی کشادگی کا اندازہ موقوف ہے۔ اور اس اندازے پر پانی کی بالائی سطح نیچے اترتی ہے۔ جس پر مجوف آلہ کا معین عرصہ میں نیچے لٹک جانا اور دھاگے کا کھچ جانا اور گیند کا نیچے گر کر آواز پیدا کرنا منحصر ہے۔ اور یہ تمام امور اپنے اپنے سبب کے مقدار اور اندازہ پر مقرر کیے جاتے ہیں جو نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم اور ممکن ہے گیند کا طشتری میں گرنا، ایک دوسری حرکت کا سبب بنا دیا جائے اور یہ حرکت ایک تیسری حرکت کا سبب ہو۔ اسی طرح بہت سے مراتب تک یہ سلسلہ چلا جائے جس سے عجیب عجیب حرکات وقوع پائیں جو محدود و مقرر ہوں اور جن کا سبب

پانی کا بہنا ہو۔

جب تم اس صورت کو سمجھ گئے تو اب اس امر پر غور کرو کہ اس آلہ کے واضع کو تین امور کی ضرورت ہو گی۔

(۱) تدبیر: وہ اس بات کا حکم ہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے کون کون سے آلات واسباب درکار ہوں گے اور کس کس قسم کی حرکات سے کام لینا پڑے گا، اسی کو حکم کہتے ہیں۔

(۲) ان آلات کو مہیا کرنا جو اس کام کے اصول ہیں۔یعنی:

الف: ستون نما آلہ۔جو پانی سے پر کیا جائے۔

ب: مجوف آلہ جو پانی پر رکھا جائے۔

ج: دھاگا جو اس کے ساتھ باندھا جائے۔

د: جس میں گیند رکھا جائے۔

لا: طشتری میں گیند گر کر آواز پیدا کرے۔یہ قضا ہے۔

(۳) وہ سبب قائم کرنا جو اس محدود و مقدر حرکت کے جاری ہونے کا موجب ہو اور وہ ستون نما آلہ کے نیچے کے سوراخ ہے جو ایک خاص معین مقدار سے بنایا جائے جس میں پانی نکلنے سے پانی کی بالائی سطح نیچے اترتی ہے۔اور اس پر تیرنے والا مجوف آلہ لٹک جائے پھر دھاگا تن جائے اور گیند والے ظرف کو حرکت ہو۔اس کے ساتھ ہی گیند طشتری میں آ گرے جس سے ایک آواز پیدا ہو۔حاضرین کے کان کھڑے ہو جائیں اور وہ گھنٹہ ختم ہوتا معلوم کر کے کوئی نماز کو دوڑے، کوئی کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ ہو جائے اور یہ تمام امور ایک خاص مقدار پر قائم کیے جاتے ہیں جو پہلی حرکت کے تابع ہوتی ہے اور یہ حرکت پانی کی ہوتی ہے۔

اب بخوبی سمجھ گئے ہو گے کہ یہ تمام آلات اصول ہیں جن کا ہونا مطلوبہ حرکت کے لیے لازمی ہے اور حرکت کا خاص اندازہ ہونا چاہیے تاکہ اس سے پیدا ہونے والا

نتیجہ خاص انداز سے اور مقدار پر ہو۔

اسی پر قیاس کر کے تم حوادث کے واقع ہونے کا حال سمجھ سکتے ہو جو اپنی میعاد کے تر جانے پر یعنی اپنے سب کے موجود ہونے پر اپنے وقت سے مقدم و موخر نہیں ہوتے اور یہ تمام حوادث اور ان کی میعاد ایک معین و محدود مقدار پر ہوتی ہے۔

"ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیء قدرا"

ترجمہ: "بیشک جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہ اس کو پورا کر کے رہتا ہے (اور) اللہ نے تو ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھیرا ہی رکھا ہے۔"

چنانچہ آسمان، ستارے زمین، سمندر، دریا اور ہوا وغیرہ تمام بڑے بڑے اجسام جو عالم میں موجود ہیں وہ مذکورہ آلات کی مثل ہیں۔ اور آسمان اور چاند، سورج وغیرہ ستاروں کو مناسب حساب کے ساتھ حرکت دینے والا سب اس سوراخ کے مثل ہے، جس سے پانی نکلتا تھا۔ پھر سورج اور چاند وغیرہ کی حرکت کو زمین میں حوادث واقع ہونے کا موجب بنانا ایسا ہے جیسے پانی کی حرکت کو ان حرکات کا موجب بنایا جاتا ہے جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گیند گر پڑتا ہے جو انقضائے ساعت کی خبر دیتا ہے۔

آسمان کی مختلف حرکات زمین میں تغیرات اس طرح واقع کرتی ہیں کہ مثلاً سورج جب اپنی رفتار کے ساتھ مشرق میں پہنچتا ہے تو عالم میں روشنی پھیل جاتی ہے اور لوگوں کو اشیاء عالم کا دیکھنا اور محسوس کرنا میسر ہوتا ہے جس سے ان کو مختلف مشاغل میں مصروف ہونے اور کاروبار کرنے کا موقع ملتا ہے اور جب سورج مغرب میں جا چھپتا ہے تو لوگ کاروبار چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں جب سورج خاص موسم میں آسمان کے عین بیچ میں ہوتا ہے تو ہوا گرم ہو جاتی ہے، تپش بڑھ جاتی ہے اور میوے پک جاتے ہیں جب سورج دوسری فصل میں آسمان کے ایک کنارے پر جا رہتا ہے تو سردی کا موسم آجاتا ہے اور جاڑا پڑنے لگتا ہے۔ جب سورج اوسط درجے پر ہوتا ہے تو موسم معتدل ہو جاتا ہے اور بہار کا موسم آجاتا ہے، نباتات پیدا ہوتی ہیں، سبزیاں اگتی

ہیں۔غرض ان مشہور باتوں سے جو تم کو پہلے ہی معلوم ہیں بہت سی غیر معلوم باتیں دریافت کر سکتے ہو۔

فصلوں کا تمام اختلاف خاص تناسب پر قائم ہے۔ کیونکہ وہ چاند سورج کی حرکات سے وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"والشمس والقمر بحسبان"

ترجمہ: ''سورج اور چاند کی حرکتیں حساب کے موافق ہیں۔''

پس اس تناسب کا قائم کرنا اور اسباب کلیہ کا بنانا قضا ہے۔اور پہلی تدبیر جو چشم زدن میں انجام پاتی ہے، حکم ہے۔اللہ تعالیٰ ان امور کے لحاظ سے باانصاف حکم ہے۔

جس طرح آلہ اور دھاگے اور گیند کی حرکت آلہ بنانے والے کے ارادہ سے خارج نہیں ہے بلکہ اس کی مقصود ہی وہی ہے۔اسی طرح دنیا میں جو اچھے یا برے، مفید یا مضر حوادث واقع ہوتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے خارج نہیں ہوتے، وہ اللہ کی خواہش اور مرضی سے ہوتے ہیں اور اسی لیے اس نے یہ اسباب مہیا کیے ہیں اور یہی معنی ہے اس کے قول کا کہ ''وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ''

عام مثالوں کے ذریعہ سے امور الہٰیہ کا سمجھنا مشکل ہے لیکن اس قسم کی مثالوں سے مراد صرف تنبیہ ہوتی ہے۔لہٰذا مثال کے زیادہ پیچھے نہ پڑو مطلب کی بات کا لحاظ رکھو اور تمثیل وتشبیہ سے بچو۔

تنبیہ:

بندہ کے حصہ میں جو حکمت و تدبیر اور قضا و تقدیر ہے وہ تم مذکورہ مثال سے سمجھ گئے ہوگے۔اور یہ ایک معمولی بات ہے بڑی بات جو بندہ کے حصے میں ہے، وہ ریاضات ومجاہدات کی تدبیر اور سیاسات کی تقدیر ہے، جس سے دین دنیا کی عام بہبودی وابستہ

ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا اور آباد کیا تا کہ وہ دیکھے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں۔

دینی حصہ جو اللہ تعالیٰ کے اس وصف کے مشاہدہ سے بندہ کو حاصل ہوتا ہے یہ ہے کہ وہ یقین رکھے کہ ہر امر پہلے ہی سرانجام ہو چکا ہے۔ اور اس سے گریز کی صورت نہیں۔ ''وقد جف القلم بما هو كائن'' ترجمہ: ''قلم (قدرت) ہونے والی بات کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔'' اور یہ سمجھے کہ اسباب اپنے مسببات کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں اور ان اسباب کا مسببات کو زندگی بخشنا اور میعاد مقررہ تک قائم اور دائم رکھنا واجب اور اٹل ہے۔

پس جو چیز وجود میں داخل ہوتی ہے وہ وجوب میں داخل ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کا موجود ہونا واجب ہو جاتا ہے اگرچہ وہ واجب لذاتہ نہیں ہوتی۔ لیکن قضائے ازلی کی رو سے جو پھر نہیں سکتی واجب ہے۔ اس سے بندہ سمجھ جاتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا گیا ہے وہ ضرور ہی ہونے والا ہے غم والم محض زائد ہے اور وہ طلب رزق میں مطمئن، تسلی یافتہ اور غیر مضطرب ہوگا۔

سوال:

اس بیان پر دو اعتراض لازم آتے ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ غم والم، زائد کیونکر ہو سکتا ہے کیا وہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا نہیں ہے؟ اس کا بھی تو سبب ہے جب یہ سبب جاری ہوتا ہے تو غم والم کا عارض ہونا واجب ہو جاتا ہے۔

(۲) یہ کہ جب ہر امر پہلے ہی سرانجام کو پہنچ چکا ہے تو پھر فعل وعمل کس لیے کیا جاتا ہے، وہ سعادت یا شقاوت کے سبب سے فارغ ہو چکا ہے؟

جواب:

پہلے اعتراض کا یہ ہے کہ جو کہا جاتا ہے کہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ ضرور ہوگا۔ اب

غم زائد ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تقدیر پر زائد اور اس سے خارج ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ فضول اور لغو ہے کچھ فائدہ نہیں دیتا، کیونکہ وہ تقدیر کو دفع نہیں کر سکتا۔ جو امر ہونے والا ہے اس کا غم کرنا خالص جہل پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر اس امر کا ہونا تقدیر میں لکھا ہے تو اس سے ڈرنا اور غم کرنا اس کو دفع نہیں کر سکتا۔ اور وہ ایک طرح مصیبت کے خوف سے قبل از وقت اپنے آپ پر مصیبت نازل کر لینا ہے۔ اور اگر اس کا ہونا مقدر نہیں ہے تو غم کے کیا معنی۔ غرض ان دونوں صورتوں سے غم زائد ہے۔

عمل و فعل کے متعلق خود حضور نبی کریم ﷺ کا یہ قول جواب ہے کہ ''اعملوا **فکل میسر لما خلق له**'' جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے لیے سعادت مقدر ہے وہ کسی سبب کے ساتھ مقدر ہے تو اس کا سبب اس کو میسر ہو جاتا ہے۔ اور وہ طاعت ہے اور جس شخص کے لیے بدبختی مقدر ہے، وہ بھی کسی نہ کسی سبب سے مقدر ہے اور وہ یہ کہ وہ اسباب سعادت پر کاربند ہونے میں سستی کرتا ہے۔ اور کبھی اس سستی کا باعث یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ اگر میں خوش قسمت ہوں تو عمل کی ضرورت نہیں۔ اور اگر بدبخت ہوں تو عمل سے کوئی فائدہ نہیں اور یہ جہل ہے کیونکہ وہ اتنا نہیں سمجھتا کہ اگر خوش قسمت ہوا تو اسی لیے خوش قسمت ہوگا کہ وہ خوش قسمتی کے اسباب یعنی علم و عمل پر چلتا ہے۔ اگر یہ اسباب اس کو میسر نہ ہونے اور وہ ان پر نہ چلا تو یہ اس کی بدبختی کی نشانی ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص فقیہ بننے کی تمنا کرتا ہے۔ جو امامت کے درجہ کو پہنچا ہوا ہو۔ تو یہ مشورہ دیا جائے گا کہ علم پڑھو خوب کوشش اور لگاتار محنت کیے جاؤ۔ اور وہ کہے اللہ نے ازل میں میری امامت کا درجہ لکھ دیا ہے تو میں اس کوشش کا محتاج نہیں ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لیے جہل کا فیصلہ کر دیا ہے تو میری کوشش سے کیا ہو سکتا ہے تو اس کو یہی کہنا پڑے گا کہ اگر تیرے دل میں یہ خیال جاگزین ہو گیا ہے تو یقیناً تیرے لیے ازل ہی سے جہل کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ جو ازل سے امام لکھا گیا ہے،

اس کے لیے اسباب بھی مہیا ہوتے ہیں اور وہ ان اسباب کو کام میں لاتا ہے اور وہ ایسے بیہودہ خیالات اور وساوس کو دور کرتا رہتا ہے جو اس کو سستی اور ناکارہ پن پر آمادہ کرتے رہتے ہیں بلکہ جو شخص کوشش نہیں کرتا، وہ قطعاً امامت کا درجہ نہیں پاتا اور جو شخص کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے کامیابی کے اسباب میسر ہو جاتے ہیں، اس کے حصول غرض کی سچی ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ وہ برابر اپنی کوشش پر قائم رہے اور کوئی مانع ایسا پیش نہ آئے جو اس کی رفتار کو روک دے۔

اس لحاظ سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ سعادت اس شخص کا حصہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم عطا کیا ہے۔ اور سلامت قلب ایک ایسی صفت ہے جو کوشش سے حاصل کی جاتی ہے۔ جس طرح فقہ نفس اور رفقہ امامت کوشش سے حاصل کی جاتی ہے، کچھ بھی فرق نہیں۔ ہاں مشاہدہ حکم میں بندوں کے مختلف درجے ہیں۔ بعض خاتمہ کو دیکھتے ہیں کہ ان کا انجام کس حالت پر ہوتا ہے اور بعض ابتدا کا لحاظ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں کیا لکھ دیا ہے اور یہ لوگ اعلیٰ درجہ پر ہیں کیونکہ خاتمہ ابتدا کے تابع ہے۔ بعض ماضی و مستقبل دونوں سے دست بردار ہیں، وہ ابن الوقت ہیں۔ یہ لوگ موجودہ حالت کا لحاظ کرتے ہیں اور خدا کی تقدیر کے مواقع پر راضی ہیں۔ وہ پہلے سارے لوگوں سے افضل ہیں۔ بعض حال، ماضی، استقبال سب سے کنارہ کش ہیں ان کا دل حکم میں مستغرق اور شہود میں مصروف ہے یہ درجہ سب سے بالاتر ہے۔

فوائد:

اس اسم میں صفات ہائے عجیب وغریب ہیں، کوئی مہم پیش آئے، قید و مجبوری، قرض وغربت، تنگی معیشت و دور اندیشی یا مشل اسکے، تو اس اسم کا ورد کرے۔
شیخ بونی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اس اسم کو کثرت سے پڑھتا ہے اس پر امور حقیقیہ اور مواہب الٰہیہ کھول دیئے جاتے ہیں اور اگر کوئی اس اسم کے اعداد کے موافق روزانہ بعد ہر نماز کے پڑھے تو پروردگار عالم، فہم و حکمت عطا فرمائے گا اور اس

مشکل کو سلجھانے میں دشواری نہ ہوگی۔ (تنویر)

اس اسم کا عامل جس مشورے میں شریک ہو بہتر اور مفید رائے دے گا اور اس کی رائے علم وحکمت فہم ودانش پر مبنی ہوگی جس مشکل کا حل بڑے بڑے مفکر اور اہل دانش نہ نکال سکے ہوں اس کا حل اس کا عامل تلاش کرے گا، اس لیے حکیم وڈاکٹر اور وکیلوں کیلئے اس اسم اعظم کی تلاوت مفید ہے۔

اَلْعَدَلُ

(منصف، یعنی فیصلہ میں ظلم نہ کرنے والا)

شرح: عدل کے معنی عادل۔ اور یہ وہ ذات ہے جس سے عدل کا فعل صادر ہو جو ظلم وستم کے خلاف ہے۔ وہ شخص عادل کو نہیں پہچان سکتا، اس کے عدل کو نہیں پہچانتا لہٰذا جو شخص اس وصف کو معلوم کرنا چاہے اس کو چاہیے کہ حتی المقدور اللہ تعالیٰ کے تمام افعال کا (جو بالائے آسمان سے لے کر زیر زمین تک تعلق رکھتے ہیں) علم حاصل کرے حتی کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی آفرینش میں باوجود اپنے مکرر اور سہ کرر غور وفکر کے کسی قسم کی کجی اور قصور نہ پائے گا تو بارگاہ رب العزت کی شان وعظمت اس کو دم بخود بنادے گی۔ اور اس ے کاموں کا اعتدال وانتظام اس کو حیران کردے گا۔ اس وقت عدل خداوندی کے معانی کا کوئی حصہ اس کے ذہن میں آسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کی جسمانی روحانی اور کامل وناقص موجودات بنائی ہیں۔ اور ہر شے کو اس کی آفرینش عطا کی ہے۔ اس لحاظ سے وہ جواد (عالی حوصلہ) ہے اور اس نے ہر چیز کو اس کی مناسب ترتیب میں رکھا ہے۔ اس لحاظ سے وہ عدل ہے۔

چنانچہ عالم کے بڑے بڑے اجسام زمین، پانی، ہوا، آسمان اور ستارے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کر کے ایک مناسب ترتیب دی ہے۔

زمین کو سب سے نیچے رکھا ہے اس پر پانی کو جگہ دی ہے پھر پانی پر ہوا کا مقام بنایا

ہے اور ہوا پر آسمان قائم کیے ہیں اگر اس ترتیب کو الٹ دیا جائے تو سارا نظام باطل ہو جائے۔ شاید یہ عدل و نظام کے لیے اس ترتیب کے مناسب ہونے کی شرح اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے لہٰذا ہم عام لوگوں کے فہم وادراک کا لحاظ رکھ کر کہتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ اپنے بدن کے متعلق غور کرے، جو مختلف اعضاء سے مرکب ہے۔ جیسا کہ عالم کا بدن مختلف اجسام سے مرکب ہے۔ انسانی بدن کو پہلے تو خدا نے ہڈی گوشت اور چمڑے سے مرکب کیا ہے ہڈیوں کو کھوکھلے ستون بنایا ہے اور گوشت کو ان کا غلاف بنایا ہے اور چمڑے کو گوشت کا غلاف قرار دیا ہے اگر یہ ترتیب بالعکس ہو جائے اور اندر کی چیز باہر رکھی جائے تو سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔

اگر یہ بات بھی تمہارے نزدیک باریک ہے تو ایک اور مثال سنو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے مختلف اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، ناک اور کان پیدا کیے ہیں۔ تو وہ ان اعضاء کے پیدا کرنے میں تو جواد ہے اور ان کو خاص مقامات پر رکھنے میں عدل ہے۔ مثلاً آنکھ کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو اس کے لیے بدن میں تمام مقامات کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے کیونکہ اگر اس کو گدی پر یا پاؤں پر یا ہاتھ پر یا کھوپری پر بنایا ہوتا تو جس قدر اس کے نقصان کا اندیشہ تھا وہ مخفی نہیں اور اسی طرح اس نے ہاتھوں کو کندھوں سے معلق کیا ہے اگر ان کو سر کے ساتھ یا پسلیوں کے ساتھ یا گھٹنوں پر لگا دیتا تو اس سے جو خلل آتا، وہ محتاج دلیل نہیں۔ اسی طرح اس نے تمام حواس سر میں جمع کیے ہیں کیونکہ وہ جاسوس ہیں ان کا تمام بدن سے بلند مقام پر ہونا ضروری تھا اگر ان کو پاؤں پر رکھا ہوتا تو قطعاً ان کا نظام خلل پذیر ہو جاتا۔ اس امر کی تفصیل ہر عضو کے متعلق کی جائے تو یہ بیان بہت لمبا ہو جائے گا۔ بالاجمال اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے جو چیز جس مقام پر پیدا کی ہے وہ اسی جگہ کیلئے مناسب ہے۔ اگر اس جگہ سے دائیں طرف یا بائیں طرف یا اوپر یا نیچے بنائی جاتی تو ناقص یا باطل یا خراب یا بدنما اور غیر متناسب ہوتی۔ ناک کو چہرہ کے وسط میں پیدا کیا ہے اگر اس کو ماتھے میں یا ایک

رخسارہ میں بنایا ہوتا تو اس کے موجودہ فوائد میں ضرور کمی آ جاتی اور تجھے اس کی حکمت کا بخوبی پتہ لگ جاتا۔

تجھے معلوم ہو کہ سورج کو جو اللہ تعالیٰ نے چوتھے آسمان پر بنایا ہے تو یہ کوئی لغو بات نہیں ہے بلکہ اس نے بجا کیا ہے اور اس کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو اس کے مقاصد حاصل ہونے کے لیے مناسب ہے مگر تم اس کی حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ کیونکہ تم کو عالم بالا اور عالم سفلی کے آگے تمہارے بدن کے عجائبات ہیچ ہیں اور کیوں نہ ہو جبکہ آسمان و زمین کی آفرنیش لوگوں کی آفرنیش سے بڑی ہے۔ کاش کہ تم کو اتنی توفیق ہوتی کہ اپنے نفس کی عجائبات کو سمجھتے اور اس میں اور اس کے اردگرد کے اجسام میں غور کرنے سے فراغت پاتے تا کہ اس زمرہ میں شریک ہو جاتے جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''**سنریهم ایاتنا فی الافاق وفی انفسهم**'' ترجمہ: ''عنقریب ہم ان کو اپنے نشان زمانے میں اور خود ان کے نفسوں میں دکھائیں گے۔''

یہ مرتبہ تو تم کو کہاں نصیب ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں میں شامل ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"وکذلك نری ابراهیم ملکوت السموت والارض و لیکون من الموقنین"

ترجمہ: ''اس طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کے عجائبات دکھاتے ہیں تا کہ وہ ارباب یقین میں شامل ہو جائے۔''

اور اس شخص کے لیے آسمانوں کے دروازے کیونکر کھولے جائیں گے جس کو دنیا کے فکر و تردد نے اپنے دھندوں میں غرق کر رکھا ہو اور حرص و ہوا نے اپنا غلام بنالیا ہے۔

الغرض یہ بیان اس اکیلے اسم کی راہ معرفت کی پہلی منزل دکھانے کے لیے ایک اشارہ تھا اس کی پوری پوری شرح کے لیے کئی بڑے دفتر درکار ہوں گے۔ اور اسی طرح ہر اسم کے معنی کی شرح کیونکہ تمام اسماء افعال سے مشتق ہیں جن کا سمجھنا افعال اور ان

اشیاء کے سمجھنے پر موقوف ہے جو اللہ تعالیٰ کے افعال سے موجود ہیں۔ اور جو شخص ان کا مجمل یا مفصل علم نہیں رکھتا۔ پس اس کے پاس ان کے متعلق محض تفسیر ولغت کے سوا اور کچھ نہیں ان کا مفصل علم تو حاصل ہو نہیں سکتا کیونکہ اس کی کوئی انتہا نہیں رہا بالا جمال علم، سو وہ مقدور بھر حاصل ہو سکتا ہے اور اسی پیمانہ پر بندہ کو اسماء کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اتنی معرفت بھی تمام علوم کو حاوی ہے۔ اس قسم کی کتاب سے مدعا یہ ہے کہ اس کی ابتدائی اور موٹی موٹی باتوں کی طرف اشارہ کیا جائے۔ بس۔

تنبیہ:

عدل سے بندہ کا جو حصہ ہے وہ مخفی نہیں اپنی صفات کو اعتدال پر لانے کا پہلا حق یہ ہے کہ شہوت اور غضب کو عقل و دین کے ارشاد پابند بنائے۔ اور اگر اس نے عقل کو شہوت اور غضب کا خادم بنا دیا تو وہ ظلم کا مرتکب ہوگا یہ تو اپنے نفس کے متعلق عدل کا خلاصہ تھا اور اس کی تفصیل تمام حدود شرع کی رعایت ہے۔ اور ہر عضو کے متعلق عدل یہ ہے کہ ان کو ایسے کاموں میں استعمال کرے، جن کی شریعت نے اجازت دی ہے اور اپنے عیال و اولاد کے متعلق اور اگر رئیس ہے تو اپنی رعیت کے متعلق جو عدل چاہیے وہ ظاہر ہے۔

لوگ خیال کیا کرتے ہیں کہ ظلم ایذا ہے اور عدل لوگوں کے حق میں نفع رسانی ہے لیکن حقیقت میں یہ درست نہیں۔ بلکہ اگر کوئی بادشاہ ہتھیاروں، کتابوں اور اموال سے بھرا ہوا خزانہ کھولے اور اموال تو غنی لوگوں کو دے ڈالے، اسلحہ اہل علم کے حوالہ کرے اور ان کو قلعوں کی کنجیاں دیدے، کتابیں فوجی لوگوں کو بخش دے اور ساتھ ہی مسجدیں ان کے حوالہ کر دے تو اس نے نفع تو پہنچایا لیکن اس نے ظلم بھی کیا اور عدل سے کنارہ کشی کی کیونکہ ہر ایک چیز کو اس کے غیر مناسب مقام میں استعمال کیا۔ اور اگر مریض کو دوائیں پلانے، پچھنے لگانے اور فصد کھولنے میں ایذا دی اور جبر کیا اور مجرموں کو مارنے، ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنے اور قتل کر ڈالنے کی سزا دی تو وہ عادل سمجھا جائے

گا۔ کیونکہ ہر امر کو اس کے مناسب مقام میں رکھا ہے۔

دین کی جہت سے اس وصف کے مشاہدہ میں بندہ کا حصہ اس بات کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اس کی تدبیر اور حکم اور تمام افعال کے متعلق اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ وہ بندہ کی مراد کے موافق ہوں یا نہ ہوں کیونکہ یہ ساری باتیں انصاف ہیں قبول ہوگی۔ اور ویسی ہی ہیں جیسی چاہئیں۔ اگر وہ اس کام کو نہ کرتا جو اس نے کیا ہے تو اس سے کوئی اور خرابی پیدا ہو جاتی جو اس سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوتی۔ جیسا کہ اگر مریض کو پچھنے نہ لگوائے جائیں تو ایسا نقصان پہنچے جو پچھنوں کی رو سے زیادہ تکلیف دہ ہو۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ عادل ہے اور اس بات پر ایمان لانا تمام ظاہری و باطنی انکار و اعتراض کی جڑ کاٹ ڈالتا ہے۔

زمانہ کو برا بھلا نہ کہنا چاہیے اور نہ اشیاء کو فلک سے منسوب کرنا چاہیے اور نہ اس پر اعتراص کرنا چاہیے، جیسے عام لوگوں کی عادت ہے بلکہ یہ سمجھے کہ یہ تمام اسباب اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اور سب کے سب ایک مناسب ترتیب سے اپنے مسببات کے ساتھ مرتب ہیں اور ان کی ترتیب اعلیٰ درجہ کے عدل و لطف پر مبنی ہے۔

فوائد:

جو مرد مومن قبر و حشر کی ہولناکیوں سے ڈرتا ہو اور یہ خوف ہو کہ میرے ماتحت اور محکوم افراد کو میری ذات سے کوئی اذیت یا دکھ پہنچ گیا تو قبر و قیامت میں اس کی سزا کیا ہوگی۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ میں اپنے رحم و کرم سے اپنے قصور تو معاف فرما دوں گا مگر میرے کسی بندے کے حقوق کسی پر ہوں تو وہ میں معاف نہ کروں گا وہ بندہ خود معاف کر دے تو اسے اختیار ہے، لہٰذا آخرت کی باز پرس سے ڈرنے والے، افسران، مجسٹریٹ، جج اور کارخانوں کے منیجر و مالکان وغیرہ کو اس اسم کا ورد کرنا چاہیے۔ ''یَا عَادِلُ'' کے عدد ایک سو پانچ (۱۰۵) ان اعداد کو چار سے اور ''یَا عَادِلُ'' کے ایک سو چار (۱۰۴) اعداد کو تین (۳) سے ضرب دے کر پڑھے تو اللہ تعالیٰ اپنی

صفت عدل کا پرت اس پر ڈل دے گا، اگر ہر شب جمعہ کو اکیس (۲۱) روٹی کے ٹکڑوں پر تحریر کر کے کھائے تو نور ایمان زیادہ ہوگا، خامیاں اور برائیاں دور ہوں گی، اگر بعد نماز صبح بغیر کسی سے بات کیے پانچ ہزار تین سو سولہ مرتبہ پڑھے تو پروردگار عالم تمام ظالمان کو دفع فرمائے گا اور امن وسکون حاصل ہوگا اور نماز سے پہلے چار مرتبہ "العدل" کہے تو دعا قبول ہوگی۔ (تنویر)

جو شخص بروز جمعۃ المبارک روٹی کے ۲۰ ٹکروں پر لکھ کر کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے مخلوق کو مسخر کر دے گا۔ (ظفر جلیل)

اَللَّطِیْفُ

(باریک بین)

شرح: اس اسم کی مستحق وہ ذات ہے جو مصلحتوں کی باریک باریک باتیں جانے اور ان کو ان کے مستحق کی طرف سختی سے نہیں بلکہ نرمی سے پہنچائے۔ جب فعل میں نرمی اور علم میں باریک بینی جمع ہو جائے۔ تو لطف کے معنی پورے ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا کمال علم وعمل میں خاص اللہ تعالیٰ کے لیے متصور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا باریک اور دقیق باتوں پر جس قدر احاطہ ہے اس کی تفصیل ہو نہیں سکتی بلکہ ہر مخفی بات اس کے علم میں ویسی ہی ظاہر ہے، جیسے کھلی بات کچھ بھی فرق نہیں۔ افعال میں اس کی نرمی اور مہربانی بھی شمار میں نہیں آ سکتی کیونکہ فعل کی مہربانی کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کے تمام افعال کی تفصیل بھی جانتا ہو اور اس میں مہربانی کے نکتے سمجھتا ہو، جس قدر وہ ان کو جانتا ہوگا اسی قدر وہ اسم لطیف کے معنی سمجھتا ہوگا۔ اس ت کی شرح بڑا طول چاہتی ہے اور امید نہیں کہ کئی دفتر اس کے دسویں حصے کو بھی کافی ہو سکیں۔ ہاں اس کی بعض باتوں کا اشارہ کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بے انتہا لطفوں میں سے ایک لطف یہ ہے کہ وہ جنین کو ماں کے

پیٹ میں پیدا کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے اور ناف کے ذریعے غذا پہنچاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ متولد ہوتا ہے تو منہ سے کھانے لگتا ہے۔ پیدائش کے وقت اللہ تعالیٰ اس کو سکھا دیتا ہے کہ پستان کو منہ میں پکڑے اور چوسے خواہ رات کا اندھیرا ہو نہ اور کوئی اس کو سکھاتا ہے اور نہ وہ کسی کو اس طرح کرتے دیکھتا ہے بلکہ وہ انڈے کو توڑ کر چوزہ نکالتا ہے اور اس کو دانے چگنے سکھاتا ہے۔ پھر یہ کہ وہ اس کے پیدا ہونے کے وقت دانت نہیں بناتا کیونکہ ابھی دودھ پینے کی عمر میں دانتوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پھر جب اس کے بعد طعام چبانے کے لیے دانتوں کی ضرورت پڑتی ہے، تو دانت اگاتا ہے وہ یہ کہ وہ کئی طرح کے دانت بناتا ہے۔ ایک ڈاڑھیں ہیں جو طعام کو پیسنے کے لیے ہیں اور ایک کچلیاں ہیں جو توڑنے کی غرض سے ہیں اور ایک سامنے کے دانت ہیں جو کاٹنے کی خاطر ہیں پھر یہ کہ وہ زبان کو جس سے ظاہری غرض کلام ہے طعام کو دانتوں کی چکی میں ڈالنے کے کام پر مامور کرتا ہے۔

ایک لقمہ کے میسر ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا مفصل ذکر کیا جائے جو بندہ کو بلا مشقت ہاتھ آتا ہے اور جس کی اصلاح اور تکمیل میں ایک مخلوق نے جس کا شمار نہیں ہوسکتا مدد دی ہے۔ کسی نے زمین کو درست کیا، کسی نے بیج بویا، کسی نے سینچا، کسی نے فصل کو کاٹا، کسی نے کھلیان سے غلہ نکالا، کسی نے اس اس کو پیسا، کسی نے گوندھا، کسی نے پکایا، وغیرہ وغیرہ تو اس کی تفصیل اختتام کو نہ پہنچی۔

الغرض اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ اس نے امور کی تدبیر کی ہے **حکم** ہے اور اس حیثیت سے کہ ان کو ایجاد کیا جواد ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ ان کو ترتیب دی مصور ہے اور اس حیثیت سے کہ ہر چیز کو اس کے مقام مناسب میں رکھا ہے **عدل** ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ اس میں نرمی کے وجوہ کی کوئی باریکی نہیں چھوڑی **لطیف** ہے۔ اور جو شخص ان افعال کی حقیقت نہیں سمجھتا وہ ان اسما کی حقیقت بھی نہیں سمجھ سکتا۔

بندوں پر اس کا ایک لطف یہ ہے کہ اس نے ان کو کفایت سے زیادہ توفیق دی

ہے اور طاقت سے کم مجبور کیا ہے۔

ایک لطف یہ ہے کہ تھوڑی سی بہت یعنی دنیوں عمر میں خفیف کوشش کرنے پر ان کو ابدی سعادت حاصل کرنے کی توفیق دی ہے۔ کیونکہ اس عمر کو ابد کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں۔

ایک لطف یہ ہے کہ وہ لید اور خون میں سے صاف دودھ، اور سخت پتھروں سے نفیس جواہر، اور مکھی سے شہد، اور کیڑے سے ریشم، اور سیپ سے موتی پیدا کرتا ہے۔
ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ انسان کو گندے نطفے سے پیدا کر کے اس کو اپنی معرفت کا خزانہ، اپنی امانت کا حامل، اور آسمانوں کے عجائبات کا نظارہ دیکھنے والا بناتا ہے، اور یہ بھی وہ لطف ہے جو شمار میں نہیں آسکتا۔

تنبیہ:

اس وصف سے بندے کا خاص حصہ یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے اور سعادت آخرت کی ہدایت کرنے میں ان کے ساتھ نرمی کرے۔ بلا اس کے کہ تحقیر، سختی، لڑائی اور تعصب کرے۔
سب سے اچھا لطف جس میں قبول حق کی ایک کشش موجود ہوتی ہے۔ وہ پاک عادات اچھے خصائل اور نیک اعمال ہیں۔ کیونکہ چکنی چپڑی باتوں کی نسبت یہ امور زیادہ موثر اور پر لطف ہوتے ہیں۔

فوائد:

اس اسم یَا لَطِیْفُ کی برکت سے اللہ تعالیٰ طالبان کو علم عنایت فرماتا ہے اور عابدین ومومنین کے اعمال کو اس کے صدقہ میں ملائکہ آسمان پر لے جاتے ہیں جو شخص اس اسم کی کثرت کرے، اس کو چاہیے کہ خلق خدا سے بہ لطف وشفقت پیش آئے تاکہ اللہ تعالیٰ ذاکر کو مظہر لطف بنادے۔ (تنویر)

جو ملازمت یا روزگار سے محروم ہو یا فقر و فاقہ میں مبتلا ہو، یا کم آمدنی کی وجہ سے پریشانی ہو یا بوجہ غربت کوئی مونس نہیں یا بیمار ہے اور غمخوار نہیں یا لڑکیاں ہیں اور شادی نہیں ہوتی یا کثیر العیال ہے تو وضو کامل کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے اور اس اسم کو حصول مقصد کیلئے سو بار پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے کام کو سرانجام فرمائے گا۔ انشاء اللہ العزیز (ظفر جلیل)

اَلْخَبِیْرُ

(آگاہ، دانا، عالم، عارف)

شرح: خَبِیْرُ وہ ہے، جس سے کوئی باطنی خبر مخفی نہیں عالم سفلی اور عالم بالا میں کوئی ت ہو۔ کوئی ذرہ حرکت کرے، یا ساکن ہو، کوئی جان بیقرار ہو، یا مطمئن ہو، اس کو ہر بات کی خبر ہوتی ہے اور معنی کے رو سے علیم ہے لیکن علم کو جب باطنی بھیدوں سے منسوب کیا جائے تو وہ خبرۃ کہلاتا ہے خبرۃ والے خَبِیْرُ کہتے ہیں۔

تنبیہ:

اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ ہر بات سے جو اس کے اپنے بدن اور قلب کے عالم میں جاری ہوتی ہو، خبر رکھتا ہو۔ دل جن چھپی ڈھکی برائیوں سے متصف ہو جاتا ہے مثلاً بد باطنی، خیانت، دنیائے دون کے لیے ہر وقت مارے مارے پھرنا، برائی کی نیت رکھنا اور بھلائی ظاہر کرنا، اخلاص ظاہر کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دینا، اور اندر کچھ بھی نہ ہونا، ان کو پوری خبرت والا آدمی ہی معلوم کرتا ہے جو اپنے نفس کا خوب امتحان لیتا رہا ہو۔ اور اس کے مکر و تلبیس اور فریب کو اچھی طرح جانتا رہا ہو اور اس کے مقابلہ اور مخالفت کے لیے کمربستہ ہو جائے اور اس سے بچنے لگے، ایسا بندہ خبیر کہلانے کا پورا مستحق ہے۔

فوائد:

اس اسم کا عامل عالم خواب و بیداری میں پوشیدہ حالات سے باخبر ہو جاتا ہے۔ (تنویر)

"یا علیم علیمنی یا رشید ارشدنی یا خبیر اخبرنی"

یعنی دو رکعت نماز ادا کرے اور اس کا ثواب سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی روح پاک کو بخشے اور نماز ۱۲۱ بار یہ عزیمت پڑھے جو معلوم کرنا ہو عالم خواب یا نیم خوابا، نیم بیداری یا عالم بیداری میں دیکھ لے۔ جو شخص اپنے نفس کے تابع ہو چکا ہو اور احکام الٰہی سے غافل ہو اس اسم کو کثرت سے پڑھے نیکوکار ہو جائے گا۔ (ظفر جلیل)

اَلْحَلِیْمُ

شرح: حلیم وہ ذات ہے جو نافرمان لوگوں کی نافرمانی اور اپنے حکم کی مخالفت ہوتے دیکھے۔ پھر بھی وہ غضب میں بے قرار نہ ہو۔ نہ اس کو غصہ عارض ہو اور باوجود پورے اقتدار کے وہ بے حوصلگی کے ساتھ انتقام لینے میں جلدی نہ کرے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا مَا مِنْ دَابَّةٍ

ترجمہ: ''اور اگر خدا لوگوں کی بداعمالیوں پر گرفت کرنے لگے۔ تو روئے زمین پر کسی جاندار کو زندہ نہ چھوڑے۔''

تنبیہ:

حلیم کے وصف سے بندہ کا حصہ ظاہر ہی ہے اتنا سمجھ لو کہ حلم بندوں کے اچھے فضائل میں سے ہے جو شرح و تفصیل کا محتاج نہیں۔

فوائد:

اہل تحقیق نے فرمایا ہے کہ اسم کی برکت سے مخلوق کا آب و تمام مرتب کیا گیا ہے

اور اسی کی برکت سے عالم قائم ہے۔ اگر کوئی ۸۸۳ بار روزانہ تلاوت کرے تو مخلوق مہربان ہوگی۔ (تنویر) اس اسم کو کاغذ پر لکھ کر پانی سے دھو کر وقت آبپاشی کھیت میں چھڑکے، زراعت میں برکت ہوگی اور کھیتی آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رہے گی۔ (ظفر جلیل)

شیخ حاجی ناصر الدین اور شیخ عبدالمجید مغربی رضی اللہ عنہم متفق ہیں کہ اگر بیمار کے سرہانے ایک بار سورۂ فاتحہ اور دس بار "یا حلیم" پڑھے تو مرض کے ہیجان اور شدت میں فوراً تخفیف ہوگی اور مریض شفایاب ہوگا (انشاء اللہ)۔ (تنویر)

اَلْعَظِیْمُ

(بزرگ، بڑا)

شرح: واضح ہو کہ **عظیم** کا اسم اپنی وضع اول میں اجسام پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ یہ جسم **عظیم** ہے۔ اور جب ایک جسم دوسرے جسم سے طول و عرض اور عمق میں زیادہ بڑا ہو تو کہتے ہیں یہ جسم اس جس سے **اعظم** ہے۔

اسم **عظیم** دو قسم کی اشیاء پر بولا جاتا ہے۔ ایک تو وہ شے جو ساری کی ساری نظر آ جاتی ہے۔ دوسری وہ جس پر پورے طور سے نگاہ کا محیط اور حاوی ہونا متصور نہ ہو سکے جیسے زمین، آسمان وغیرہ۔ دیکھو ہاتھی ایک عظیم مخلوق ہے۔ پہاڑ بھی ایک عظیم شے ہے۔ لیکن یہ چیزیں نگاہ میں پوری سما سکتی ہیں لہٰذا وہ اپنے نیچے کی اشیاء کی بہ نسبت عظیم ہیں اور زمین کی نسبت یہ امر متصور ہی نہیں ہو سکتا کہ نگاہ ہر سمت سے اس پر حاوی ہو سکے یہی حال آسمان کا ہے پس یہ چیزیں مدرکات بصر میں مطلقاً عظیم ہیں۔

مدرکات بصیرت (جو باتیں عقل میں آ سکتی ہیں) میں بڑا تفاوت ہے۔ بعض کی کنہ و حقیقت پر عقل محیط ہو سکتی ہے اور بعض پر محیط ہونے سے قاصر ہے۔ جن اشیاء کی

کنہ و حقیقت پر محیط ہونے سے عقل قاصر ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں: (۱) تو وہ جن پر بعض عقول کا حاوی ہونا متصور ہو سکے اگر چہ اکثر عقول ان سے قاصر ہوں۔

(۲) وہ جن کا عقل کے احاطہ میں آنا حقیقۃً کسی طرح متصور ہو ہی نہ سکے۔ اور یہ وہ عظیم مطلق ہے جو تمام عقول کی حدود سے بڑھا ہوا ہے یہاں تک کہ اس کی حقیقت اور بھید کو پانا تصور میں آ سکتا ہی نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اس کا بیان فن اول میں گذر چکا ہے۔

تنبیہ:

بندوں میں سے **عظیم** انبیاء علماء ہیں۔ جن کی تھوڑی سی صفات کا بھی اگر کوئی عقلمند تصور کرتا ہے تو ہیبت و رعب سے اس کا سینہ پھر جاتا ہے اور دل ان کی عظمت کے خیال کے سوا اور کسی بات کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس لحاظ سے ہر نبی اپنی امت کے حق میں اور شیخ اپنے مرید کے حق میں اور استاد اپنے شاگرد کے حق میں **عظیم** ہے۔ کیونکہ عقل اس کی صفات کے احاطہ سے قاصر ہے۔ تو اگر وہ اس کے برابر ہو جائے یا اس سے بڑھ جائے تو بھی اس کی طرف اضافت کرنے سے **عظیم** نہیں کہلائے گا۔ جو عظیم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کیلئے فرض کیا جائے وہ ناقص ہے ایسا عظیم، عظیم مطلق نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی عظمت ایک شے چھوڑ کر دوسری شے کی طرف اضافت کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ بخلاف اللہ تعالیٰ کی عظمت کیونکہ وہ عظیم مطلق ہے بطریق اضافت عظیم نہیں۔

فوائد:

شیخ مغرب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اس اسم کا ذاکر جس کی جانب نگاہ اٹھائے گا وہ بیساختہ تعظیم کیلئے کھڑا ہو جائے گا۔ (تنویر)

جس شخص کو لوگ بہ نظر حقارت دیکھتے ہیں بوجہ غربت و افلاس، تنگی رزق و بیروزگاری یا جو شخص اپنے علم اور خاندانی افتخار کے مطابق عہدہ یا ملازمت حاصل کرنے

میں ناکام رہے وہ شرف آفتاب نقش مربع چاندی پر کنندہ کرا کے انگشتری میں رکھے اور اس اسم کا ورد کرے معظم و مکرم ہوگا۔

اَلْغَفُوْرُ

(بہت بخشنے والا)

شرح: یہ اسم غفار کا ہم معنی ہے لیکن اس میں ایک قسم کا مبالغہ پایا جاتا ہے جو غفار میں نہیں کیونکہ غفار کا مبالغہ متکرر مغفرت کے لحاظ سے ہے چنانچہ فعال کا صیغہ کثرت فعل پر دال ہے۔ اور فعول کا صیغہ فعل کی عمدگی اور کمال اور وسعت پر دلالت کرتا ہے پس وہ غفور ہے۔ بایں معنی کہ وہ پوری اور مکمل غفران والا ہے حتی کہ وہ مغفرت کے انتہائی درجوں کو پہنچا ہوا ہے اس کے متعلق بھی پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔

اَلشَّکُوْرُ

شرح: شَکُوْرُ وہ ہے، جو تھوڑی سی طاعات کے عوض میں بہت سے درجے عطا فرماتا ہے اور چند روزہ اعمال کے بدلے آخرت میں غیر محدود نعمتیں عطا کرتا ہے اور جو کوئی نیکی کا کئی گنا عوض دے اس کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ اس نے اس نیکی کا شکر کیا۔ اور جو کوئی محسن کی تعریف کرے، اس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے محسن کا شکریہ ادا کیا۔

اگر عوض و جزا کی زیادتی کے معنی کا لحاظ کرو تو اللہ تعالیٰ کے سوا شَکُوْرُ مطلق کوئی نہیں کیونکہ وہ عوض میں جس قدر زیادہ دیتا ہے اس کا شمار حصر نہیں ہے۔ دیکھو جنت کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ۔"

ترجمہ: ''خوب مزے کے ساتھ کھاؤ پیو بعوض ان عملوں کے جو تم نے گذشتہ دنوں میں کیے۔''

اور اگر تم تعریف کے معنی کا لحاظ کرو تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی تعریف کرنے والے کی تعریف خدا ہی کی تعریف بن جاتی ہے۔ اور پروردگار عالم جب اپنے بندوں کے اعمال کی تعریف کرتا ہے تو اپنے ہی فعل کی تعریف کرتا ہے کیونکہ ان کے اعمال اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اگر وہ شخص شکور کہلا سکتا ہے جس کو کچھ ملے اور شکر کرے، تو وہ ذات جو بندہ کو عطا بھی کرے اور بندہ ہی کا شکریہ ادا کرے وہ تو شَکُوْرٌ کہلانے ہی نہایت ہی حق دار ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی جو تعریف کرتا ہے۔ وہ اس کی ہے جیسے:

''وَالذّٰاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْراً وَّالذّٰکِرَاتِ۔''

ترجمہ: ''اور یاد کرنے والے اللہ کو بہت اور یاد کرنے والیاں''

اور فرماتا ہے:

''نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗ اَوَّاب۔''

ترجمہ: ''کیا اچھے بندے تھے رجوع کرتے تھے۔''

اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔

تنبیہ:

بندہ دوسرے بندے کے حق میں شاکر یوں ہو سکتا ہے کہ کبھی اس کے احسان پر اس کی تعریف کرے اور کبھی اس کی نیکی کا کئی گنا عوض دے اور یہ بات اچھی خصلتوں میں سے ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔''

ترجمہ: ''جو بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکریہ کب ادا کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کا شکر بہر صورت مجاز اور توسع کی قسم سے ہوگا کیونکہ اگر وہ تعریف کرے گا تو اس کی پوری تعریف نہ ہو سکے گی، اگر اس کی اطاعت کرے گا تو اس کی اطاعت خود اللہ تعالیٰ کی ایک دوسری نعمت ہے بلکہ قابل شکر نعمت کے علاوہ عین اس کا شکر بھی ایک دوسری نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ان کو اس کی نافرمانیوں میں استعمال نہ کرے بلکہ اس کی اطاعت کے کام میں لائے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق اور رہنمائی کے ساتھ ہے۔

بندوں کے شاکر ہونے میں اور اس بات کے تصور میں ایک باریک نکتہ ہے جس کو ہم نے کتاب احیاء علوم الدین کے باب کتاب الشکر میں بیان کیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کرو یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں۔

فوائد:

اہل تحقیق فرماتے ہیں اس اسم کا ذاکر مستجاب الدعوات ہو جائے گا اور پروردگار عالم اپنے انعامات کیلئے مخصوص فرمالے گا اور مقام کشف حاصل ہوگا، دنیا و آخرت کی نیکیاں اور بھلائیاں حاصل ہوں گی۔ (تنویر) اگر آنکھوں کی روشنی کم ہو جائے یا بصارت ختم ہو جائے اس اسم کو اکتالیس بار پڑھ کر دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر دم کرے اور منہ پر ڈالے اور آنکھوں پر ملے اللہ تعالیٰ آنکھوں کی روشنی واپس فرما دے گا۔ (ظفر جلیل)

اَلْعَلِیُّ

(بہت اونچا)

شرح: علی وہ ہے جس کے رتبہ سے بڑا کوئی رتبہ نہیں اور اس کے مرتبہ سے تمام مراتب نیچے ہوں اور یہ اس لیے کہ علی، علو سے مشتق ہے۔ اور یہ علو (بلندی)

سے ماخوذ ہے جو سفل (پستی) کا مقابل ہے۔اور وہ یا تو محسوس درجوں میں ہوتا ہے سیڑھیوں سے اور زینوں میں اور ان تمام اجسام میں جو ایک دوسرے سے نیچے اوپر ہوں اور یا موجودات کے عقلی مراتب میں ہوں جو ایک قسم کی عقلی ترتیب سے مرتب ہوں۔پس جس چیز کو مکان کی فوقیت ہو، اس کو علو مکانی ہے اور جس کو رتبہ فوقیت ہے اس کو رتبہ کا علو ہے۔اور عقلی درجات، حسی درجات، درجات عقلیہ کی مثال وہ تفاوت ہے جو سبب ومسبب اور علت ومعلول اور فاعل ومفعول اور قابل ومقبول اور کامل وناقص کے مابین ہوتا ہے۔

چنانچہ تم ایک سبب فرض کرو تو وہ دوسری شے کا سبب ہو اور دوسری شے تیسری کی سبب ہو اور تیسری چوتھی کی اور مثلاً یہ سلسلہ دس درجوں تک چلا جائے تو دسویں شے آخری رتبے میں واقع ہوگی لہٰذا وہ سب سے اسفل ہے اور پہلا سبب پہلے درجہ میں واقع ہے۔لہٰذا وہ سب سے اعلیٰ ہے اور پہلا جو دوسرے سے اوپر ہوگا تو یہ فوقیت معنوی ہے مکانی نہیں اور علو سے مراد فوقیت ہے۔

تدریج عقلی کے معنی سمجھنے کے بعد واضح ہو کہ موجودات کی تقسیم متفاوت درجات میں عقل کی رو سے جس طرح بھی کی جائے اللہ تعالیٰ تمام اقسام کے درجوں سے بالاتر رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے برتر کوئی درجہ تصور میں بھی نہیں آسکتا وہ علی مطلق ہے اور جو اس کے سوا ہیں وہ اپنے سے نیچے والوں کی طرف سے نسبت کرنے سے علی ہیں اور اوپر والوں کے مقابلے میں سافل اور گھٹیا ہیں۔

عقلی کی تقسیم کی مثال یہ ہے کہ موجودات سبب اور مسبب پر منقسم ہیں۔سبب مسبب سے ایک درجہ اوپر ہے۔پس مطلق فوقیت صرف مسبب الاسباب کا حصہ ہے۔ اسی طرح موجودات مردہ اور زندہ میں منقسم ہے۔اور زندہ مخلوقات کی دو قسمیں ہے۔ ایک تو وہ جن کو صرف حسی ادراک حاصل ہے اور وہ حیوان ہیں۔دوسرے وہ جن کو حسی ادراک کے ساتھ عقلی ادراک بھی حاصل ہے اور ادراک عقلی والی موجودات کی پھر دو

قسمیں ہیں۔ایک وہ جن کے معلومات میں شہوت اور غضب رکاوٹ ڈالیں اور وہ انسان ہے۔ دوسرے وہ جن کا ادراک مکدرات کے معارضہ سے پاک ہے۔ اس آخری قسم کی پھر دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جن کا ان مکدرات میں مبتلا ہونا ممکن ہے لیکن ہمیشہ سلامتی ہی حاصل رہی ہو، جیسا کہ ملائکہ۔دوسری قسم میں وہ ذات ہے جس کے حق میں ایسی باتیں محال ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

اس تقسیم میں تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ فرشتہ انسان سے اوپر ہے۔اور انسان حیوان سے اوپر اور اللہ تعالیٰ سب سے اوپر پس وہ علی مطلق ہے کیونکہ وہ خود زندہ اور جہان کو زندہ کرنے والا ہے۔اور علماء کے علوم کو پیدا کرنے والا اور پاک اور ہر قسم کے عیوب سے منزہ ہے۔ادھر بے جان چیز درجات کمال میں سب سے نیچے کے درجے میں واقع ہوئی ہے۔انتہائی رتبے میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔

غرض اسی طرح اس کی فوقیت اور علو کو سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ نام پہلے ادراک بصر کے لحاظ سے مقرر کیے گئے ہیں اور عوام کا درجہ ہے، پھر جب خواص لوگ عقلی ادراکات میں موازنہ محسوس ہوا تو اس سے مطلق الفاظ بطور استعارہ اخذ کر لیے جن کو خواص نے سمجھ لیا اور عوام نے نہیں سمجھا، جن کا ادراک حواس ظاہری سے آگے ترقی نہیں کر سکتا جو جانوروں کا درجہ ہے چنانچہ وہ کسی عظمت کا تصور محض طول وعرض کی رو سے اور علو کا تصور ظرف مکانی کی رو سے اسی طرح فوقیت ک تصور بھی ظرف مکانی کی رو سے سمجھتے ہیں۔

اس بیان سے تم اللہ تعالیٰ کے عرش کے اوپر ہونے کا مطلب سمجھ گئے ہو گے کیونکہ وہ تمام اجسام سے بڑا ہے گویا وہ تمام اجسام کے اوپر ہے۔اور وہ ذات موجود جو اجسام کی حدوذ سے محدود ہونے اور مقادیر کے ساتھ متقدر ہونے سے منزہ ہے وہ رتبہ میں مسبب کے سبب اجسام کے اوپر ہے۔لیکن اس فوقیت کو عرش کے ساتھ جو ذکر کیا ہے تو اس کی وجہ یہ کہ عرش تمام اجسام سے بالا ہے۔پس جو عرش سے بھی بالا ہو گا وہ سب سے بالا ہو گا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ خلیفہ سلطان کے اوپر ہے۔

جس سے بتانا مقصود ہو کہ جب وہ سلطان سے بالا ہے تو ان تمام لوگوں سے بھی بالا ہو گا جو سلطان سے نیچے میں یا وہ گو آدمی جو فوق کے معنی صرف ظرف مکان سمجھتا ہے واقعی ہنسی کے لائق ہے اور باایں ہمہ اگر اس سے پوچھا جائے کہ فلاں دو معزز شخص مجلس میں کس کس درجہ پر بیٹھتے ہیں تو اس کو کہنا پڑے گا کہ یہ شخص اس شخص کے اوپر بیٹھا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ اس کے دائیں جانب بیٹھا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس شخص کا اس شخص کے اوپر بیٹھنا یوں ہو سکتا تھا کہ اس کے سر پر بیٹھا یا اس جگہ پر بیٹھا جو اس کے سر پر بنی ہوئی ہوتی۔ پھر اگر اس کو کہا جائے کہ تم جھوٹ بولتے ہو وہ نہ اس کے اوپر بیٹھا ہے نہ اس کے نیچے بلکہ اس کے پہلو پر بیٹھتا ہو گا تو وہ اس اعتراض سے آگ بگولا ہو کر کہے گا کہ تم بھی کیا آدمی ہو کہ کچھ کا کچھ سمجھ جاتے ہو۔ اجی اس فوقیت سے مراد رتبہ کی فوقیت اور صدر کا قرب تھا نہ کہ سر پر یا سر سے اونچے بیٹھنا۔ دیکھو صدر مدارج مجلس کا منتہی ہوتا ہے جو شخص صدر سے قریب ہے وہ اس شخص کے اوپر ہے جو صدر سے دور ہے۔

اس بیان سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ جس ترتیب کی دو طرفیں ہوں اس میں بلا تعیین ایک طرف کو فوق اور علو سے اور دوسری کو اس کے مقابل کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔

تنبیہ:

بندہ کا علی ہونا ممکن نہیں کیونکہ وہ جو درجہ حاصل کر سکتا ہے اس سے اوپر کوئی نہ کوئی درجہ ضرور ہوتا ہے اور یہ انبیاء ملائکہ کے درجے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بندہ کوئی ایسا درجہ حاصل کرے جو انسان کی جنس سے سب سے اونچا ہو اس کے اوپر کوئی درجہ نہ ہو۔ یہ درجہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ لیکن وہ علو مطلق کے مقابلہ میں قاصر ہے کیونکہ ایک تو وہ صرف بعض موجودات کے لحاظ سے علو ہے نہ کہ کل کے لحاظ سے۔ دوسرے وہ وجود اور واقع کے لحاظ سے علو ہے نہ کہ بطریق وجوب۔ بلکہ یہ امکان اس کے مقارن ہے کہ کوئی ایسا انسان پایا جا سکے جو اس سے بھی بالا ہو۔

پس علی مطلق وہ ہے جس کو بحسب وجوب فوقیت حاصل ہو۔ نہ کہ بالاضافت

اور نہ کہ بحسب وجود، جس کے ساتھ نقیض کا امکان مقارن ہو۔

فوائد:

جو شخص اس اسم "یَا عَلِیُّ" کو پڑھے اگر ذلیل ہو تو عزیز ادنیٰ ہو تو اعلیٰ مرتبے پر پہنچے گا فقیر ہو تو مالدار ہو جائے گا۔ غریب الوطن ہو تو وطن کی واپسی کا سامان مہیا ہو جائے گا۔ دشمن پر تسلط ہو، ملوک و سلاطین میں تقریب حاصل ہوگا۔ اگر اس اسم کا نقش انگشتری میں پہنے اور اس کا ورد کرے تو ایسے عجیب و غریب اثرات ملاحظہ فرمائے گا کہ خود حیران رہ جائے گا۔ اگر حاکم یا بادشاہ ہے تو لشکر و رعایات، اطاعت میں سر تسلیم خم کردیگی اور اگر وہ انگشتری لڑکی کو پہنائی جائے، جس کی شادی نہ ہوتی ہو تو یہ برکت اسم معظم کی ہوگی کہ پیغام آنا شروع ہو جائیں گے۔ (تنویر) بہتر یہ ہے کہ "**علی العظیم**" کو ملا کر پڑھے یا اسم "**علی**" اور "**عظیم**" کے پڑھنے کے بعد آیۃ الکرسی شریف کو تین بار پڑھے۔

اَلْکَبِیْرُ

(صاحب کبریا)

شرح: کبیر سے مراد صاحب کبریا اور کبریا سے مراد ذات کمال ہے۔ اور کمال ذات کے معنی کمال وجود۔ اور کمال وجود میں دو باتیں شامل ہیں۔

پہلی بات اس کا ازلی و ابدی دوام ہے۔ پس جس وجود کے شروع میں عدم ہو یا آخر میں، وہ ناقص ہے۔ اور اسی لیے جب کسی انسان کی عمر دراز ہو جاتی ہے تو اس کو کبیر کہتے ہیں جس سے مراد کبیر السن یا لمبی عمر والا ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے اس کو عظیم السن نہیں کہتے۔ کبیر اس مقام میں استعمال ہوتا ہے جہاں عظیم استعمال نہیں کیا جاتا۔ پس جب وہ شخص کبیر کہلاتا ہے، جس کے وجود کی مدت ایک محدود درجہ تک لمبی ہوتی ہے تو وہ ذات جو ازل سے ابد تک قائم و دائم ہے اور جس پر عدم کا طاری

ہونا محال ہے وہ تو بطریق اولیٰ کبیر ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس کا وجود وہ ہے جس سے ہر موجود کا وجود ہے پس جس شے کا وجود فی نفسہ مکمل ہو جب وہ کامل اور کبیر ہو تو وہ ذات جس سے تمام موجودات کا وجود ہو، سب سے پہلے کامل اور کبیر ہے۔

تنبیہ:

بندوں میں سے کبیر وہ کامل شخص ہے جس کی صفات کمال صرف اس میں بند نہ ہوں بلکہ دوسروں پر بھی اثر کریں۔ پس جس شخص کو اس کے پاس بیٹھنے کا موقع ملے اس کو کچھ نہ کچھ اس کے کمال کا فیض پہنچے۔

بندہ کا کمال اس کی عقل پرہیزگاری اور علم میں ہوتا ہے۔ پس کبیر وہ عالم اور پرہیزگار شخص ہے جو لوگوں کو ہدایت کرے اور اس قابل ہو کہ لوگوں کا پیشوا ہو جس کے نور اور علم سے لوگ روشنی حاصل کریں۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے: ''جو شخص صاحب علم ہو کر عمل بھی کرے وہ عالم بالا میں عظیم کہلاتا ہے۔''

اَلْحَفِیْظُ

(نگہبان)

شرح: حفیظ بہت بڑی نگہبانی کرنے والے کو کہتے ہیں یہ معنی حفظ کے معنی کو سمجھنے ہی سے سمجھ میں آسکتے ہیں اور حفظ دو طرح پر ہے۔

ایک: تو موجودات کے وجود کو ہمیشہ قائم رکھنا اس کے مقابلہ میں اعدام ہے اور اللہ تعالیٰ آسمان، زمین، ملائکہ وغیرہ لمبی زندگی والی موجودات اور حیوانات و نباتات وغیرہ چھوٹی عمر والی موجودات کا حافظ ہے۔

دوم: جو حفظ کے زیادہ ظاہر معنی ہیں وہ متعدی اور متضاد چیزوں کو ایک دوسری سے بچانا ہے۔ اور اس متعدی سے وہ متعدی مراد ہے جو پانی اور آگ کے درمیان

ہے کیونکہ وہ دونوں طبعًا ایک دوسرے کے مخالف اور ایک دوسرے پر تعدی کرنے والے ہیں یا تو پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور یا آگ، پانی کو بخار کی صورت میں بدل کر ہوا بنا دیتی ہے اور حرارت و برودت کا باہمی تضاد اور معاندت ظاہر ہے جو ایک دوسرے کو دبائی رہتی ہیں۔ اس طرح رطوبت اور یبوست میں جو مخالفت ہے ظاہر ہے اور تمام اجسام ارضی انہیں مخالف ارکان سے مرکب ہیں کیونکہ جاندار کے لیے حرارت غزیزی کا ہونا ضروری ہے اگر وہ نہ رہے تو زندگی نہ رہے اور رطوبت بھی ضروری ہے جو اس کے بدن کی غذا ہوتی ہے جیسے خون وغیرہ۔ اور یبوست لازم ہے جس کے ساتھ اس کے اعضاء منضبط اور باہم پیوستہ و چسپاں رہتے ہیں۔ خصوصاً وہ اجزاء جو سخت ہیں جیسے ہڈی، اور برودت بھی ضروری ہے جو حرارت کی تیزی کو کم کرے تا کہ وہ معتدل رہے اور باطنی رطوبتوں کو فوراً جلانے اور تحلیل کرنے نہ پائے۔

یہ چاروں ارکان باہم متعادی اور متنازعہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو انسان کے چمڑے اور جاندار کے بدن اور نباتات کے جسم میں اور تمام مرکبات میں جمع کر دیا ہے۔ اگر وہ ان کی حفاظت نہ کرتا تو وہ باہم بگاڑ پیدا کر کے ایک دوسرے سے پھٹ جاتے اور ان کی باہمی ترکیب و امتزاج باطل ہو جاتا اور وہ معنی باطل ہو جاتا جس کو ترکیب و مزاج کے ساتھ قبول کرنے کے لیے وہ مستعد ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت پہلے تو تعدیل قوتی سے اور پھر امداد مغلوب سے کرتا ہے۔

تعدیل یہ ہے کہ مثلاً قوت بارو کا درجہ قوت حار کے برابر ہوتا، تا کہ جب وہ دونوں جمع ہوں تو ایک دوسری پر غالب نہ ہو سکیں بلکہ ایک دوسری کی مدافعت کریں کیونکہ جب ان میں سے کوئی غالب نہیں ہوتی تو مغلوب کون ہو۔ پس وہ ایک دوسری کا مقابلہ کریں اور ان کے مقابلے اور برابری کے ساتھ ساتھ بدن کا قوام باقی رہے۔ اسی سے مراد اعتدال مزاج ہے۔

دوم: مغلوب کو اس چیز کے ساتھ امداد دینا جس سے وہ اپنی طاقت تازہ کر کے

غالب کا مقابلہ کرے۔ مثلاً حرارت برودت کو فنا کرتی اور خشک کرتی ہے۔ پس جب وہ غالب آتی ہے تو برودت اور رطوبت کمزور ہو جاتی ہے اور حرارت اور یبوست غالب آتی ہیں اور ضعیف کی امداد سرد و تر جسم کے ساتھ ہو سکتی ہے، اور وہ پانی ہے پیاس کا مطلب یہی ہے کہ سرد و تر چیز کی ضرورت پیش آتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے سرد و تر اشیاء برودت اور رطوبت کی مدد کے لیے بنائی ہیں کہ جب ایک ان میں سے غالب ہو تو اس کی مخالف چیز کو مقابلے میں کھڑا کر دیا جائے جس سے وہ دب جائے اور یہ امداد ہے۔ اور یہ غذاء دوا کے بنانے سے اور ایسے آلات و اوزار پیدا کرنے سے جو اس میں کام دیتے ہیں اور ان کو استعمال کی توفیق عطا فرمانے سے یہ امداد تکمیل کو پہنچی ہے اور یہ تمام امور حیوانات اور متضاد اجزاء کے مرکبات کے بدنوں کی حفاظت کے لیے ہیں اور یہی اسباب ہیں جن کی بدولت انسان اپنے جسم کی داخلی آفتوں سے محفوظ رہتا ہے اور وہ بعض خارجی اسباب سے بھی ہلاکت کا نشانہ بنا رہتا ہے جیسے خونخوار درندے اور جانی دشمن۔ پس ان سے محفوظ رکھنے کے لیے چند ایسے جاسوس پیدا کیے ہیں، جو دشمن کے قریب آنے کی اطلاع دیتے ہیں اور وہ اس کے مقدمۃ الجیش ہیں جیسے آنکھ کان وغیرہ۔ پھر اس کے لیے طاقتور ہاتھ، اور اسلحہ عطا کیے ہیں۔ جن میں سے بعض مدافعانہ کام دیتے ہیں، جیسے زرہ اور ڈھال۔ اور بعض خارجانہ جیسے تلوار، چھری، بندوق وغیرہ۔ پھر بسا اوقات انسان دفع آفت سے عاجز آ جاتا ہے اس کو آلہ گریز سے مدد دی ہے اور پاؤں سے چلنے والے جانداروں کیلئے پاؤں ہیں اور پرندے کیلئے بازو ہیں۔

اسی طرح خدائے جلت قدرتہ کی حفاظت عالم علوی و عالم سفلی کے ذرے ذرے اور پتے پتے پر حاوی ہے۔ یہاں تک کہ میوے کے گودے کو سخت چھلکے اور پودے کی طراوت کو رطوبت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے اور جو میوہ صرف چھلکے سے محفوظ نہ رہے اس کی حفاظت کانٹوں کے ساتھ کرتا ہے، جو اسی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں تاکہ ان سے بعض تلف کرنے والے جانداروں کا دفعیہ ہوتا رہے۔ پس

کانٹے نباتات کے ہتھیار ہیں۔ جیسے حیوانات کے ہتھیار سینگ، پنجے اور کچلیاں ہیں۔ بلکہ پانی کے قطرہ قطرہ کے ساتھ حفاظت کے اسباب ہیں جو ان کو مخالف ہوا سے بچاتے ہیں۔

دیکھو اگر پانی کو کسی برتن میں مدت تک پڑا رہنے دیا جائے تو وہ ہوا بن جاتا ہے اور ہوا اس سے تری کی صفت دور کر دیتی ہے۔

اگر تم پانی کے کسی برتن میں انگلی ڈبو دو اور پھر اس کو نکال کر الٹی کرو تو اس سے ایک قطرہ نیچے کو ڈھلک آئے گا لیکن انگلی کے سرے پر آ کر رہ جائے گا انگلی سے جدا نہ ہوگا۔ حالانکہ پستی کی طرف بہنا اس کا طبعی خاصہ ہے اگر وہ بہہ جائے تو چھوٹا ہونے کے باعث ہوا کے غلبہ سے فنا ہو جائے گا اسی لیے وہ برابر جھکا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ باقی تری بھی شامل ہو جاتی ہے جس سے وہ ایک بڑا قطرہ بن جاتا ہے اور فوراً ہوا کو چیرتا ہوا نیچے گر جاتا ہے ہوا اس کو اپنی جنس میں ملا لینے پر قادر نہیں ہو سکتی اور یہ اس کی حفاظت کی ایک صورت ہے جب کہ وہ کمزور اور اس کا مخالف (یعنی ہوا) طاقتور ہوتا ہے اور اس کو باقی تری کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے یہ حفاظت ایک فرشتے کی طرف سے ہوتی ہے جو اس پر مامور ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بارش کی ہر بوند کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بوند زمین میں اپنی قرارگاہ پر جا پہنچتی ہے۔

اور حق یہ ہے ارباب بصائر کا باطنی مشاہدہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ غرض اس حدیث پر نہ صرف تقلید کی رو سے یقین کرنا چاہیے بلکہ از روئے عقل بھی اس کو درست ماننا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا آسمان و زمین اور ان کی درمیان کی اشیاء کو پیدا کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق بحث کا سلسلہ بڑا طویل ہے، جیسا کہ باقی تمام افعال کے متعلق ہے اور اسی سے اس اسم کے معنی معلوم کیے جا سکتے ہیں نہ صرف لغوی اشتقاق کے سمجھنے

سے۔اور مجمل طور پر حفظ کے معنی معلوم ہو چکے۔

تنبیہ:

بندوں میں سے حفیظ وہ ہے، جو اپنے اعضاء اور دل کی حفاظت کرتا ہے۔اور اپنے دین کو غضب کے حملے، شہوت کے فریب، نفس کے مکر، اور شیطان کے دھوکے سے محفوظ رکھے کیونکہ وہ تباہی کے گڑھے کے قریب ہے۔ اور ان بربادی بخش مہلکات نے اس کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔

فوائد:

اس اسم کا عامل خوف حاکم، ظلم ظالمین، شر شیاطین سے محفوظ رہتا ہے، چرندو پرند حشرات الارض سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔ جنگلات کا کام کرنے والوں فوجی جوانوں جہاز رانوں کو اس کا ورد ضرور کرنا چاہیے ساتھ ہی بچوں کو خلل و آسیب و بیماری سے محفوظی کیلئے اس نقش کا دینا چاہیے۔امام علی رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تعداد اسم کے مطابق کاغذ پر لکھ کر بازو پر باندھے تو وسوسہ شیطان و خیالات فاسدہ، خوف سلاطین، سانپ، بچھو کے گزند سے محفوظ رہے گا، لاعلاج مریض کے باندھے شفایاب ہوگا۔

(تنویر الاسماء)

اَلْمُقِیْتُ

(مخلوق کو قوت یا روزی پہنچانے والا)

شرح: اس کے معنی ہیں غذاؤں کا پیدا کرنے والا اور بدنوں کی غذا یعنی کھانے کی چیزیں بدنوں تک پہنچانے والا اور دلوں کی غذا یعنی معرفت دلوں تک پہنچانے والا۔ پس مقیت، رازق کا ہم معنی ہے لیکن اس کی نسبت خاص ہے۔ کیونکہ رزق غذا اور غذا کے سوا دوسری چیزوں کو شامل ہے۔اور غذا وہ چیز ہے جو صرف قوام بدن کو کافی ہو سکے۔

مقیت، مستولیٰ (غالب) اور قادر کے معنوں میں بھی آتا ہے استیلائے قدرت اور علم کے ساتھ پورا ہوتا ہے۔ان معنوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ کلام دلالت کرتا ہے:

''وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا''

ترجمہ:''اور اللہ ہر چیز پر مطلع اور قادر ہے۔''

غرض اس لحاظ سے مقیت کے معنی میں قدرت اور علم کا مفہوم داخل ہے علم کا بیان تو گذر چکا ہے۔قدرت کا بیان آگے آئے گا۔اس معنی کی رو سے اللہ تعالیٰ کی صفت مقیت صرف صفت قادر کی نسبت اور صرف صفت عالم کی نسبت زیادہ مکمل ہے کیونکہ وہ اکٹھے ان دونوں معنوں پر دال ہے اور اس جہت سے یہ اسم ترادف سے نکل گیا۔

فوائد

یہ اسم نفس کو مطیع اور روح کو مسخ کرنے میں یکتا ہے،یعنی جو شخص نفس کو تابع کر لیتا ہے وہ پانی پر مثل زمین چلتا اور فضائے بسیط میں پرواز کرتا ہے اور روح مسخر ہو جاتی ہے تو جسم روح کی مانند لطیف ہو جاتا ہے۔اس کیلئے قرب و بعد سب یکساں ہو جاتے ہیں، روح کی طرح جسم آسمان کی سیر کرتا ہے اور یہ اسم بے سہاروں کا سہارا ہے۔اہل تحقیق نے فرمایا ہے کہ اس اسم کے دریائے معرفت میں غرق ہو کر پڑھے اور اپنا زیادہ وقت خدمت خلق میں صرف کرے اور ہر دوست و دشمن پر شفقت و جود و سخا کرنے میں دریغ نہ کرے، تاکہ اللہ تعالیٰ نفس کو مطیع اور روح کو مسخر فرمادے۔(تنویر الاسماء)

اَلْحَسِیْبُ

(کافی)

شرح: حسیب سے مراد ہے کافی اور یہ وہ ہے کہ جو کوئی اس کا ہو جائے، وہ اس کے لیے کافی ہو۔اور اللہ تعالیٰ سب کے لیے حسیب اور کافی ہے۔اس وصف کی

حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لیے متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ کفایت کے محتاج کو جو اس کی حاجت ہوگی تو اپنے وجود اور دوام وجود اور کمال وجود کے لیے ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے جو تنہا کسی چیز کے لیے کافی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے لیے کافی ہے نہ کہ صرف اشیاء کے لیے، یعنی وہ اکیلا ہی کافی ہے کہ اس کے ساتھ اشیاء کا وجود متصل ہو اور اس کے ساتھ ان کا وجود ہمیشہ رہے اور اس کے ساتھ ان کا وجود مکمل ہو اور تم کو یہ ظن بھی نہیں کرنا چاہیے کہ جب تم کو کھانے پینے کی اور زمین، آسمان اور سورج وغیرہ کی ضرورت ہوئی تو تم اس کے سوا کسی اور کے محتاج ہوئے اور وہ تمہارے لیے کافی نہ تھا کیونکہ اسی نے کھانے پینے کی چیزیں اور زمین و آسمان سورج وغیرہ چیزیں بنائی ہیں وہی تمہارے لیے کافی ہیں اور یہ بھی خیال تک نہ کرو کہ جو بچہ ماں کا محتاج ہے جو اس کو دودھ پلاتی ہے اور پرورش کرتی ہے۔ اللہ کا اس حسیب اور کافی ہے بلکہ اللہ ہی اس کے لیے کافی ہے جس نے اس کی ماں کو پیدا کیا اور اس کے پستانوں میں دودھ بنایا اور بچے کو دودھ پینے کی ہدایت کی اور ماں کے دل میں شفقت اور محبت ڈال دی۔ یہاں تک کہ اس نے بچے کو دودھ پینے دیا، پس انہیں اسباب سے کفایت حاصل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ اکیلا بچے کے لیے ماں کو پیدا کرنے والا ہے۔

اگر تم سے کہا جائے کہ اکیلی ماں بچے کے لیے کافی ہے تو تم فوراً ہاں میں ہاں ملا دو گے اتنا کہنے کی توفیق نہ ہوگی کہ ماں اس کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ وہ دودھ کا محتاج ہے اور جب دودھ نہ ہو تو ماں کہاں کافی ہوگی۔ اگر کہو گے یہ کہو گے کہ ہاں بچہ دودھ کا محتاج تو ہے مگر دودھ بھی تو ماں ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ پس وہ ماں کے سوا اور کسی کا محتاج نہ ہوا۔ مگر تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ دودھ ماں کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ماں اور دودھ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہیں۔ پس وہ

اکیلا ہر شخص کے لیے کافی ہے اور اس کے سوا اور کوئی ایسی شے نہیں ہے جو تنہا کسی چیز کے لیے کافی ہو بلکہ اشیاء ایک دوسری سے متعلق ہوتی ہیں اور سب کی سب خدا کی قدرت سے تعلق رکھتی ہیں۔

تنبیہ:

بندہ کو اس وصف میں کوئی دخل نہیں ہے۔ مگر بطریق مجاز بعید۔ اور لحاظ سرسری نظر اور ظن عام کے مجاز ہونا اس لحاظ سے ہے کہ گو وہ اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے ہے لیکن وہ فی الحقیقت کافی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی فی الحقیقت کافی ہو سکتا ہے کیونکہ بنفسہٖ تو خود اس کا اپنا وجود بھی قائم نہیں ہے اور نہ بنفسہٖ اپنے آپ کے لیے کافی ہے تو غیر کے لیے کب کافی ہو سکتا ہے۔

بندہ کا کافی ہونا خلق عام کے لحاظ سے اس لیے ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ وہ مستقل بالکفایت ہے۔ تو بھی وہ اکیلا کافی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ایسے محل کا محتاج ہے جو اس کے فعل اور کفایت کو قبول کر سکتا ہو کم از کم ایک کا محتاج ہوگا جو محل علم ہے تا کہ وہ تعلیم میں کافی بن سکے۔ اور ایک معدہ چاہیے، جو کھانا پہنچنے کی جگہ ہوتا ہے تا کہ وہ بدن میں کھانا پہنچانے کے لیے کافی ہو سکے۔ علاوہ ان کے وہ اور بہت سی اشیاء کا محتاج ہوا۔ جن کا کوئی شمار نہیں ہے اور ان میں سے کوئی شے بھی اس کے اختیار میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا کافی ہونا اس لیے صحیح ہے کہ وہ خالق فعل ہے اور خالق محل ہے اور شرائط قبول کا خالق ہے۔

بندہ کا کافی کہلانا سرسری نظر سے اس لیے ہے کہ بسا اوقات ایک فاعل پر نظر پڑتی ہے اور اس کے سوا اور کسی کا خیال بھی دل میں نہیں گزرتا۔ پس وہ دیکھتا ہے یہ فاعل ہی کافی ہے حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔

ہاں بندہ کا حصہ جو اس اسم سے ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی ہمت و ارادہ میں خاص اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کا ارادہ نہ کرے نہ جنت کی

خواہش رکھے نہ اس کا دل جہنم سے بچنے کی تدبیریں کرنے میں مصروف رہے بلکہ خاص دا کے خیال میں ڈوبا رہے اور جب اس کے جلال کا پرتو اس پر پڑے تو کہے "بس یہی مجھ کافی ہے اس کے سوا مجھے اور کچھ درکار نہیں۔ باقی اشیاء خواہ ہاتھ سے جائیں یار ہیں۔

فوائد:

اس اسم کی برکت سے کراماً کاتبین اور ملائکہ مقربین بندوں کے اعمال پر مطلع ہوتے ہیں۔ شر و خوف دشمناں اور بد مزاج بدکار عورت، اسی طرح بیوی اپنے عیاش اور بدکار مرد کیلئے، ملازم اپنے جابر و ظالم حاکم جس سے ہر وقت عزت و آبرو کا خطرہ ہو تو چہار شنبہ یا پنجشنبہ کو روزہ رکھے اور ہر نماز کے بعد ۷ مرتبہ کہے "حسبی اللہ" انشاء اللہ چند ہی بار عمل کرنے سے عادات بد افعال قبیحہ سے نجات حاصل ہو گی۔ (تنویر)
اگر اعداد و اسم کے مطابق بغیر صوم ورد کرے تو اس کی برکت سے حاجات پوری ہوں گی، مال و اہل فرزند آفتاب ارضی و سماوی سے محفوظ رہیں گے۔ شریر، کند ذہن، کام اور پڑھنے سے بھاگے، خوف و ڈر سے رونے یا نظر سے بیمار ہونے والے بچوں کو مٹی کے پیالے یا آبخورے پر "یاحسیب اور یا مقیت" سات بار پڑھ کر دم کرے۔ بعدہٗ اپنی اس میں سے خود پیئے اور بچا ہوا پانی بچے کو پلائے۔ (ظفر جلیل)

اَلْجَلِیْلُ

(بزرگ قدر)

شرح: جلیل کے معنی جلال کی صفوں سے موصوف اور جلال کی صفتیں ہیں غنیٰ، ملک، تقدس، علم، قدرت وغیرہ جو پیچھے مذکور ہو چکیں۔
پس ان سب صفات کا جامع جلیل مطلق ہے اور جو ان میں سے بعض کے ساتھ موصوف ہو اس کی جلالت اسی قدر ہے جتنی صفتوں سے وہ موصوف ہو۔

جلیل مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے گویا کبیر کا مطلب کمال ذات ہے اور جلیل کا کمال صفات ہے اور صفات سب کی سب ادراک بصیرت کی طرف منسوب ہیں بایں ہیئت کہ وہ بصیرت پر حاوی ہو جاتی ہیں اور بصیرت ان پر حاوی نہیں ہوتی۔ صفات جلال جب اس بصیرت کی طرف منسوب کی جائیں جو اس کو ادراک کرتی ہے تو ان کو جمال کہتے ہیں۔

اسم جمیل اصل میں صورت ظاہری کے لیے موضوع ہے جو نظر سے محسوس ہوتی ہے جبکہ وہ اس طرز کی ہو کہ نگاہ پسند کرے۔ پھر وہ صورت باطنی کے لیے منقول کیا گیا جو بصیرت (عقلی نگاہ) سے ادراک کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے فلاں شخص سیرت جمیلہ رکھتا ہے اس میں خلق جمیل ہے اور یہ صورت نظر عقلی سے ادراک کی جاتی ہے نہ کہ ظاہری نظر سے۔ غرض کہ باطنی صورت جب کہ کامل، متناسب اور ان تمام کمالات کی جامع ہو، جو اس کے لائق اور جیسی چاہئیں تو وہ صورت بصیرت باطنہ کے لیے جو ادراک کرتی ہے، پسندیدہ اور دلکش ہے جس کے نظارے سے ایک ایسی لذت، لطف اور سرور حاصل ہوتا ہے جو بصارت ظاہری کے ذریعے سے ظاہری صبیح و ملیح شکلوں کا نظارہ کرنے والے کو حاصل نہیں ہوتا۔

جمیل مطلق خاص اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ دنیا میں جو جمال و کمال اور حسنِ و دلربائی ہے وہ اسی کی ذات کے انوار اور صفات کے آثار سے ہے اور ایسا موجود اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے جس کو کمال مطلق حاصل ہو اور اس کا کوئی ثانی وجوداً یا امکاناً نہ ہو۔ اسی لیے اس کا عارف اور اس کے جمال کا مشاہدہ کرنے والا اس قسم کی لذت اور سرور محسوس کرتا ہے جس کے آگے جنت کی نعمتیں اور ظاہری صورتوں کی خوش نمائیاں ہیچ ہیں۔ بلکہ صورت ظاہری کے جمال کو معانی باطنہ کے جمال سے جو کہ بصیرت کے ذریعہ سے ادراک میں آسکتا ہے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس امر کو ہم نے احیاء العلوم کی کتاب المحبۃ میں بیان کیا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ وہ جلیل اور جمیل ہے اور ہر جمیل دیدار کرنے والے کے لیے محبوب و معشوق ہوتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ محبوب ہو۔ مگر ان مگر کے نزدیک جو اس کی معرفت سے بہرہ رکھتے ہیں۔ جیسے ظاہری دلپسند صورتیں محبوب ہوتی ہیں مگر ان لوگوں کے نزدیک جو آنکھیں رکھتے ہیں نہ کہ اندھوں کے نزدیک۔

تنبیہ:

بندوں میں سے جلیل اور جمیل وہ ہے جس کی باطنی صفات اچھی ہوں جن سے ارباب بصیرت کے دل لذت پائیں، رہا جمال ظاہری سو وہ ایک کم قدر چیز ہے۔

فوائد:

یہ اسم خواص میں یکتا ہے۔ حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس اسم کو اگر سات روز تک روٹی کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر خود کھائے، باقی روٹی صدقہ کر دے تو تمام مخلوق مسخر ہوگی اور باکرام پیش آئے گی۔ اس اسم کا پڑھنے والا اللہ تعالیٰ اور بندگان خدا کے سامنے معزز و مکرم ہوگا اور جمیع مقاصد و مرادات حاصل ہوں گی، اگر کاغذ سفید پلکھ کر مکان میں رکھے برکت ہوگی۔ لوگ اس کی جانب رجوع کریں گے۔ (ظفر جلیل)

حاملہ عورت باندھے تو حمل اسقاط سے محفوظ رہے گی اور بچہ جن و آسیب، ام صبیان کے خلل سے مامون رہے گا، اگر کھانے یا پانی پر دم کر کے طرفین کو کھلائیں یا پلائیں تو صلح ہوگی۔ سیسہ کی تختی پر لکھ کر مطلوب کی صورت بنا کر لکھ کر اس کے مکان میں رکھ دیں، نکسیر جاری ہو اور مٹی کا پتلا بنا کر لکھ کر سکھا کر برادہ بنا کر ظالم کے گھر میں ڈال دیں، برباد ہو جائے گا۔

اَلْکَرِیْمُ

(بزرگ)

شرح: کریم وہ ہے کہ جب قدرت پائے تو معاف کرے اور جب وعدہ کرے تو

اس کو پورا کر دکھائے اور جب دینے لگے تو توقع سے بڑھ کر دے۔ یہ نہ دیکھے کہ کس کو دیتا ہے اور کتنا دیتا ہے۔ جب اسکو چھوڑ کر کسی اور کے سامنے حاجت پیش کی جائے تو اس کو منظور نہ کرے۔ جو شخص اس سے التجا کرے، اس کو یوں ہی نہ ٹالے بلکہ اس کو وسیلوں اور سفارشوں کا بھی محتاج نہ رکھے۔ پس جس میں یہ تمام صفات سچ مچ جمع ہوں۔ بناوٹی نہ ہوں، وہ کریم ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

تنبیہ:

ان صفات سے مزین ہونے کا فخر کبھی کبھی بندہ بھی حاصل کر لیتا ہے لیکن صرف بعض امور میں اور ایک قسم کی تکلیف سے حاصل کرتا ہے اسی لیے کبھی کبھی کریم کی صفت سے موصوف کیا جاتا ہے۔ لیکن کریم مطلق کی نسبت سے وہ ناقص ہے اور بندہ اس صفت سے کیوں نہ موصوف ہو جبکہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "انگور کی بیل کو کرم نہ کہو کیونکہ کرم مسلمان آدمی ہو سکتا ہے۔"

کہتے ہیں کہ انگور کی بیل کو کرم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ایک پاکیزہ اور اچھے پھل والا درخت ہے۔ جس کا پھل قریب ہی سے بآسانی ہاتھ آ جاتا ہے، نہ کانٹے ہیں اور نہ کوئی اور آزار ساں چیز ہے۔ بخلاف کھجور کے۔

فوائد:

شیخ ابو العباس احمد بن علی بونی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں جو شخص اس اسم کو کثرت سے پڑھے تو مدت حیات تک معزز و مکرم رہے گا اور مستجاب الدعوات ہو جائے گا، تنگدستی و مفلسی دور ہوگی، دولت اور وسعت رزق حاصل ہوگا۔ (تنویر) اس اسم کی برکت سے علم و دولت وعزت اور شہرت جو بھی نعمت حاصل ہو وہ کریم و سخی دے کر واپس نہ لے گا، اس یقین کے ساتھ عمل کرے، اگر سوتے وقت بستر پر لیٹنے کے بعد پڑھے اور پڑھتے پڑھتے سو جائے تو شب بھر فرشتے اس کیلئے دعا کریں۔ (ظفر جلیل)

اَلرَّقِیْبُ

(نگہبان)

شرح: رقیب کے معنی علیم وحفیظ یعنی ہر شے کی حالت سے بخوبی واقف اور اس کا نگہبان۔ پس جو ذات کسی شے کی ایسی نگہبان ہو کہ اس سے کسی وقت بھی غافل نہ ہو اور اس پر لازمی طور سے ہمیشہ نظر رکھے اس کو رقیب کہتے ہیں۔ گویا اس صفت کے مفہوم میں علم اور حفظ داخل ہیں۔ لیکن اس اعتبار سے کہ وہ لازم و دائم ہیں اور اس شے سے نسبت رکھتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ آفات کو دفع کرتا ہے۔

تنبیہ:

بندہ کے لیے مراقبہ کا وصف اس وقت محمود ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور اپنے دل کے لیے ہو۔ اور یہ اس طرح ہے کہ مراقبہ کرنے والا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہر امر میں اس کا رقیب اور شاھد ہے اور یقین رکھے کہ نفس بھی میرا دشمن ہے اور شیطان بھی۔ اور یہ دونوں موقع کے انتظار میں ہیں کہ اس کو غفلت اور دین کی مخالفت پر آمادہ کریں لہٰذا وہ ان سے بچنے کی تدبیر کرے کہ ان کی گھاتوں، مکروں اور جست کرنے کے موقعوں کو دیکھتا رہے حتیٰ کہ ان کے تمام راستے اور سوراخ بند کر دے یہ مراقبہ ہے۔

فوائد:

یہ اسم پاک محافظت حسن و جمال اولاد، زر و مال، کاروبار، کھیتی، ملازمت وغیرہ کیلئے ہے۔ یہ اسم معانی و اوصاف میں بہت وسیع ہے۔ اگر کسی کے حسن و جمال، اولاد، اموال، عزت و مال کے حاسد و رقیب زیادہ ہوں، یا کسی کی منگنی ہو چکی ہو اور حاسدین درمیان میں حائل ہو جائیں اور کشیدگی پیدا کر دی گئی ہو تو اس اسم کا ورد کرنا چاہیے جو مال و ملکیت بوجہ دشمنی و حسد چھین لی گئی ہو، اس کے حصول کیلئے بھی اس کا عمل

بہتر ہے۔

حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہ ہو اس کیلئے سات بار ہر نماز سے پہلے پڑھ لیا کریں (انشاء اللہ دشمن کچھ نہیں بگاڑ سکے گا)۔

(تنویر) گھر بار کھیتی وغیرہ کو تنہا چھوڑتے وقت دشمن کے نقصان پہنچانے کا خطرہ ہو تو اس اسم کو سات بار پڑھ کر جس کی حفاظت مقصود ہو اس کے گرد دم کر دے واپسی تک کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ (ظفر جلیل)

اَلْمُجِیْبُ

(دعا قبول کرنے والا)

شرح: مجیب وہ ہے جو سائل کے سوال کو پورا کرے دعا کرنے والے کی دعا کو قبول فرمائے لاچار لوگوں کی ضرورت مہیا کرے بلکہ التجا سے پہلے انعام دے اور دعا سے پیشتر بخشش کرے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی حاجت مندوں کی حاجت کو ان کے سوال سے پہلے جانتا ہے بلکہ ازل ہی سے اس کو اس کا علم ہے۔

مخلوقات کی حاجت روائی کے لیے کھانے اور غذائیں بنائی ہیں اور تمام کے تہیہ کے لیے اسباب و آلات میسر کر دے۔

تنبیہ:

بندہ کو چاہیے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے لیے مجیب بنے پھر بندوں کے لیے مجیب بنے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو اس کو نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سے سائل کا سوال پورا کرے اپنے مقدور بھر سائل کی مدد کرے یا اگر کچھ بھی مقدور نہ ہو تو نرمی سے جواب دے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ'' ترجمہ: ''اور سائل کو نہ جھڑکنا۔''

اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

''لو دعیت الی کراع لا جبت ولوا ھدی الی ذراع لقبلت''

ترجمہ: ''اگر بکری کے پائے پکا کر بھی مجھے دعوت دی جائے تو میں قبول کر لوں اور اگر ایک ذراع (جانور کی پنڈلی) بھی مجھے ہدیہ میں دی جائے تو میں بخوشی لے لوں۔''

حضور نبی کریم ﷺ کا دعوتوں میں تشریف لے جانا اور ہدیہ قبول فرمانا محض دلداری کی غرض سے تھا۔ بعض کمینے اور متکبر لوگ جو ہر قسم کے ہدیے کے قبول کرنے اور دعوت کے منظور کرنے سے اپنی شان کو برتر سمجھتے ہیں اور اپنی شان وعظمت کو اس سے بچانا چاہتے ہیں اور التجا کرنے والے کے دل کی کوئی پروا نہیں کرتے خواہ اس کو سخت صدمہ پہنچے ایسے لوگوں کا اس اسم کے معنی میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

فوائد:

اس اسم کی برکت سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری کند ہو گئی تھی۔ (تنویر) امام علی رضا رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اس اسم کو ایک ہزار مرتبہ پڑھ کر جو دعا مانگی جائے قبول ہوگی۔ اگر کسی دعا و عمل کے آخر میں ۲۶ مرتبہ یا سریع یا مجیب پڑھے تو فوراً ظہور ہوگا۔ (تنویر) شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس اسم کے نقش کو اپنے پاس رکھے تو ہر بلا سے محفوظ رہے گا، اگر کوئی سخت مہم درپیش ہو یا کسی امر میں مضطرب ہو تو ایک مجلس میں نوے ہزار مرتبہ پڑھے، انشاء اللہ حاجت پوری ہوگی بغایت مجرب ہے۔ (تنویر) شیخ بونی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اگر کسی حاکم یا بادشاہ کو مسخر کرنا ہو تو اس کی تصویر کو خلوت میں اپنے سامنے رکھے اور اس اسم کے نقش کو نئی ٹھیکری پر لکھ کر اپنے پاس رکھے اور خلوت میں اس اسم کو پڑھنا شروع کرے، مقصد حاصل

ہوگا۔ اگر اس کا نقش چاندی پر کندہ کرا کے پاس رکھے، قبولیت دعا کی برکت حاصل ہوگی۔ (ظفر جلیل)

اَلْوَاسِعُ

(وسیع المعلومات یا وسیع الغنا)

شرح: واسع، سعۃ (وسعت) سے مشتق ہے۔ اور وسعت کبھی علم میں ملحوظ ہوتی ہے جبکہ علم وسیع ہو۔ اور صاحب علم معلومات کثیرہ پر حاوی ہو اور کبھی احسان اور عطائے نعمت سے منسوب کی جاتی ہے خواہ کوئی لحاظ کرو اور کسی تقدیر کو لو، بہر حال واسع مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ اگر اس کے علم کو لو۔ تو اس کی معلومات کے سمندر کا کوئی کنارہ ہی نہیں بلکہ اس کے کلمات لکھنے کے لیے سمندروں کو سیاہی کی جگہ استعمال کیا جائے تو سمندر ختم ہو جائے گی۔ اگر اس کے احسان اور نعمت کو دیکھا جائے۔ تو اس کی مقدورات کی کوئی انتہا نہیں ہر وسعت کو کیسی ہی بڑی ہو، وہ ایک نہ ایک طرف تک ضرور اختتام کو پہنچے گی اور جو ذات کسی طرف بھی اختتام پذیر نہیں ہے وہ وسعت کے اسم کی زیادہ حق دار ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی واسع مطلق ہے۔ کیونکہ ہر واسع اپنے سے زیادہ واسع کے مقابلہ میں غیر واسع یعنی تنگ ہے۔ اور جو وسعت کسی طرف پر منتہی ہو جائے ممکن ہے کوئی اور وسعت اس سے بھی زیادہ بڑی ہو۔ لیکن جس ذات کی نہ کوئی نہایت ہو۔ اور نہ کوئی طرف ہو اس سے زیادہ وسعت تصور ہی میں نہیں آسکتی۔

تنبیہ:

بندے کی وسعت علوم اور اخلاق میں ہوتی ہے۔ پس اگر اس کے علوم بکثرت ہوئے تو اپنے وسعت علم کے موافق وہ واسع ہے۔ اور اگر اس کے اخلاق وسیع ہو گئے

حتی کہ نہ محتاجی کا خوف اس کو تنگدل کر سکے نہ حاسد کا غصہ اور نہ حرص کا غلبہ تو وہ بھی واسع ہے۔ مگر یہ سب وسعتیں کسی نہ کسی حد پر ختم ہو جاتی ہیں حقیقی واسع اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

فوائد:

اہل طریقت نے فرمایا ہے کہ جو شخص حریص ہو تو اس کیلئے یہ اسم نافع ہے، اگر ۱۳۷ بار روزانہ ورد میں رکھے، اللہ تعالیٰ اپنے افضال کی بارش فرمائے گا، اگر کوئی ۱۰۲۵ مرتبہ پڑھے علو مرتبہ منزلت عالی تسخیر قلوب سلاطین و امراء رفعت و جاہ و منزلت، احوال عجیب و حالات غریب اور وسعت رزق کے مفاد حاصل ہوں گے اگر اسکے نقش کو لکھ کر کسی مکان یا دوکان یا ذخیرہ، تجوری میں رکھیں، برکت حاصل ہوگی۔ (تنویر) تسخیر کیلئے ستر یوم روزانہ ستر ہزار مرتبہ پڑھے، تو عالی مرتبت ہو، تمام مخلوق مطیع و مسخر ہوگی، وسعت رزق کیلئے پندرہ مرتبہ ہر نماز کے بعد پڑھے (انشاء اللہ رز میں برکت ہوگی)۔ (تنویر الاسماء)

اَلْحَکِیْمُ

(حقائق اشیاء کا عالم)

شرح: حکیم کے معنی صاحب حکمت اور حکمت سے مراد ہے افضل چیز کو افضل علم سے جاننا اور تمام اشیاء سے بزرگ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ بیان ہو چکا ہے:

لہٰذا وہ حقیقی حکیم ہے کیونکہ وہ سب سے بڑی شے کو افضل کے ساتھ جانتا ہے۔ یعنی سب سے بڑی ذات خدا کی ہے۔ اور افضل علم وہی ہے جو ازلی و دائم ہو اور اس کا زوال متصور نہ ہو۔ واقع کے ایسا مطابق ہو کہ اس میں کسی قسم کے خفاء اور شبہ دخل نہ ہو ایسے علم کے ساتھ خاص اللہ تعالیٰ متصف ہے۔

تنبیہ:

جو شخص تمام اشیاء کو جانتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کو نہ جانتا ہو وہ حکیم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سب سے بڑی اور سب سے زیادہ افضل شے کو نہیں جانتا اور حکمت کے تمام علوم سے زیادہ افضل علم ہے اور علم کی بزرگی اس چیز کی بزرگی پر موقوف ہے جس کی نسبت علم ہو۔ اور خدا سے بڑھ کر کوئی شے بزرگ نہیں ہے لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے وہ حکیم ہے۔ گو باقی تمام مروجہ علوم سے بے بہرہ ہو اور ان کے متعلق کچھ بیان کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور بندے کی حکمت میں فرق ہے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت بندے کے علم اور خود خدا کے علم میں فرق ہے۔ خیال کرو ان دونوں علموں میں کس قدر فرق ہے۔ اور اس سے سمجھ سکتے ہو کہ ان دونوں حکمتوں میں کس قدر فرق ہے۔ تاہم یہ علم تمام علوم سے زیادہ نفیس اور زیادہ موجب خیر ہے

"ومن اوتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا"

ترجمہ: "جس شخص کو حکمت دے گئی، اس کو خیر کثیر دے گئی۔"

جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے تو اس کا طرز کلام دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے وہ جزئیات اور گھٹیا باتوں میں بہت کم خوض کرتا ہے بلکہ اس کا ہر کلام مجمل اور کلی اور رمز اور معنی خیز ہوتا ہے وہ دنیوی فوائد کا کم خیال کرتا ہے جو کچھ کہتا ہے عاقبت میں فائدہ دینے والی بات کہتا ہے اور چونکہ اس کی یہ حالت لوگوں کے نزدیک اس کی معرفت الٰہی کی نسبت زیادہ ظاہر ہوتی ہے لہٰذا لوگ اس کے کلمات کلیہ کو اکثر حکمت کہا کرتے ہیں اور ان کے قائل کو حکیم کا خطاب دیتے ہیں۔ اس کی مثال حضور نبی کریم ﷺ کے یہ اقوال ہیں:

(۱) "راس الحکمة مخافة اللہ"

ترجمہ: "سب سے بڑی حکمت خدا کا خوف ہے۔"

(۲) "الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعات والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنی علی الله الامانی۔"

ترجمہ: "دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا۔ اور آخرت کے لیے نیک کام کیے۔ عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کے تابع ہوا اور اللہ سے بیہودہ التجائیں کرتا رہا۔"

(۳) "ما قل وکفی خیر مما کثر والھی۔"

ترجمہ: "تھوڑی اور کافی چیز اس چیز سے اچھی ہے جو زیادہ ہو اور بیہودگی میں ڈالے۔"

(۴) "من اصبح معا فافی بدنه امنافی سربه عنده قوت یومه فکانما حیزت له الدنیا بحذا فرھذ"

ترجمہ: "جو شخص تندرست رہے، اور اپنے گھر میں امن سے بسے، اس کے پاس دن بھر کی خوراک ہو، گویا دنیا میں ساری کی ساری اس کے کام آ ہے۔"

(۵) "کن ورعا تکن اعبدالناس وکن قنعا تکن اشکر الناس"

ترجمہ: "پرہیزگار بنو تا کہ سب سے بڑے عابد قرار پاؤ، قناعت کرو تا کہ سب سے زیادہ شاکر بنو۔"

(۶) "البلاء مؤکل بالمنطق۔"

ترجمہ: "مصیبت زبان کھولنے پر منحصر ہے۔"

(۷) "من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعینه۔"

ترجمہ: "بندہ کی اچھی مسلمانی یہ ہے کہ جو امر مد اس کا نہ ہو اس کو چھوڑ دے۔"

(۸) "السعید من وعظ بغیرہ۔"

ترجمہ: ''نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت پکڑے۔''

(۹) ''الصمت حكة و قليل فاعله۔''

ترجمہ: ''خاموشی حکمت ہے جس پر چلنے والے کم ہیں۔''

(۱۰) ''القناعة ما لا ينفد۔'' ترجمہ: ''قناعت وہ مال ہے جو کم نہیں ہوتا۔''

(۱۱) ''الصبر نصف الايمان و اليقين الايمان كله۔''

ترجمہ: ''صبر نصف ایمان ہے اور یقین پورا ایمان ہے۔''

غرض اس قسم کے کلمات کو حکمت اور ان کو قائل کو حکیم کہتے ہیں۔

فوائد:

اس اسم میں عجیب وغریب صفات ہیں، کوئی مہم پیش آئے قید و مجبوری، قرض و غربت، تنگی معیشت و درویشی یا مثل اس کے تو اس اسم کا ورد کرے۔ شیخ بونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص اس اسم کو کثرت کے ساتھ پڑھے گا اس پر امور حقیقہ اور مواہب خداوندی کھول دیئے جاتے ہیں، اگر کوئی شخص اس اسم کے اعداد کے موافق ہر روز ہر نماز کے بعد پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو علم، فہم اور حکمت عطا کرے اور اس شکل کو سلجھانے میں دشواری نہ ہوگی۔ (تنویر الاسماء)

اَلْوَدُوْدُ

(نیک بندوں کو دوست رکھنے والا)

شرح: ودود وہ ہے جو تمام مخلوق کے لیے بہتری چاہتا ہو لہٰذا ان کے ساتھ بھلائی کرے اور ان کی تعریف بھی کر دیا کرے۔ یہ اسم رحیم کے معنی کے قریب قریب ہے لیکن رحمت کی نسبت مرحوم کی طرف ہوتی ہے۔ اور مرحوم وہ ہوتا ہے، جو محتاج اور لاچار ہو۔ رحیم کے افعال تو مرحوم کو ضعیف چاہتے ہیں۔ ودود کے افعال نہیں چاہتے بلکہ ود (دوستی) کا نتیجہ یہ ہے کہ بلاتحریک آپ سے آپ نعمت بخشی جائے پس

جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کے معنی یہ ہیں کہ وہ مرحوم کے لیے بھلائی اور حاجت روائی کا ارادہ کرتا ہے اور رحم کے باعث درد دل کے عارض ہونے سے وہ منزہ ہے۔ اس طرح اس کی مودت (دوستی) یہ ہے کہ وہ بخشش، نعمت، احسان اور انعام کا ارادہ کرتا ہے اور وہ دوستی کے بے اختیاری سیلان سے مبرا ہے۔ اس کی رحمت و مودت جو مرحوم و مودود کے حق میں صادر ہوتی ہے تو رقت یا دوستی کے میلان کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اس کے ثمرہ اور فائدہ کے لیے ہوتی ہے۔ پس فائدہ ہی رحمت و مودت کا نچوڑ ہے اور یہ خاص خدا کا حق ہے، مرحوم و مودود کا نہیں۔

تنبیہ:

اللہ کے بندوں میں سے ودود وہ ہے جو مخلوق کے لیے وہی چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے اور اس سے بھی اعلیٰ وہ شخص ہے، جو ان کو اپنے پر مقدم سمجھے۔ چنانچہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ کاش میں دوزخ کا پل بن جاتا تاکہ لوگ مجھ پر سے صحیح و سلامت گزر جاتے۔ اس صفت کا کمال یہ ہے کہ غصہ، کینہ اور جو تکلیف پہنچی ہو وہ اس ایثار و احسان کا مانع نہ ہو۔ جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک جنگ میں جبکہ کسی کو باطن کافر کے پتھر مارنے سے آپ کا اگلا دانت ٹوٹ گیا تھا اور چہرہ مبارک خون آلودہ ہو گیا تھا، فرمایا تھا:

"اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔"

ترجمہ: "اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما کیونکہ وہ کچھ جانتے نہیں"

پس ان لوگوں کی بدسلوکی آپ کو اس ارادہ سے باز نہ رکھ سکی جو آپ ان کی فائدہ رسانی کے متعلق رکھتے تھے۔ اور جیسے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ارشاد فرمایا تھا کہ "اگر تم چاہو کہ مقربین سے بھی سبقت لے جاؤ تو بدسلوکی کرنے والے سے نیک سلوک کرو نہ دینے والے کو دو اور ظلم کرنے والے کو معاف کر۔

فوائد:

یہ اسم حب کیلئے عاملین میں بہت مشہور ہے۔ اہل تحقیق فرماتے ہیں اگر اس کا عامل اپنے بیگانے ہر ملنے والے سے اخلاق و محبت سے پیش آئے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنا محبوب بنا لے۔ (تنویر) امام علی رضا رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کوئی خواہشات نفسانی میں مبتلاء ہو، شرابی یا زانی ہو، کذاب اور ایذائے اہل اسلام میں کوشاں رہتا ہو تو ۹۶۰ مرتبہ اسم "یاودود" اور اول و آخر ۵۳ بار یہ آیۃ کریمہ

"هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيدُ وَ هُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيدُ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ"

پڑھے پھر دعا کرے انشاء اللہ نیک انسان بن جائے گا۔ اسی طرح فاحشہ عورتوں کو سدھارنے کیلئے بھی یہ عمل کرنا چاہیے۔ (تنویر الاسماء)

اَلْمَجِيْدُ

(شریف، بزرگ)

شرح: مجید وہ ہے جس کی ذات شریف۔ جس کے افعال پسندیدہ اور جس کی عطا گراں قدر ہو۔ غرض جس کے شرف ذات کے ساتھ حسن افعال شامل ہو اس کو مجید کہتے ہیں اور ماجد بھی اسی کو کہتے ہیں مگر مقدم الذکر اسم مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اور گویا وہ **الجلیل** اور **الوھاب** اور **الکریم** کے معنوں کا جامع ہے۔ ان دونوں کے متعلق پیچھے ذکر گذر چکا ہے۔

فوائد:

جو شخص صاحب عزت و بزرگ ہونا چاہیے، اس اسم کا ورد کرے۔ اگر کوئی شخص ذلیل و رسوا ہو یا کسی وجہ سے یہ گمان ہو کہ ذلیل و رسوا ہو جائے گا۔ مثلاً کسی کی امانت رکھی تھی، خرچ کر چکا، یا مالدار تھا اب مفلس ہے اور لڑکے یا لڑکی کی شادی کرنا ہے جس

میں پردہ فاش ہونے کا اندیشہ ہے تو اس اسم کا ورد کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ایسا ذریعہ عطا فرمادے گا کہ ذلت و رسوائی سے محفوظ رہے گا۔ (تنویر) امانت میں خیانت، رشوت یا مزدور و ملازم کا پیشہ کوئی الزام رکھ کر کاٹنا یا کسی کی بھول سے فائدہ اٹھانا اس کی رقم مار لینا حرام ہے۔ ایسا کرنے والا اپنے پچھلے فعل سے توبہ کرے اور آئندہ کیلئے عہد کرے، پھر عمل کرے، شیخ ابوالعباس فرماتے ہیں یہ عمل امراء اور دشاہوں کے حسب حال ہے۔

اَلْبَاعِثُ

(مردوں کو مرے پیچھے اٹھا کھڑا کرنے والا)

شرح: باعث وہ ہے جو قیامت کے دن مخلوق کو زندہ کرے گا اور اہل قبور کو کھڑا کرے گا۔ بعث اٹھائے جانے کو کہتے ہیں اور اس اسم کو سمجھنا بعث کی حقیقت سمجھنے پر موقوف ہے اور یہ علمی باتوں میں سب سے زیادہ باریک بات ہے۔ اکثر لوگ اس کے متعلق مجمل توہمات اور مبہم تخیلات میں مبتلا ہیں۔ بڑا شک ان کو یہ ہے کہ موت تو ایک عدم ہے اور بعث از سر نو ایجاد ہے جو عدم کے بعد ہوتی ہے اور یہ ایجاد ویسے ہی ہے جیسے پہلی ایجاد تھی۔ مگر ان کا یہ خیال کہ موت عدم ہے غلط ہے۔ اور اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ دوسری ایجاد پہلی ایجاد جیسی ہے۔ موت عدم محض نہیں ہے بلکہ مردے کی قبر یا تو آگ کا گڑھا ہوتی ہے یا گلستان جنت کا ایک چمن ہوتی ہے۔ پہلا گروہ مرنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يوزقون۔

ترجمہ: ''جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس عزت پاتے ہیں خدا نے جو اپنا فضل ان پر

کیا ہے اس سے خوش ہیں۔"

دوسرا گروہ بھی زندہ ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم ﷺ نے جنگ بدر میں کافر مقتولوں کو پکار کر فرمایا تھا: "اللہ تعالیٰ نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا، میں نے اس کو درست پایا تم سے جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا، کیا تم نے بھی اس کو درست پایا۔"

آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ان لوگوں کو کیونکر پکار رہے ہیں، جو مر چکے ہیں۔ فرمایا: "تم میری بات کو ان کی نسبت کچھ زیادہ سننے والے نہیں ہو (یہ بھی سنتے ہیں) مگر جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔"

باطنی مشاہدہ ارباب بصائر کو بتلا رہا ہے کہ انسان کو ہمیشہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے عدم اس پر طاری نہیں ہو سکتا۔ ہاں! ایک بار اس کا تصرف جسم سے بند ہو جاتا ہے دیکھنے والے کہتے ہیں مر گیا جب وہی تصرف پھر جاری ہو جاتا ہے، تو کہا جاتا ہے زندہ ہو گیا۔ اور اس بھید کی پوری تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

ان لوگوں کا یہ خیال بھی بالکل بے سروپا ہے کہ مردے کو زندہ کرنا دوسری ایجاد ہے جو پہلی ایجاد جیسی ہے بلکہ مردہ کا زندہ ہونا ایک دوسری پیدائش ہے جو پہلی پیدائش سے بالکل مناسبت نہیں رکھتی، انسان کی صرف دو پیدائش نہیں ہیں بلکہ بہت سی پیدائشیں ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "**وننشئکم فیما لا تعلمون**" ترجمہ: "ہم تم کو ایسی حالت میں پیدا کریں گے کہ تمہیں معلوم نہیں ہے۔" اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی پیدائش میں خون بستہ اور مضغہ وغیرہ کے ذکر کے بعد فرمایا ہے:

"**ثم انشانه خلقا اخر**"

ترجمہ: "پھر ہم نے اس کو دوسری پیدائش میں پیدا کیا۔"

بلکہ نطفہ خاک کی ایک پیدائش ہے۔ اور جما ہوا خون نطفہ کی ایک پیدائش ہے۔ اور روح کی پیدائش کے شرف وجلالت اور اس کے ایک امر ربانی ہونے کی وجہ سے اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ثم انشانه خلقا اخرط فتبارك الله احسن الخالقين۔"

ترجمہ: "پھر (آخر کار) ہم ہی نے اس کو (گویا بالکل) دوسری ہی مخلوق (کی صورت میں) بنا کھڑا کیا تو (سبحان اللہ) خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو (سب) بنانے والوں میں بہتر (بنانے والا) ہے۔"

اور فرمایا: "ويسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی"

ترجمہ: "تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہو روح میرے پروردگار کا ایک امر ہے۔"

پھر اصل روح کو پیدا کرنے کے بعد ادراکات حسیہ کا پیدا کرنا ایک علیحدہ پیدائش ہے۔ پھر تمیز کا پیدا ہونا جو ساتویں سال کی عمر میں ظاہر ہوتی ہے ایک پیدائش ہے، پھر پندرہ سال کی عمر یا اس سے کم وبیش کی عمر میں عقل کا پیدا ہونا ایک پیدائش ہے یہ ہر پیدائش ایک طور ہے۔ "وقد خلقكم اطوارا" اللہ تعالیٰ نے تم کو کئی طرز وطور میں بنایا ہے۔

پھر کسی شخص میں ولایت کی خاصیت کا ظاہر ہونا بھی ایک جدا پیدائش ہے۔ اس کے بعد نبوت کی خاصیت کا ظاہر ہونا ایک اور ہی جداگانہ پیدائش ہے اور وہ ایک طرح کا بعث ہے۔ اللہ تعالیٰ باعث الرسل ہے۔ جیسا کہ باعث یوم النشور بھی ہے۔ اور جس طرح شیر خوار بچے کو تمیز حاصل کرنے سے پیشتر اس کی حقیقت کا سمجھنا مشکل ہے۔ اسی طرح تمیز والے کو عقل حاصل کرنے سے پہلے اس کی حقیقت اور اس کے عجائبات کا جاننا دشوار ہے۔ اسی طرح عقل کی منزل میں ولایت اور نبوت کا سمجھنا مشکل ہے۔ کیونکہ ولایت، پیدائش عقل کے اوپر ایک خاص طور کمال ہے، جس طرح عقل، پیدائش تمیز سے اوپر ایک جدا طور کمال ہے اور تمیز پیدائش جو اس سے اوپر ہی ایک علیحدہ طور کمال ہے۔

چونکہ لوگوں کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ جو مرتبہ خود ان کو حاصل نہ ہو جائے وہ اس کو تسلیم

نہیں کرتے حتی کہ ہر شخص کسی امر ماننے یا سچ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس کو دیکھ نہ لے اور خود حاصل نہ کر لے۔ اور کبھی چھپی اور غائب بات پر یقین نہیں کرتا۔ اس لیے لوگ طبعاً ولایت ونبوت اور ان کے عجائبات بلکہ ان کی اصلیت سے منکر ہوتے ہیں اور دوسری پیدائش اور آخرت کی زندگی کو نہیں مانتے کیونکہ انہوں نے اب تک ان امور کو دیکھا اور برتا نہیں ہے۔ اگر صرف تمیز کے درجہ تک پہنچنے والے کے سامنے عالم عقل اور اس کے عجائبات کا نقشہ پیش کریں، تو وہ اس کو ماننے کے لیے کبھی تیار نہ ہوگا۔ پس جو شخص غیر حاصل شے پر ایمان لائے، وہ گویا غیب پر ایمان لایا اور یہی تمام حادثوں کی کنجی ہے۔

جب طور عقل اور اس کے ادراکات اور اس کی پیدائش سابقہ ادراکات سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے تو آخرت کی پیدائش تو نہایت ہی بعید ہے۔ لہٰذا دوسری پیدائش کو پہلی پیدائش پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔

یہ تمام پیدائشیں ایک ہی ذات کے مختلف اطوار اور اس کے لیے مراتب کمال طے کرنے کے زینے ہیں حتی کہ وہ اس بارگاہ احدیت کا قرب حاصل کرتا ہے جہاں تمام کمالات کی انتہا ہو جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قبول اور حجاب ووصول میں متردد رہتا ہے۔ اگر مقبول ہو جائے تو اعلیٰ علیین پر ترقی کر جاتا ہے ورنہ اسفل السافلین میں گر جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ ان دونوں پیدائشوں میں لفظی مناسبت کے سوا اور کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جو شخص نشأۃ (پیدائش) اور بعث کے معنی نہیں جانتا وہ اسم الباعث کے معنی نہیں سمجھ سکتا اور ان کی شرح طویل ہے، جانے دیتے ہیں۔

تنبیہ:

بعث کی حقیقت کا مطلب ہے مردوں کو دوسری پیدائش میں پیدا کر کے زندہ کرنا، اور جہل سب سے بڑی موت ہے اور علم سب سے پاکیزہ زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

قرآن مجید میں علم و جہل کا ذکر کیا ہے اور ان کو حیات و موت سے موسوم کیا ہے۔

جو شخص کسی دوسرے انسان کو جہل سے علم تک ترقی دیتا ہے گویا وہ اس کو موت سے نئی پیدائش میں لاتا ہے اور ایک پاکیزہ زندگی بخشتا ہے۔ پس اگر بندہ لوگوں کو علم پڑھائے اور سیدھی راہ دکھائے تو ان کو گویا ایک طرح سے زندہ کرتا ہے اور یہ انبیاء اور ان کے وارث علماء کرام کا کام ہے۔

فوائد:

اس اسم کو برائے صفائے باطن و دفع وسوسہ شیطان و تزکیہ نفس اگر کسی شخص میں شہوت، غفلت و حرص، بخل بہت ہو تو اس اسم کو بوقت خواب لیٹ کر سینے پر ہاتھ رکھ کر پانچ سو بار پڑھنا چاہیے۔ (تنویر) شیخ عبدالمجید مغربی فرماتے ہیں کہ پریشانیوں کو پیدا کرنے والے اسباب کو دفع فرماتا ہے۔ اس اسم میں سرا کبر ہے، اس کا ذکر اس فرد کیلئے بہت مناسب ہے جس کی ہمت پست ہو چکی ہے، زندگانی اور صحت و حفظ قویٰ جسمانی و روحانی کی عجیب و غریب تاثیر اس اسم میں موجود ہے۔

اَلشَّهِيْدُ

(حاضر)

شرح: اس اسم کے معنی علیم کے معنوں سے ملتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اضافت کی خصوصیت بھی ملحوظ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ "**عالم الغيب و الشهادة**" ہے۔ ترجمہ: "غیب اور شہادت کو جانتا ہے۔" غیب سے مراد چھپی باتیں ہیں اور شہادت سے مراد ظاہر باتیں۔ پس اگر مطلق علم کا لحاظ کیا جائے تو وہ علیم ہے اور اگر غیب اور چھپی باتوں سے نسبت دی جائے، تو وہ خبیر ہے اور اگر امور ظاہرہ سے نسبت دی جائے، تو وہ شہید ہے۔

کبھی اس کے ساتھ یہ بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن لوگوں کے

کاموں کے متعلق شہادت دے گا، جن کو وہ جانتا اور دیکھتا ہے۔ اس اسم کی بحث علیم اور خبیر کی بحث کے قریب قریب ہے اس کو ہم دوبارہ لکھنا نہیں چاہتے۔

فوائد:

اہل حقیقت نے فرمایا ہے کہ اس اسم کے ذاکر کو برے کاموں اور دروغ گوئی سے بچنا ضروری ہے، جو شخص روزانہ اعداد اس اسم کے مطابق ورد میں رکھے اس کے اہل وعیال ہر بلا اور برائی سے محفوظ رہیں گے، اگر کسی کی بیوی یا بچہ نافرمان شریر ہو تو روزانہ صبح کو اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اکیس مرتبہ یہ اسم پڑھ کر دم کرے، مطیع وفرمانبردار ہوگا۔ (ظفر جلیل) اگر ہر نماز کے بعد اعداد اسم کے مطابق پڑھے تو قلب ذاکر سے حجاب اٹھ جائیں گے۔ (تنویر الاسماء)

اَلْحَقُّ

(ثابت)

شرح: یہ باطل کے مقابلے میں ہے اور تمام اشیاء اپنی اضداد کے مقابلے میں ظاہر ہوتی ہیں۔

جس چیز کی نسبت خبر دیجاتی ہے، وہ یا تو مطلقاً باطل ہوگی یا مطلقاً حق ہوگی۔ یا ایک وجہ سے حق اور ایک وجہ سے باطل ہوگی۔ پس بذاتہ ممتنع وہی ہے جو مطلقاً باطل ہو۔ اور واجب بذاتہ وہی ہے جو مطلقاً حق ہو اور ممکن بذاتہ مگر واجب بغیرہ وہ ہے جو ایک وجہ سے باطل اور ایک وجہ سے حق ہو۔ پس چونکہ اپنی ذات کی حیثیت سے اس کا وجود نہیں ہے اس لیے وہ باطل ہے اور غیر کی جہت سے وجود کا استفادہ کرتا ہے، اس لیے وہ اس وجہ سے جو وجود کا افادہ کرنے والے سے متصل ہے موجود ہے۔ لہٰذا وہ اس وجہ سے حق ہے اور اپنے نفس وذات کی جہت سے باطل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجهَهٗ'' ترجمہ: ''اس کی ذات کے سوا باقی ہر

شے ہلاک ہونے والی ہے۔'' اور وہ اسی طرح ازلاً وابداً ایک ہی حال پر قائم ہے مختلف حالات قبول نہیں کرتا کیونکہ اس کے سوا ہر شے ازل سے ابد تک من حیث الذات وجود کی مستحق نہیں ہے اور اپنے غیر کی جہت سے مستحق ہے لہٰذا وہ بذاتہ باطل ہے اور بغیرہ حق ہے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ حق مطلق وہ ہے، جو موجود حقیقی بذاتہ ہے اور جس سے ہر حق اپنی حقیقت اخذ کرتا ہے۔

حق کے ایک اور معنی بھی ہیں، یعنی وہ امر معقول جس کی عقل تصدیق کرے اور وہ موجود ذہنی ہے جس کی نسبت یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ وہ حق ہے۔ پس وہ اپنی ذاتی حیثیت سے امر موجود کہلاتا ہے۔ اور جب عقل سے اس کو نسبت دیجائے جس نے اس کی حالت معلوم کی ہے تو اس کو حق کہتے ہیں اس لحاظ سے بھی تمام موجودات میں سے حق کہلانے کا زیادہ حقدار اللہ تعالیٰ ہے اور معلومات میں سے حق کہلانے کی زیادہ حقدار اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے کیونکہ وہ فی نفسہٖ حق ہے۔ یعنی ازلاً وابداً معلوم کے مطابق ہے اور اس کی مطابقت لذاتہ ہے لغیرہ نہیں ہے اس کا علم ایسا نہیں ہے جیسے اس کے غیر کے وجود کا علم کیونکہ غیر کے وجود کا علم اسی وقت تک رہتا ہے جب تک وہ غیر موجود رہتا ہے جب وہ معلوم ہو گیا تو اس کے وجود کا اعتقاد بھی باطل ہو گیا۔

اقوال کو بھی حق کہہ دیتے ہیں، چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں قول حق ہے اور فلاں قول باطل ہے اس لحاظ سے تمام اقوال سے زیادہ حق **لا الٰہ الا اللہ** ہے کیونکہ وہ ازلاً اور ابداً لذاتہ صادق ہے نہ کہ لغیرہ۔

غرض کہ خارجی موجودات کی حق کہیں یا ذہنی موجودات کو جن کو معرفت کہتے ہیں خواہ زبانی موجود کو حق کہیں جس کو نطق کہتے ہیں۔ بہر حال حق کہلانے کی زیادہ حقدار وہی شے ہے جس کا وجود ازلاً وابداً لذاتہ ثابت ہو۔ اور اس کی معرفت ازلاً وابداً لذاتہ حق ہو۔ اور اس کی شہادت ازلاً وابداً لذاتہ حق ہو اور یہ تمام امور موجود حقیقی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی سے نہیں۔

تنبیہ:

اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو باطل سمجھے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو حق نہ جانے۔ بندہ اگر چہ حق ہے مگر بنفسہ حق نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حق ہے، کیونکہ وہ اسی کے ساتھ موجود ہے بذاتہ موجود نہیں ہے بلکہ بذاتہ باطل ہے اگر حق تعالیٰ نے اس کو نہ بنایا ہوتا تو اس کو خود بخود بن جانے کا کوئی حق نہ تھا۔

اس لحاظ سے ان دو تاویلوں کے سوا جو شخص انا الحق (میں حق ہوں) کا دعویٰ کرتا ہے وہ سخت خطا پر ہے۔

پہلی تاویل یہ ہے کہ انا الحق سے مراد انا بالحق ہے، ترجمہ: ''میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہوں'' یہ تاویل بعید ہے۔ اس لیے کہ لفظوں میں اس معنی کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اور اس لیے یہ امر صرف اس قائل سے مخصوص نہیں ہے بلکہ حق کے سوا جو شے ہے وہ بالحق ہے۔

دوسری تاویل یہ کہ وہ حق تعالیٰ میں مستغرق ہے حتی کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لیے گنجائش نہیں ہے اور جو چیز کسی چیز کی کلیت کو حاوی ہو اور اس میں مستغرق ہو تو کہا جاتا ہے یہ چیز وہ ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

انا من اھوی و من اھوی انا

تو من شدی من تو شدم من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اس سے مراد استغراق ہے۔

چونکہ اہل تصوف پر من حیث الذات اپنے نفس کی فنا کا مشاہدہ غالب ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی زبان پر باغلب احوال اسمائے باری تعالیٰ میں سے ھو الحق جاری رہتا ہے کیونکہ وہ حقیقی ذات کو ملحوظ رکھتے ہیں نہ کہ اس ذات کو جو فی نفسہ ہلاک ہونے والی ہے۔ اور اہل کلام چونکہ افعال کے ساتھ دلیل پکڑنے کے عادی ہیں اس لیے ان

کے منہ پر اکثر اسم البارئ جاری رہتا ہے جس کے معنی خالق کے ہیں اور اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو دیکھتے ہیں۔ پس اپنے مشاہدات سے اس کے متعلق شہادت قائم کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مخاطب ہیں۔

"اولم ینظروا فی ملکوت السموت والارض وما خلق اللہ من شیءٍ"

ترجمہ: ''کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے انتظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کی''

صدیقین اس کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھتے لہٰذا وہ اس کے متعلق اسی سے دلیل قائم کرتے ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مخاطب ہیں کہ

''اولم یکف بربك انه علی کل شیءٍ شهید''

ترجمہ: ''کیا (تمہاری تسلی کو) یہ بات کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز کا شاہد (حال) ہے۔''

فوائد:

کسی سے لڑائی ہو جائے یا کسی قسم کا لین دین کا معاملہ ہو یا مقدمہ ہو پنچایت کے طور پر فیصلے کیلئے کچھ لوگ جمع ہونے والے ہوں اور خود کا حق پر ہونے کا یقین ہو، ساتھ ہی یہ بھی گمان ہو کہ فیصلہ شرعی طور پر اس کے خلاف ہوگا، تو اس اسم کا ورد کرے۔ (تنویر)

شیخ مغرب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ گمشدہ شے کے حصول کیلئے ایک کاغذ کے کونوں پر گمشدہ کا نام اور درمیان میں "یاحق" تحریر کرے تو مل جائے گی۔ (تنویر) اور ظفر جلیل میں اتنا اضافہ ہے کہ اس کاغذ کو اپنی ہتھیلی پر رکھے اور ہاتھوں کو مثل دعا کے اٹھائے اور نظر آسمان کی جانب ہو، پھر اس اسم کو شفیع لائے یعنی اس کا ورد اعداد اسم کے مطابق کرے یا وہی شے ملے یا اس سے بہتر، اگر قیدی نصف شب کو سر ننگا کر کے ایک سو آٹھ بار پڑھے، رہائی پائے گا۔

اَلْوَکِیْلُ

(کارساز)

شرح: وکیل وہ ہے، جس کے سپرد امور کیے جائیں لیکن اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جس کے سپرد بعض امور ہوں اور وہ ناقص ہے۔ دوم جس کے سپرد تمام امور ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔

ایک اور طریق سے بھی اس کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ جو بذاتہ موکول الیہ (جس کے سپرد کیا جائے) ہونے کا مستحق نہ ہو بلکہ وہ موکول الیہ بنانے سے بنا ہو اور یہ ناقص ہے کیونکہ وہ اس بات کا محتاج ہے کہ امور اس کے سپرد کیے جائیں اور اس کو مختار بنایا جائے۔

دوم: وہ جو بذاتہ اس بات کا مستحق ہے کہ امور اس کے سپرد ہوں اور دل اس پر اسرار رکھتے ہوں کسی دوسرے کے اختیار دینے اور سپرد کرنے سے نہیں (بلکہ وہ خود بخود اور بذاتہ وکیل ہو) وہ وکیل مطلق ہے۔

ایک اور لحاظ سے وکیل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ وکیل جو سپرد شدہ امور کو بلا کسی قس کی کمی کے پورا کردے، دوم: وہ جو پورا نہ کرے۔

وکیل مطلق وہ ہے جس کے سپرد تمام اشیاء ہیں اور وہ تمام کے اہتمام میں لگا ہوا ہے اور سب کو اپنی اپنی جگہ پورا کر رہا ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس سے تم خود سمجھ سکتے ہو کہ بندہ کو اس اسم کے معنی میں کسی قدر دخل حاصل ہے۔

فوائد:

اس اسم کے ذاکر کو یہ یقین کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جمیع مخلوقات کی کفایت کرنے والا ہے، اس اسم کا ذاکر تمام خوف سے مامون رہے گا، اگر مقام خوف پر تلاوت کرے خواہ خوف بہائم ہو یا خوف برق و رعد یا خوف زلزلہ سے پروردگار محفوظ رکھے گا۔ (تنویر)

شیخ بونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس اسم میں حصول مرادات کی تاثیر کلی موجود ہے۔ جو شخص اس اسم مبارک کو پڑھے اگر مسافر ہے بخیریت وطن واپس آئے گا۔ قید ہے تو نجات پائے گا، مقروض ہو تو قرض ادا ہوگا اگر بہ نیت دفع دشمن پڑھے مقہور ہوں گے۔ (تنویر)

اَلْقَوِیُّ
(توانا)

اَلْمَتِیْنُ
(استوار)

شرح: قوت پوری قدرت پر اور متانت سخت قوت پر دلالت کرتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ حاوی اور پوری قدرت والا ہے قوی ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ سخت قوت والا ہے متین ہے۔ اور یہ بیان قدرت کے معنی سمجھنے پر موقوف ہے، جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

فوائد: ''یا قوی''

یہ اسم بہت قوی الاثر ہے۔ اس کی تلاوت کا اثر فوراً ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے عامل پر ایک دو نہیں ہزاروں دشمن بلکہ پوری فوج بھی غلبہ حاصل کر کے ظلماً نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ دفع بیماری کے بعد کی کمزوری کیلئے یا وقت سے پہلے بوڑھے یا کمزوری اور چلنے پھرنے سے معذور ہو جانے والے یا معذور ہو جانے کا خطرہ ہو تو ''یا قادر یا قوی یا قائم یا دائم'' چینی کی پلیٹ پر لکھ کر پانی سے دھو کر پینا چاہیے۔

فوائد: ''یا متین''

اس اسم کا عامل اگر اپنی چشم کو نامحرم سے محفوظ رکھے تو اس کی محبت و ہیبت دوست و دشمن ہر ایک کے قلب میں خون کی گردش کے ساتھ دوڑنے لگے گی اگر کسی خاص ذات کو مسخر کرنا ہو تو خوشبودار پھول یا میوہ پر دم کر کے دے، وہ خوشبو سونگھے یا میوہ

کھائے تو مہربان ہوگا۔ (تنویر) جو بچہ چلنے سے معذور ہو اس اسم کا نقش باندھے چلنے لگے گا، بچے کی ماں کے دودھ نہ ہو تو اس اسم کو لکھ کر ماں کو پلائے، دودھ بہت ہوگا۔ (ظفر جلیل)

اَلْوَلِیُّ

(محبّ، مددگار)

شرح: ولی محبّ و مددگار ہے اس کی محبت و دوستی کے معنی بیان ہو چکے ہیں، اس کی مددگاری کے معنی ظاہر ہیں کہ وہ دین کے دشمنوں کو پامال کرتا ہے۔ اور دین کے خیر خواہوں کی مدد کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اللہ ولی الذین امنوا''

ترجمہ: ''اللہ مومنوں کا محبّ و مددگار ہے۔''

اور فرمایا:

"کذلك بان اللہ مولی الذین امنوا وان الکافرین لا مولی لھم"

ترجمہ: ''ایسا اس لیے ہے کہ اللہ مومنوں کا مولیٰ یعنی ناصر و مددگار ہے۔ اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں ہے۔''

اور فرمایا: ''کتب اللہ لا غلبن انا ورسلی'' ترجمہ: ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔''

تنبیہ:

بندوں میں سے ولی وہ ہے جو اللہ اور اسکے دوستوں سے پیار کرے اور ان کی مدد کرے اور اللہ کے دشمنوں سے بغض رکھے، اللہ کے دشمن نفس اور شیطان ہیں۔ پس جو

شخص ان دونوں سے تعلق توڑ دے اور اللہ کے کام میں مدد دے اور اس کے اولیاء کو دوست رکھے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے، وہی بندوں میں سے ولی ہے۔

اَلْحَمِیْدُ

(مستحق حمد)

شرح: حمید وہ ہے جو تعریف کے لائق ہو اور جس کی ثنا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ازل سے خود اپنی تعریف کے ساتھ حمید ہے اور ابد تک اپنے بندوں کی تعریف کے ساتھ حمید رہے گا اور یہ معنی جلال و کمال کی صفتوں سے ذکر کرنے والوں کے ذکر کے لحاظ سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ حمد اسی کو کہتے ہیں کہ اوصاف کمال کا اس حیثیت سے کہ وہ کمال ہیں ذکر کیا جائے۔

تنبیہ:

بندوں میں سے حمید وہ ہے جبکہ عقائد و اخلاق اور اعمال و اقوال سب کے سب بلاشائبہ قابل تعریف ہوں۔ اور سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ اور ان سے قریب کے انبیاء اور ان کے سوا اولیاء علماء ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے عقائد و اخلاق اور اعمال واقوال کی خوبی کے موافق حمید ہے، چونکہ کوئی شخص گو اس کے محامد کتنے ہی بکثرت ہوں، مذمت اور نقص سے خالی نہیں ہے لہٰذا حمید مطلق خاص اللہ تعالیٰ ہے۔

فوائد:

اس اسم پاک کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، اس اسم کا عامل عالم محویت میں گم ہو کر پڑھے اور خالص حمد و ثناء ہی کی نیت رکھے تو صفات محمودہ سے متصف ہو جاتا ہے، اس اسم کے قاری کی حاضر و غائب تعریف ہوگی۔ یہ اسم تسخیر و محبت اور افعال بد سے بچانے میں بہت زود اثر ہے، اگر اس اسم کو لکھ کر پلایا جائے تو تمام بری عادات

چھوٹ جائیں گی۔(تنویر)شریر بدچلن، نافرمان بچوں کیلئے پیالے پر یہ عبارت کندہ کرا کے رکھ لیں، اسی میں پانی پلائے۔(ظفر جلیل)

"یاحمید الفعال ذا المن علی جمیع خلقه بلطفه یا حمید"

اَلْمُحْصِیُ

(ہر چیز کو احاطہ علم میں کرنے والا)

شرح: محصی کے معنی عالم کے ہیں لیکن جب علم کو معلومات کے ساتھ اس لحاظ سے منسوب کیا جائے کہ وہ معلومات کو محیط ہوتا ہے اور ان کو گنتی اور شماء میں لاتا ہے تو اس کو احصا کہا جاتا ہے اور محصی مطلق وہ ہے جس کے علم میں ہر معلوم کی اور اس کی تعداد اور مبلغ ظاہر ہو۔ بندہ اگرچہ ایسے علم سے بعض معلومات کا احصاء کر سکتا ہے مگر وہ اکثر حصر سے عاجز آجاتا ہے۔ پس اس اسم میں اس کا دخل اسی طرح کم ہے جس طرح علم کی اصل صفت میں کم ہے۔

فوائد:

اس اسم کا پڑھنے والا عذاب قبر وحشر سے امان پاتا ہے، اگر جمعتہ المبارک کے دن یا جمعرات کو ایک ہزار مرتبہ پڑھے حساب عاقبت آسان ہوگا۔(تنویر) یہ اسم اکاؤنٹنٹ اور کلرکوں کیلئے آبحیات کا حکم رکھتا ہے، کتنا ہی کام کرنا ہو، آسان ہو جائے گا اور حساب کتاب میں اگر غلطی ہو تو فوراً محسوس ہو جائے گا جو علم حساب پڑھتا ہو یا امتحان دیتا ہو یا جس کے حساب میں غلطیاں زیادہ ہوں وہ اس کا ورد کرے۔(تنویر الاسماء)

اَلْمُبْدِئُ

(ابتداء پیدا کرنے والا)

اَلْمُعِیْدُ

(دوبارہ پیدا کرنے والا)

شرح: ان اسموں کا معنی ہے موجد، لیکن اگر اس ایجاد سے پہلے ویسی ایجاد نہ گذر چکی

ہوتو اس کو ابداء کہتے ہیں۔اور اگر اس سے پہلے بھی ویسی ایجاد گذر چکی ہو،تو اس کو اعادہ کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہی نے لوگوں کو ابتدا سے پیدا کیا ہے اور وہی ان کو دوبارہ پیدا کرے گا اور تمام اشیاء کا اسی سے آغاز ہوا اور اسی تک انجام ہوگا۔

فوائد:

جس امر مشکل، یا امکان، دوکان کی تعمیر، کارخانہ وغیرہ غرض کسی بھی کام کی ابتداء کرتا ہے اس وقت اس اسم کا ۵۶ مرتبہ پڑھ کر آغاز کیا جائے ،بحسن وخوبی انجام کو پہنچے گا۔(تنویر)

شیخ عبدالمجید مغربی فرماتے ہیں اگر طالب فرزند قبل صحبت ۵۶ مرتبہ مرد وعورت پڑھ لیں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے فرزند عطا فرمائے گا اگر زن حاملہ ورد میں رکھے بچہ صحیح وسالم پید ہوگا اور وقت پیدائش تکلیف نہ ہوگی۔(تنویر الاسماء)

اَلْمُحْیِیُ
(مخلوق کو زندہ کرنے والا)

اَلْمُمِیْتُ
(مارنے والا)

شرح: ان دونوں اسموں کا مطلب بھی ایجاد ہے۔لیکن موجود اگر حیات ہوتو اس کے فعل کو احیاء (زندہ رکھنا) کہتے ہیں اور اگر موت ہوتو اس کے فعل کو اماتۃ (مار ڈالنا) کہتے ہیں اور موت وحیات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔اسی لیے سوائے اس کے اور کوئی محیی اور ممیت نہیں ہے۔اسم الباعث کے بیان میں حیات کے معنی کی طرف اشارہ گذر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

فوائد: ''یا اَلْمُحْیِیُ''

یہ اسم مبارک مورچہ پر جانے والے فوجی سپاہیوں،سمندر میں غوطہ لگانے والوں، بس،ٹیکسی، رکشہ ڈرائیوروں، خصوصاً پہاڑی علاقوں میں سفر کرنے والوں یا پہاڑی

علاقوں میں کام کرنے والوں پل اور سرنگیں بچھانے والے، غرض ہر کام جس میں موت کا خطرہ ہو، یہ اسم پاک ۹۵ مرتبہ پڑھ کر گھر سے نکلے سلامت گھر واپس آئے جو لوگ دریاؤں کے قریب رہتے ہیں، سیلاب یا زلزلوں کا خطرہ رہتا ہو، وہ اس کا ورد رکھیں، جانی و مالی نقصان سے محفوظ رہیں گے۔ (تنویر و ظفر و فوائد کبریٰ وغیرہ)

فائدہ: "یا مُمِیْتُ"

یہ اسم پیران طریقت اور رہنمایاں شریعت کیلئے ضروری ہے کہ اس اسم کی برکت سے نفس امارہ مطیع و مسخر ہو جاتا ہے۔ امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بوقت خواب اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر ۴۹۰ مرتبہ "یا مُمِیْتُ" پڑھے، اس کے بعد سو جائے اللہ تعالیٰ اس کے نفس کو مطیع و مسخر فرمادے گا۔ (تنویر) دیگر ہلاکی و بربادی دشمن کیلئے بھی یہ اسم مخصوص ہے۔ شیخ بونی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ پانچ اسم "یا مصور یا سیدی یا معید یا محی یا ممیت" اگر طالب علم ان اسماء کا ورد کرے تو عالم ہو جائے گا، پروردگار عالم فہم و ادراک عقل و ذہن لطیف عطا فرمائے گا، تمام مشکلات میں آسانیاں پیدا ہوں گی۔ (تنویر)

اَلْحَیُّ

(زندہ)

شرح: حی وہ ہے جو فعل کی اعلیٰ طاقت رکھنے والا اور اعلیٰ درجہ کا صاحب ادراک ہو حتی کہ جس میں بالکل فعل و ادراک نہیں ہے وہ میت (مردہ) ہے۔ اور ادراک کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صاحب ادراک اپنے آپ کو جانتا ہو۔ پس جو شے اپنے آپ کو نہ جانتی ہو، وہ جماد اور میت ہے۔ حی کامل و مطلق وہ ہے جس کے ادراک کے تحت میں تمام مدرکات، اور اس کے فعل کے تحت میں تمام موجودات درج ہوں۔ یہاں تک کہ کوئی قابل ادراک شے اس کے علم سے اور کوئی مفعول اس کے فعل سے

خارج نہ رہے۔ اور یہ ساری باتیں خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں لہٰذا وہ حی مطلق ہے۔ اور اس کے سوا جو شے حی ہے، اس کی حیات اس کے ادراک اور فعل کے موافق ہے۔ اور ایسی تمام اشیاء قلت میں محصور ہیں۔ واضح ہو کہ احیاء (زندہ چیزیں) متفاوت ہیں۔ پس ان کے مراتب ان کے تفاوت کے موافق ہیں جیسا کہ ملائکہ، انسان، اور پاؤں کے مراتب میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

اَلْقَیُّوْمُ

(کارخانہ عالم کا سنبھالنے والا)

شرح: واضح ہو کہ تمام اشیاء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی محل کی محتاج ہیں جیسے اعراض اور اوصاف۔ پس ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بنفسہ قائم نہیں ہیں۔

دوم وہ جو کسی محل کی محتاج نہیں ہیں۔ پس کہا جاتا ہے کہ وہ بنفسہ قائم ہیں۔ جیسے جوہر، لیکن جوہر گو قائم بنفسہ اور اپنے قیام کے محل سے مستغنی ہے۔ تاہم ایسے امور سے مستغنی نہیں ہے جو اس کے وجود کے لیے لازم ہیں۔ پس وہ قائم بنفسہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنے قیام میں گو محل کی محتاج نہیں ہیں مگر کسی اور شے کے وجود کی محتاج ہیں۔ پس اگر کوئی ایسا موجود پایا جاتا ہے جس کی ذات بذاتہ مکتفی ہے اور اس کا قیام کسی اور شے کے ساتھ نہیں ہے اور نہ اس کے سوا کسی اور چیز کا وجود اس کے وجود کے دوام کے لیے شرط ہے وہ مطلقاً قائم بنفسہ ہے اگر اس کے ساتھ ہی تمام موجودات اس کے ساتھ قائم ہوں۔ یہاں تک کہ تمام اشیاء کا وجود اور دوام وجود اسی کے ساتھ ہو تو قیوم ہے۔ کیونکہ اس کا اپنا قیام بذاتہ ہے اور ہر شے کا قیام اس کے ساتھ ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بندہ کا دخل اس وصف میں اتنا ہوتا ہے جتنا وہ غیر اللہ سے مستغنی ہے۔

فوائد:

اس اسم کی مداومت کی برکت سے عمر دراز ہوتی ہے۔ مرادات میں کامیابی

دشمنوں پر غلبہ اور دلوں پر تصرف حاصل ہوتا ہے۔ سیدنا امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بوقت شدت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "یا حی یا قیوم" پڑھتے ہوئے دیکھا اور فوراً راحت حاصل ہوئی، جو شخص طالب عزت وجاہ اور ترقی کاروبار ہو برائے قدرت وسرعت واجابت وقضائے حاجات وحصول مقاصد و فتح مقدمات اس اسم مبارک میں سب تاثیرات موجود ہیں۔ شیخ بونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وقت سحر اس کا ورد کرے تو خلق مسخر ہوگا، اکثر اکابرین نے اسم "یا حی یا قیوم" کو اسم اعظم فرمایا ہے۔ (تنویر)

اَلْوَاجِدُ
(غنی)

شرح: واجد وہ ہے، جس کے لیے کوئی شے نایاب نہ ہو۔ اور وہ فاقد (تنگدست) کا مقابل ہے۔ اغلب یہ ہے کہ جس کو وہ شے ہاتھ نہ آئی ہو جو اس کے وجود کے لیے ضروری نہیں، اس کو فاقد نہیں کہا جاتا اور جس کو وہ شے حاصل ہو سکتی ہے جو اس کی ذات سے اور اس کی ذات کے کمال سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اس کو واجد (غنی) نہیں کہتے بلکہ واجد وہ ہے جس کے لیے کوئی بھی ضروری شے نایاب نہ ہو اور جو امر صفات الٰہیہ اور ان کے کمال کے لیے لازمی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے موجود ہے۔ پس وہ اس لحاظ سے واجد ہے اور واجد مطلق ہے اور اس کے سوا دوسری موجودات اگر صفات کمال اور ان کے اسباب میں سے کسی شے کے لحاظ سے واجد ہیں تو بہت سی اشیاء کے لحاظ سے فاقد ہیں۔ اس لیے وہ صرف اضافی طور پر واجد کہلا سکتی ہیں۔

فوائد:

یہ اسم حصول دولت وغنا کیلئے امتیازی شان رکھتا ہے۔ "یا واجد" حصول کشف

کیلئے عاملین کا معمول رہا ہے جو شخص حلال ذریعہ معاش کا متلاشی ہو یا تاجر جس کی تجارت حسب منشاء نہ چلتی ہو یا اولاد کثیر ہو خوردونوش کا انتظام قلیل ہو یا بالکل نہ ہو، اس لیے حرام وناجائز ذرائع معاش تلاش کرنے سے بہتر ہوگا کہ ان میں سے کوئی ایک اسم منتخب کرکے ورد کرے یا ایسی دعائیں جن میں یہ اسم بھی شامل ہوگا، عمل میں لائے اللہ تعالیٰ غیب سے طیب وطاہر رزق کثیر عطا فرمائے گا اور وہ بے نیاز اس قدر دے گا کہ خرچ سے بچا رہے گا، اس اسم کو اپنے اعداد اسم کے مطابق ورد کرے۔

اَلْمَاجِدُ

(بزرگی والا)

شرح: یہ اسم مجید کا ہم معنی ہے۔ جیسے **عالم**، **علیم** کے معنی میں آتا ہے لیکن فعیل کے صیغے میں مبالغہ پایا جاتا ہے اور مجید کے معنی بیان ہو چکے۔

اَلْوَاحِدُ

(تنہا، یگانہ، ایک)

شرح: یہ وہ ہے جو نہ تقسیم ہو نہ دو ہو سکے۔ تقسیم نہ ہونے والی چیز کی مثال جیسے جوھر واحد (جز لا یتجزئے) اور جو تقسیم نہ ہو، اس کو واحد کہتے ہیں جس کا مطلب یہ کہ اس کا کوئی جز و نہیں، اسی طرح نقطہ کا کوئی جز نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی ذات کا انقسام محال ہے اور جو چیز دو نہ ہو سکے یہ وہ ہے جس کی نظیر نہیں ہے۔ مثلاً سورج، کیونکہ وہ اگرچہ جسم کی قبیل سے ہونے کے باعث وہماً منقسم ہوسکتا ہے لیکن اس کی نظیر نہیں ہے، مگر ممکن ہے کہ اس کی نظیر ہو پس اگر کوئی ایسا موجود پایا جائے، جو اپنے وجود کی خصوصیت میں اس طرح منفرد ہو کہ کسی اور کا اس میں شریک ہونا متصور ہی نہ ہو سکے، وہ ازلاً وابداً واحد

مطلق ہے۔

بندہ اس وقت واحد سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ابنائے جنس میں کسی خاص پسندیدہ خصلت کے اندر کوئی اس کی نظیر نہ ہو اور یہ یکتائی بھی صرف اس کے ابنائے جنس کے لحاظ سے ہوگی اور نیز خاص زمانہ کے لحاظ سے کیونکہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے زمانہ میں اس کی نظیر پیدا ہو جائے۔ نیز یہ یکتائی بعض خصائل کی رو سے ہوگی، تمام کی رو سے نہیں۔ پس پوری وحدت (یکتائی) خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

فوائد:

اس اسم کے ذکر سے ذاکر کا دل ایسا بے خوف اور مطمئن ہو جاتا ہے کہ بڑے بڑے خطرے اور لرزا دینے والے واقعے، حراساں کر دینے والے ماحول میں بھی بے فکر رہے اور خوف قریب نہیں آتا۔ یہاں تک کہ پھانسی کے تختے پر بھی اس کے قلبی اطمینان وسکون کا وہ نورانی جلوہ ہوتا ہے کہ جس کو دیکھ کر نمرود وشداد، دوراں بھی کانپ کر اپنے آپ کو اس کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں، گویا اس واحد و یکتا کی واحدانیت کے جلوے اس اسم کے ذاکر کو اپنی آغوش میں لے لیتے ہیں۔ اس لیے عاملین اور اہل تحقیق اس اسم کو شاہان و ذمہ داران مملکت اور فوجی افسران کیلئے تحفہ قدرت بتاتے ہیں۔ (از شاحین اسماء باری) اگر کوئی شخص سخت مہم یا بیماری میں مبتلا ہو، خطرناک راستوں میں بوجہ تنہائی کسی مقام پر خوف ہو تو ایک ہزار پڑھنے سے مہم آسان، بیمار شفایاب ہو اور خوف وحراست دور ہوگا۔ (تنویر الاسماء)

اَلصَّمَدُ

(بے نیاز)

شرح: صمد وہ ہے، جس کی طرف حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے۔ اور ضروریات کے لیے جس کی درگاہ کا قصد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ پیشوائی کے مراتب اس

پر ختم ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس شخص کو دینی و دنیوی مہمات میں اپنے بندوں کا مرجع بنا دیتا ہے اور اس کی زبان اور ہاتھوں سے اپنے بندوں کی حاجتیں پوری کراتا ہے تو اس کو اس اسم کے معنی سے اس نے حصہ بخشا ہے۔ لیکن صمد مطلق وہ ہے کہ تمام حوائج میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور وہ خاص اللہ تعالیٰ ہے۔

فوائد:

اس اسم کا ذاکر اہل اللہ میں سے ہوتا ہے اور اس اسم کا پڑھنے والا بھوکا نہیں رہتا یا بھوک پیاس سے محفوظ رہتا ہے۔ اکثر عاملین و کاملین نے "یا احد یا صمد" کو اسم اعظم بتایا ہے۔ شیخ مغرب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسم "یا صمد" کو ایک ہزار مرتبہ پڑھے تو رزق میں وسعت اور کاروبار میں برکت ہوگی۔ (تنویر) کتاب مفتاح الجناں میں مذکور ہے اگر شب جمعتہ المبارک بعد از نصف شب میں باوضو ایک ہزار مرتبہ حضور قلب سے پڑھے تو قاری میں عظیم اثرات پیدا ہوں، اگر کوئی فسق و فجور میں مبتلا ہو تو اس کیلئے تین روزے رکھے اور ہر روز ساعت مشتری میں ایک ہزار مرتبہ یہ اسم پڑھے اور اس کیلئے دعا کرے، وہ شخص فسق و فجور سے تائب گا ہو، محبت کیلئے چینی کی پلیٹ پر لکھ کر پانی سے دھو کر پہلے طالب پیئے، پھر وہ پانی مطلوب کو پلا دے، محبت میں بے چین ہوگا۔ (تنویر الاسماء)

اَلْقَادِرُ — اَلْمُقْتَدِرُ

(قدرت والا) — (صاحب مقدرت)

شرح: ان دونوں اسموں کے معنی ہیں "صاحب قدرت" لیکن مقتدر میں زیادہ مبالغہ ہے۔ قدرت سے مراد وہ معنی ہے جس سے کوئی چیز ارادہ اور علم کی تدیر سے اور ان دونوں کے اقتضا کے موافق موجود کی جا سکے۔ اور قادر وہ ہے جو اگر چاہے

کرے، اگر چاہے نہ کرے۔ اور اس کے لیے یہ شرط نہیں کہ ضرور کرنا ہی چاہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اسی وقت قیامت برپا کرنے پر قادر ہے اگر وہ چاہے ابھی برپا کردے اگر برپا نہیں تو اس لیے کہ وہ برپا کرنا نہیں چاہتا، کیونکہ پہلے ہی اسی کے علم میں اس کی میعاد اور وقت مقدر ہو چکے ہیں۔ پس اس سے قدرت میں کوئی نقص نہیں آتا۔ اور قادر مطلق وہ ہے جو ہر موجود کو از سرنا بناتا ہے اور اس میں کسی دوسرے کی امداد سے مستغنی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

بندہ کو بھی کچھ نہ کچھ قدرت ہے لیکن وہ ناقص ہے کیونکہ وہ صرف بعض ممکنات کو حاوی ہوتی ہے اور کسی چیز کو پیدا کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے بلکہ بندہ کے مقدور میں جو امور ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا کرتا ہے، جبکہ اس کے مقدور کے تمام اسباب، وجود مہیا ہو جاتے ہیں۔ یہ مقام ایک باریک بحث چاہتا ہے، جس کی گنجائش اس کتاب میں نہیں ہے۔

فوائد:

یہ اسماء ہر بڑے سے بڑے، اہم سے اہم اور مشکل سے مشکل امور میں مشکل کشائی فرماتے ہیں، جب اپنے اور بیگانے، دوست واحباب سب الگ ہو جائیں، اور کوئی ہمدرد، حامی و مددگار تو کیا بات پوچھے، کوئی بھی پوچھنے والا نہ ہو تو ایسے نفسانفسی کے موقع پر ان اسماء سے کسی اسم کا بھی ذکر اس کی کشتی حیات کو ساحل مراد پر لگانے کیلئے کافی ہے۔ خصوصاً نجومی جس وقت وحشت انگیز خبریں دیں اور انسانوں کو مبتلائے وحشت کر دیں ان کے خود ساختہ دعوؤں کو جھٹلانے اور ستاروں کے اثرات بد سے محفوظ رہنے کیلئے ان اسماء سے کسی اسم کا ذکر بہتر ہے۔ (شرح اسمائے باری)

اَلْمُقَدِّمُ   اَلْمُؤَخِّرُ

(اپنے دوستوں کو بارگاہ عزت کی طرف بڑھانیوالا) (اپنے دشمنوں کو اپنے لطف سے پیچھے ہٹانیوالا)

شرح: مقدم و مؤخر وہ ہے، جو قریب و بعید کرتا ہے جس کو قریب کرتا ہے اس کو مقدم کرتا ہے، جس کو دور ہٹاتا ہے اس کو مؤخر کرتا ہے۔ وہ انبیاء اولیاء کو قرب بخشنے اور، راہ راست پر چلانے کے لیے مقدم کرتا ہے۔ اور اپنے دشمنوں کو دور ہٹا کر اور اپنے اور ان کے درمیان پردہ ڈال مؤخر کر دیتا ہے۔

مثلاً جب ایک بادشاہ جب دو شخصوں کو اپنا قرب بخشے لیکن ان میں سے ایک کو اپنی طرف زیادہ قریب کر لے تو کہا جاتا ہے کہ اس مقدم کیا یعنی اس کو دوسرے شخص کے آگے رکھا۔

یہ تقدیم کبھی کمان میں ہوتی ہے، اور کبھی رتبہ ہیں اور بہر حال پیچھے رہنے والے کے لحاظ سے ہوتی ہے اور ایک ایسے مقصد کا ہونا بھی لابدی ہے جو اصلی غرض و غایب ہو جو مقدم ہوتا ہے اسی کے لحاظ سے اور جو متاخر ہوتا ہے اسی کی طرف سے۔

مقصد اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے مقرب ہیں۔ چنانچہ اس نے پہلے ملائکہ کو تقدیم بخشی ہے پھر انبیاء کو، پھر اولیا کو، پھر علماء کو اور ہر متاخر اپنے ماقبل کے لحاظ سے مؤخر ہوتا ہے اور اپنے مابعد کی نسبت سے مقدم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی یہ تقدیم و تاخیر دینے والا ہے کیونکہ اگر آپ ان کے تقدم و تاخر کو ان کے فضائل کی کثرت و قلت اور ان کی صفات کے کمال و نقصان پر موقوف سمجھو تو آخر وہ ذات بھی کوئی ہے جس نے ان کو علم و عبادت کی ترقی کے لیے اکسایا ہے یا جس نے صراط مستقیم کے برخلاف چلنے پر ان کو امادہ کیا ہے اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ ہی کے بس کی ہیں لہٰذا وہ مقدم اور مؤخر ہے اور اس میں رتبہ کی تقدیم و تاخیر مراد ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص علم و عمل میں سبقت کر جائے وہ صرف اسی سے متقدم نہیں ہو سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو تقدیم بخشے تو وہ متقدم ہو سکتا ہے یہی حال متاخر کا ہے اور اللہ

تعالیٰ کے یہ دو قول اس امر کی کافی تصدیق کرتے ہیں:

(۱) "ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولئك عھنا مبعدون"

ترجمہ: ''جن لوگوں کے لیے ہمارے خیر خواہی نے قدم بڑھایا وہ دوزخ سے دور رہیں گے۔''

(۲) "ولو شئنا لاتینا کل نفس ھداھا ولکن حق القول منی لاملئن جھنم۔"

ترجمہ: ''اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت پر چلاتے مگر ان کی نسبت میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ ضرور دوزخ کو پر کروں گا۔''

تنبیہ:

صفات افعال سے بندے کا حصہ ظاہر ہی ہے اس لیے ہم بخوف طوالت ہر اسم کے بیان میں اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ بیانات سابقہ سے اس بات کا بخوبی پتہ مل سکتا ہے۔

فوائد: "یا مقدم"

اس اسم کی برکت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر کلام کیا۔ امام علی رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بوقت خواب اس اسم کو پڑھے، دشمنوں کے حملے، چوری کے خوف، مکان کے گرنے، جہاز کے ڈوبنے کے خوف سے محفوظ رہے گا۔ (تنویر الاسماء)

فوائد: "یا مؤخر"

شیخ بونی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب انسان کی عمر قریب اختتام کو پہنچے اور عمل خیر کچھ بھی نہ ہوں، گناہوں کی کثرت ہو، قبر و حشر کا خوف دامن گیر ہو، تو اس اسم کو کثرت سے پڑھے اللہ گناہوں کو معاف فرمائے گا اور عمر کو دراز کرے گا تاکہ نیک اعمال کر سکے۔ (تنویر) اسی لیے عاملین اس اسم کو مایوس مریضوں کی کثرت سے

پڑھنے کو بتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے شفا دیتا ہے چاہیے کہ بعد شفاء عبادت الٰہی سے غافل نہ ہو۔

اَلْاَوَّلُ
(سب سے پہلا)

اَلْاٰخِرُ
(سب سے پچھلا)

شرح: واضح ہو کہ اول کسی شے کی نسبت سے اول ہوتا ہے۔ اور اخر بھی کسی شے کی نسبت سے آخر ہوتا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے متناقض ہیں۔ پس ایک ہی چیز ایک ہی جہت سے ایک ہی چیز کی نسبت سے اول اور آخر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ جب تم وجود کی ترتیب پر نظر کرو اور موجودات کے باترتیب سلسلہ کو غور سے دیکھو تو اللہ تعالیٰ ان کے لحاظ سے اول ہے کیونکہ تمام موجودات نے اس سے وجود حاصل کیا ہے اور وہ خود موجود بذاتہ ہے۔ اور اس نے کسی سے وجود حاصل نہیں کیا۔ اور جب ترتیب سلوک پر نظر کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے والوں کی منزلوں کو دیکھا جائے تو وہ اخر ہے کیونکہ اس کی درگاہ عارفین کے مدارج ترقی کی سب سے آخری منزل ہے اور اس کی معرفت سے وجو معرفت حاصل ہوتی ہے، وہ اس کی معرفت کا زینہ ہے اور آخری منزل اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اس لیے وہ اولیاء کے سیر و سلوک کے لحاظ سے آخر ہے اور موجودات کے وجود کے لحاظ سے اول ہے۔ پس اول اسی کی طرف سے آغاز ہے اور اخر اسی کی طرف انجام اور انتہا ہے۔

فوائد: "یا اول"

شیخ مغرب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص طالب فرزند ہو یا دفینہ حاصل کرنا چاہتا ہو یا فتوحات غیبی کا طالب ہو تو چاہیے کہ چالیس جمعہ بعد نماز جمعۃ المبارک کثرت سے پڑھے، مقصد حاصل ہوگا۔ شیخ بونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اسم کا ذکر اپنے تمام مقاصد میں سابق رہے گا اور اگر اسم کو "اسم اخر" کے ساتھ ذکر کرے تو مقام کشف

حاصل ہوگا۔(تنویر)

فوائد:"یا اخر"

شیخ بونی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس نام کی قرأت کرے اس کو قوت و نصرت بے اندازہ حاصل ہوگی اور جو بھی دشمنی کرے گا ہلاک ہوگا، مقابلہ کرے مغلوب ہوگا، جو شخص اس اسم کے اور دشمن کے نام کے اعداد شامل کر کے نقش بنائے اور ہفتہ کی پہلی ساعت میں لوہے پر کنندہ کرے اور اسی تعداد کے مطابق پڑھے اور اس نقش کو آگ میں داب دے، دشمن ہلاک ہوگا۔(تنویر الاسماء)

اَلظَّاھِرُ — اَلْبَاطِنُ

(آشکارا بلحاظ قدرت) — (پوشیدہ بلحاظ فراست)

شرح: یہ دونوں وصف بھی اضافی ہیں۔ کیونکہ ظاھر ایک شے کے لیے ظاہر، اور دوسری شے کے لیے باطن ہوتا ہے۔ اور ایک ہی جہت سے ظاھر و باطن نہیں ہوتا۔ بلکہ ادراک کی طرف نسبت کرنے سے ایک جہت سے ظاھر اور دوسری جہت سے باطن ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ظاھر و باطن ہونا ادراکات کی طرف نسبت کرنے سے ہوا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اگر حواس کے ادراک سے طلب کیا جائے گا تو وہ باطن ہے اور اگر عقل سے بطریق استدلال معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ ظاھر ہے۔

سوال:

اللہ تعالیٰ کا ادراک حواس کی نسبت سے باطن ہونا تو ظاہر ہے لیکن عقل کی جہت سے ظاہر ہونا ذرا باریک سی بات ہے کیونکہ ظاہر تو وہ بات ہوتی ہے جس کے ادراک میں لوگ اختلاف نہ کرتے ہوں۔ بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ کی ذات معلوم کرنے میں بہت سے لوگ شک میں گرفتار ہیں۔ پس اس کو کیونکر ظاھر کہا جا

سکتا ہے۔

جواب:

اللہ تعالیٰ کا مخفی ہونا اس کے شدت کے ظہور کے باعث ہے اس کا ظہور اس کے باطن ہونے کا موجب ہے۔ گویا اس کا نور ہی اس کے نور کا حجاب ہے شاید تم اس کلام سے تعجب ظاہر کرو۔ لہٰذا ہم ایک مثال سے تم کو سمجھاتے ہیں۔ دیکھو اگر تم کسی حرف پر نظر ڈالو جو کسی کاتب نے لکھا ہو تو اس سے تم کو ایک ایسے کاتب کے وجود کا پتہ ملے گا جو عالم، قادر، سمیع اور بصیر ہے اور اس سے تم کو کاتب کی ان صفات کا یقین کامل ہو جائے گا اور جس طرح اس ایک حرف نے کاتب کے اوصاف کی فیصلہ کن شہادت دی ہے۔ اسی طرح آسمان و زمین کی جو چیز ستارے، سورج، چاند، حیوان، نباتات اور صفت و موصف وغیرہ ہے وہ خود بخود اپنے ایک ایک ایسے مدبر کا پتہ دے رہی ہے جس نے اس کا اہتمام کیا ہے اور اس کو خاص انداز پر اور خاص صفات کے ساتھ بنایا ہے بلکہ انسان اپنے جس عضو اور جس ظاہر یا باطن جزو بلکہ جس اختیاری یا جبری صفت و حالت کو دیکھتا ہے۔ وہ چلا چلا کر اپنے خالق اپنے مالک مختار اور اپنے مدبر کا پتہ بتا رہی ہے اسی طرح ہر چیز اس کی شہادت دیتی ہے جس کو انسان اپنی ذات سے خارج دیکھتا ہے اگرچہ ان اشیاء کی شہادتوں میں اختلاف ہو، بعض شہادت دے رہی ہوں اور بعض نہ دیتی ہوں تاہم سب کو ان شہادتوں سے یقین حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ شہادتیں بکثرت ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں، اس لیے وہ امر شدت ظہور کے باعث خفی اور باریک بن گیا ہے۔ جس کی مثال یہ ہے کہ جو اشیاء حواس کے ذریعہ سے محسوس کی جاتی ہیں، ان میں سے زیادہ ظاہر وہ چیزیں ہیں جو آنکھ سے محسوس ہوں اور آنکھ کی محسوسات میں سے بھی زیادہ روشن اور ظاہر سورج کا نور ہے۔ جو تمام اشیاء پر منعکس ہو کر ان کو روشن کر رہا ہے اور جو شے دوسری اشیاء کو روشن کر رہی ہے، وہ خود کیوں نہ روشن ہو گی مگر اس کا روشن ہونا بہت سے لوگوں پر مخفی ہے حتیٰ کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ رنگ دار اشیاء میں صرف

سرخ وسیاہ رنگ ہے اور کچھ نہیں۔ وہ اس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ رنگ کے ساتھ روشنی اور نور بھی شامل ہے اور یہ لوگ رنگین اشیاء کے ساتھ روشنی کا قائم ہونا اس وقت تسلیم کرتے ہیں جب ان کو سایہ اور اندھیرے میں اور روشنی میں اشیاء کی مختلف حالتوں کا فرق دکھا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ رات کے وقت جب سورج چھپ جاتا ہے اور اس کی روشنی رنگین چیزوں سے منقطع ہو جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت ان چیزوں کی کیا صورت ہے، اور دن میں کیا تھی۔ گویا نور کی غیر موجودگی میں نور کے وجود کا پتہ لگتا ہے۔ اور نور کے وجود و عدم میں صاف فرق معلوم ہو جاتا ہے۔

فرض کرو کہ ایک شخص سورج کی روشنی تمام اشیائے عالم پر پڑتی دیکھتا ہے اور سورج اس کی زندگی کے اندر اندر کبھی غروب نہیں ہوتا حتی کہ کبھی اس کو یہ موقع نہیں ملا کہ ان اشیاء کو اندھیرے میں دیکھے اور روشنی اور اندھیرے میں فرق سمجھے۔ اس شخص کے لیے محال ہے کہ نور کو کوئی خاص چیز سمجھے جو موجودہ اشیاء کی رنگت سے زائد ہے۔ تمام اشیاء سے زیادہ ظاہر وہی چیز ہے بلکہ وہی تمام اشیاء کو ظاہر کرتی ہے اور اگر خدا کا بعض امور کے لیے (معاذ اللہ) معدوم یا غائب ہونا فرض کیا جائے تو آسمان و زمین اور ہر چیز جس سے وہ بے تعلق ہے منہدم ہو جائے گی اور پھر ان دونوں حالتوں کا فرق بخوبی معلوم ہو جائے گا اور اس کا وجود قطعی طور پر معلوم ہو جائے گا، لیکن چونکہ تمام اشیاء شہادت اور حالات میں متفق ہیں اور سب ایک ہی نظم و نسق پر اپنی آواز اٹھا رہی ہیں، اس لیے وہ عام نظروں سے مخفی ہے۔

قربان جائیں اس ذات پاک کے جو اپنے نور ہی کے باعث مخلوق کی نظروں سے نہاں اور اپنے شدت ظہور کے سبب سے مخفی ہے وہ ایسا ظاہر ہے جس سے بڑھ کر کوئی شے ظاہر نہیں۔ وہ ایسا باطن ہے جس سے زیادہ کوئی چیز باطن نہیں ہو سکتی۔

<u>تنبیہ:</u>

اوپر کی باتوں سے تم کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق تعجب میں مبتلا نہ ہو جانا

چاہیے، کیونکہ خود انسان جس امر کی بدولت انسان کہلاتا ہے وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی۔ اگر اس کو انسان مناسب و مرتب افعال کے ذریعے سے سمجھا جائے تو وہ ظاہر ہے اور اگر حس کے ادراک کے ذریعے سے طلب کیا جائے تو وہ باطن ہے کیونکہ حس صرف اس کے ظاہری بشرہ کو محسوس کر سکتی ہے اور انسان صرف ظاہری بشرہ سے انسان نہیں کہلاتا بلکہ اس کے تمام اجزاء بدل جائیں تو بھی وہ وہی انسان رہے گا جو پہلے تھا اور تعجب نہیں کہ انسان کے بدنی اجزاء بچپن میں اور ہوتے ہوں اور پھر بڑھاپے میں اور ہوتے ہیں کیونکہ وہ طول زمان سے گھستے مٹتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے اجزاء جو غذا کے ذریعے سے پیدا کیے جاتے ہیں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ تاہم انسان کی سابقہ ہویت نہیں بدلتی۔ پس یہ ہویت حواس سے باطن ہے اور عقل کے لیے ظاہر ہے۔ حواس کو اس کے آثار وافعال سے سمجھ لیتی ہے۔

فوائد:

یہ دونوں اسمائے باری تعالیٰ اصلاح اور نورانیت کیلئے خاص ہیں۔ یہ اسماء ظاہر و باطن کی اصلاح فرما کر ذاکر میں روحانیت پیدا کر دیتے ہیں۔ کشف قبور اور استخارہ کیلئے عاملین میں مشہور ہیں۔

شیخ مغرب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعد نماز چاشت پانچ سو مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ دیدہ دل کو ظاہر و باطن میں نورانی کر دے گا، خواب غفلت سے بیداری فرمائے گا اور تاریکی دل سے دفع ہوگی۔ (تنویر) جس کے دوستوں، ساتھیوں یا اہل معاملہ میں سے جو بھی ایسا ہو کہ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ، ایسے دوستوں سے کافی نقصان پہنچ جاتا ہے، لہٰذا ان کا ذکر کرے تو اللہ تعالیٰ اس اسم کے ذکر کی برکت سے اس کے دوستوں کی بھی اصلاح فرما دیتا ہے اور اس اسم کے ذاکر کے دوست احباب یا غیر سب اسی طرح پیش آئیں جو ان کے دل میں ہو۔

اَلبَرُّ

(اپنے لطف سے بندوں کے ساتھ نیکی کرنے والا)

شرح: بَرٌّ کے معنی محسن، اور بَرٌّ مطلق وہی ہے جس کی طرف سے تمام نیکیاں اور احسانات ظہور میں آتے ہیں اور بندہ اسی بَرٌّ ہے جس قدر کہ نیکی کرتا ہے۔ خصوصاً اپنے والدین استاد اور اپنے شیوخ کے ساتھ۔

روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پروردگار عالم عزوجل سے بات چیت کی تو آپ نے پایہ عرش کے سامنے ایک شخص کو کھڑے ہوئے پایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شخص کی بلندی منزلت سے متعجب ہوئے۔ اور عرض کیا الٰہی! یہ بندہ کونسے عمل کی بدولت اس درجہ تک ترقی کر گیا۔ فرمایا: یہ شخص میرے کسی بندے کے حق میں میری دی ہوئی نعمتوں پر حسد نہیں کرتا تھا۔ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتا تھا۔ یہ تو بندے کی نیکی کی تفصیل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو احسان بے پایاں کرتا ہے اس کی تفصیل کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ اگر غور کرو تو ہمارے بعض گذشتہ بیانات میں اس کے متعلق اشارات پاؤ گے۔

فوائد:

حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر نابالغ بچہ کو یہ اسم یاد کرا دے اور وہ اس کو پڑھتا رہے یہاں تک کہ سن بلوغ کو پہنچے، تمام عمر آفات روزگار سے محفوظ رہے۔

شیخ مغرب فرماتے ہیں اس اسم کا ذاکر جس چیز کا طالب ہو حاصل ہوگی۔ شیخ ابوالعباس احمد بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اس اسم کا ذکر کرے انعامات خداوندی کی فراوانی ہوگی۔ (تنویر الاسماء)

اَلتَّوَّابُ

(گناہ گاروں کی توبہ قبول کرنے والا)

شرح: تواب وہ ہے، جو بندوں کے لیے ایسے اسباب مہیا کرتا ہے کہ وہ اس کی نشانیاں دیکھ کر بار بار اس کی طرف رجوع اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور جو ان کی طرح طرح کی تنبیہات سے خبر دار کرتا اور ڈرا دھمکا کر اپنے راہ پر لاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کو پہچان کر اپنی تقصیرات اور گناہوں کا احساس کرتے ہیں تو دھمکی سے خوف کھاتے ہیں اور توبہ کرنے لگتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

تنبیہ:

جو حاکم اپنی مجرم رعایا کی درخواست رحم کو منظور کرتا ہے اور جو دوست اپنے خطا کار رفیق کا عذر قبول کرتا ہے، وہ اس اسم سے بہرہ یاب ہے۔

فوائد:

جو شخص بہ سبب گناہوں کے تکلیف و مصیبت یا زرق کی تنگی میں مبتلا ہو، اس اسم کی ۔کت سے اس کے گناہ مغفور ہوگا، رحمت و کرم کی بارش ہوگی۔ ۴۰۹ بار روزانہ ورد میں رکھے اور بعد فراغت جو دعاء کرے گا، اس کی دعا قبول ہوگی جو شیر خوار بچہ بہت روتا ہو، اس پر ستر مرتبہ پڑھ کر دم کرے، ہر مرض و آفات و بلیات سے محفوظ رہے گا۔ (تنویر)
اس اسم کا ذاکر جو اس کی معانی و صفات میں غرق ہو کر پڑھے اولیائے کاملین میں شمار ہوگا گناہ و فواحش سے اس کا دل تنفر ہو جائے گا۔ (شرح اسماء)

اَلْمُنْتَقِمُ

(نافرمانوں سے بدلہ لینے والا)

شرح: منتقم وہ ہے جو سرکشوں کی گردنیں توڑتا اور باغیوں کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور اس کی یہ سخت گیری اس وقت ہوتی ہے جب وہ اتمام حجت کر چکتا ہے اور نافرمانوں کو باز آنے کے لیے مہلت وقدرت دے لیتا ہے، ایسا انتظام فوری عذاب کی بہ نسبت زیادہ سخت ہوتا ہے کیونکہ اگر فی الفور عذاب نازل کیا جائے تو نافرمان پورے طور پر گناہ میں غرق نہ ہوگا اور اس سے وہ انتہائی عذاب کا مستوجب قرار نہ پائے گا۔

تنبیہ:

بندہ کا مبارک انتقام یہ ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے انتقام لے اور تمام دشمنوں میں سے زیادہ سخت دشمن نفس ہے۔ پس جب وہ کسی گناہ کے قریب جائے یا کسی عبادت کے کام میں سستی کرے تو اس کو سزا دینی چاہیے۔

جیسا کہ حضرت ابو زید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک رات میرے نفس نے بعض اپنے مقررہ اور راذو وظائف میں سستی کی۔ تو میں نے اس کو یہ سزا دی کہ سال بھر اس کو پانی نہ پینے دیا اور پیاسے مارا۔

فوائد:

برائے فتح وظفر خصوصاً جن لوگوں کے کاروبار، کارخانوں، دوکانوں کو بوجہ حسد سفلی کے ذریعہ باندھ دیا جاتا ہے یا جو لوگ برے دوستوں یا نفس کے فریب میں آ کر اپنی عزت و دولت کو قمار بازی، سٹہ، ریس میں برباد کر چکے ہوں اور اپنی کھوئی ہوئی دولت وعزت کو حاصل کرنا چاہتا ہو تو سچے دل سے تائب ہو کر "یا تواب یا منتقم" کا ورد کرے، انشاءاللہ تعالیٰ پھر وہی دن ہوں گے اور وہی راتیں۔ (شرح اسماء)

اَلْعَفُوُّ

(گناہوں کو مٹانے والا)

شرح: عفو وہ ہے جو گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور تقصیرات سے درگذر کرتا ہے۔ اور غفور کے قریب قریب ہے۔ لیکن عفو میں زیادہ مبالغہ ہے۔ کیونکہ غفوان میں پردہ ڈالنے کے معنی شامل ہیں۔ اور عفو میں مٹا دینے کے معنی داخل ہیں اور مٹا دینا پردہ ڈالنے کی بہ نسبت ابلغ ہے۔

تنبیہ:

اس اسم سے بندہ کا حصہ مخفی نہیں ہے اور وہ یہ کہ جو شخص اس پر ظلم کرے وہ اس کو معاف کرے بلکہ اس کے ساتھ احسان کرے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ دنیا میں سرکشوں اور کافروں کے ساتھ احسان کر رہا ہے۔ اور ان پر فی الفور عذاب نازل نہیں کرتا بلکہ ان کو توبہ پر اکساتا ہے۔ اور جب وہ لوگ توبہ کرتے ہیں۔ تو ان کے گناہ مٹا دیتا ہے کیونکہ ''التائب من الذنب کمن لا ذنب له۔'' ترجمہ: ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔'' اور گناہ معاف کرنے کا یہ انتہائی درجہ ہے۔

اَلرَّؤُوْفُ

(بہت شفقت کرنے والا)

شرح: روءف کے معنی صاحب رافت اور رافت حد درجہ کی رحمت کو کہتے ہیں۔ پس وہ رحیم کا ہم معنی ہے۔ مگر اس میں کسی قدر مبالغہ بھی شامل ہے اور رحیم کا ذکر گذر چکا۔

فوائد:

یہ اسم مبارک تسخیر و محبت اور دشمن کے پنجہ ظلم سے رہائی کیلئے پڑھنا چاہیے۔ اس کے عامل کو ہر فرد انیست و محبت سے دیکھے گا اگر اسکے عامل کے پاس ایک پیسہ نہ ہو اور وہ بڑے سے بڑا کاروبار کرنا چاہے تو لوگ اسے بخوشی قرض دینگے اور تقاضا نہ کرینگے کیونکہ عامل کے قرض دینے والے کو اللہ تعالیٰ بڑی برکت دیتا ہے اگر کوئی بہ نیت خیانت اس عمل

کو کرے تو ذلیل وخوار ہوگا، ورنہ عظمت ووقار اسکے قدم چومے گی۔ (شرح اسماء)

مَالِكُ الْمُلْكِ

(ملک کا مالک)

شرح: مالك الملك وہ ہے، جو اپنے ملک میں جس طرح چاہتا ہے حکم جاری کرتا ہے، جسے چاہتا ہے جلاتا ہے، جسے چاہتا ہے مارتا ہے۔

اس اسم میں ملك کے معنی مملکت کے ہیں۔ اور مالك کے معنی پوری قدرت والا۔ اور تمام موجودات ایک مملکت ہیں، جن کا وہ مالك اور سب پر قادر ہے۔ موجودات سب کی سب ایک مملکت ہے کیونکہ وہ ایک دوسری کے ساتھ وابستہ ہیں۔ گوایک جہت سے وہ اشیاء بکثرت ہیں مگر دوسری جہت سے ان میں وحدت پائی جاتی ہے اور اس کی مثال بدن انسانی ہے۔ جو انسان کی ایک مملکت ہے اور اس میں بہت سے اعضاء اور اجزاء پائے جاتے ہیں۔ لیکن وہ سب کے سب صرف اپنے ایک مدبر کی غرض پوری کرنے میں ایک دوسرے کی مدد واعانت میں مصروف ہیں۔ لہٰذا ان سب کا مجموعہ گویا ایک مملکت ہے اسی طرح تمام عالم گویا ایک ہی وجود ہے اور عالم کے اجزاء اس کے اعضاء ہیں۔ جو ایک ہی مقصود پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ وجود الٰہی کے موافق جس خیر کا حاصل ہونا ممکن ہو وہ حاصل ہو جائے اور وہ ایک ہی مملکت اس لیے ہے کہ اس کے تمام کاروبار ایک ہی نظم ونسق کے سلسلے میں مرتبط رہیں اور صرف اللہ اس مملکت کا مالک ہے اور ہر بندہ کی مملکت اس کا وجود ہے۔ اور چونکہ صفات قلب اور جوارح میں اس کا حکم جاری رہتا ہے، اس لیے وہ اپنی قدرت حاصلہ کے موافق اس اپنی مملکت کا مالک ہے۔

ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

(بزرگی اور عزت والا)

شرح: یہ وہ ذات ہے، جو تمام جلال و کمال کی واحد سزاوار ہو۔ اور تمام کرامت و مکرمت اسی سے صادر ہو۔ پس وہ جلال کی سزاواری فی ذاتہ ہے اور کرامت اس کی طرف سے خلقت کو پہنچتی ہے۔ مخلوق کے حق میں اس کی جو کرامت ہے، وہ شمار نہیں کی جا سکتی۔ اس کا یہ ارشاد اس کرامت پر دلالت کرتا ہے۔ ''ولقد کرمنا بنی ادم'' ترجمہ: ''اور ہم نے بنی آدم کو معزز کیا۔''

اَلْوَالِیْ

(تمام امور کا متولی)

شرح: یہ وہ ہے، جو تمام مخلوق کے ہر قسم کے امور کا مدبر اور متولی ہے۔ اور ولایت تدبیر اور قدرت اور فعل چاہتی ہے۔ اور جب تک اس کے لیے یہ تمام اوصاف جمع نہ ہوں اس پر اسم والی صادق نہیں آ سکتا۔ اور تمام امور کا والی خاص اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ پہلے وہ اکیلا تدبیر کرتا ہے اور پھر اکیلا ہی اس تدبیر کو جاری کرتا ہے، اس کے بعد خود ہی اس کو جاری رکھتا ہے۔

اَلْمُتَعَالِیْ

(مخلوقات کی صفات سے منزہ)

شرح: یہ اسم علی کا ہم معنی ہے۔ مگر اس میں ساتھ ہی کسی قدر مبالغہ شامل ہے۔

اَلْمُقْسِطُ

(عادل و منصف)

مقسط وہ ہے، جو مظلوم کو ظالم سے داد دلاتا ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ مظلوم کی خوشنودی کے ساتھ ظالم کی خوشنودی بھی شامل کر دے اور یہ اعلیٰ درجہ کا عدل و انصاف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی قادر نہیں۔

مثال اس کی مثال یہ روایت ہے کہ ایک بار حضور نبی کریم ﷺ بیٹھے بیٹھے ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے سامنے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ کے قربان ہوں، آپ کس بات پر مسکرائے۔ فرمایا: میری امت میں سے دو آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے دو زانو بیٹھے ہوں گے۔ ایک کہے گا یا رب! اس شخص سے میرا بدلہ دلا دے۔ اللہ (دوسرے کو) فرمائے گا اپنے بھائی کو بدلہ دے۔ وہ عرض کرے گا اے رب العزت! میری کوئی بھی نیکی نہ رہی۔ اللہ تعالیٰ مدعی کو فرمائے گا اب تو اپنے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہے اب تو اس کے پاس کوئی بھی نیکی نہ رہی۔ وہ عرض کرے گا یا رب! میرے گناہ اس پر ڈال دے۔

اس وقت حضور نبی کریم ﷺ آب دیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ یہ دن بڑا خطرناک ہو گا۔ جب کہ لوگ یہ بھی چاہنے لگیں گے کہ کوئی ان کے گناہ اٹھا لے۔

آپ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ کہے گا: یعنی مدعی سے، آنکھ اٹھا کر دیکھ وہ کہے گا: اے پروردگار! میں چاندی کے شہر اور سونے کی عمارتیں دیکھ رہا ہوں، جن پر موتیوں کے ہار پڑے ہیں۔ یہ کس نبی یا کس ولی یا کس شہید کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو اس کی قیمت ادا کرے۔ وہ عرض کرے گا۔ اے پروردگار! اتنی قیمت کس کے پاس ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیرے پاس ہے وہ عرض کرے گا۔ اے پروردگار! میں کس چیز کے عوض میں اس کو خرید سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنے بھائی کو عفو کرنے کے عوض میں وہ عرض کرے گا اے پروردگار! میں نے معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ کہے گا: اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور اس کو جنت میں لے جا۔

پھر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومنوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔ انتصاف وانصاف کا اصلی راستہ یہی ہے جس پر رب الارباب کے سوا کوئی قادر نہیں۔

اس اسم میں سے بندہ کا اعلیٰ حصہ یہ ہے کہ پہلے اپنے نفس سے انصاف دلائے پھر کسی دوسرے شخص سے کسی اور شخص کو انصاف دلائے اور اپنے نفس کو کسی ذات سے انصاف نہ دلائے۔

اَلْجَامِعُ

(تمام مخلوقات کو جمع کرنے والا)

شرح: جامع وہ ہے جو ملتی جلتی چیزوں، جدا جدا چیزوں اور ایک دوسرے کی مخالف چیزوں کو باہم ملا دے۔

ملتی جلتی چیزوں کو جمع کرنے کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انسان زمین پر جمع کیے ہیں اور پھر سب کو حشر کے میدان میں جمع کرے گا۔

جدا جدا چیزوں کو جمع کرنے کی مثال جیسے کہ اس نے آسمانوں، ستاروں، ہوا، زمین، دریا، حیوانات، نباتات اور مختلف معادن کو جمع کیا ہے۔ اور یہ تمام اشیاء شکل میں، رنگ میں، ذائقہ میں اور دیگر تمام اوصاف میں ایک دوسرے سے متبائن ہیں۔ اس طرح اس نے ہڈی، پٹھے، رگ، عضلہ، مغز، جلد، خون اور تمام اخلاط کو حیوان کے بدن میں جمع کیا ہے یہ چیزیں بھی سب باہم متبائن ہیں۔

ایک دوسری کے مخالف اشیاء کو باہم ملانے کی مثال جیسے اس نے حرارت، برودت، رطوبت اور یبوست کو حیوانات کے مزاج میں جمع کیا ہے۔ حالانکہ یہ اشیاء باہم متنافر اور ایک دوسری پر غلبہ کرنے والی ہیں اور جمع کرنے کی صورتوں میں سے یہ اعلیٰ درجہ کی صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جمع کرنے کی تفصیل وہی شخص معلوم کر سکتا ہے جو اس کی پیدا کردہ اشیاء کی تفصیل جانتا ہو اور اس بات کی شرح طویل ہے۔

تنبیہ:

بندوں میں سے جامع وہ ہے، جو نشست و برخاست وغیرہ کے ظاہری آداب

کے سات قلب کے باطنی حقائق کو جمع کرے۔ پس جس شخص کی معرفت کامل اور سیرت پسندیدہ ہو، وہ جامع ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ کامل وہ ہے جس کا نور معرفت اس کے تقویٰ کے نور کو بجھا نہ دے۔

صبر اور بصیرت کو جمع کرنا تقریباً محال ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو زہد و تقویٰ پر صبر حاصل ہے اس میں باطنی روشنی نہیں ہے۔ اور جس میں باطنی روشنی ہے، اس میں صبر نہیں۔ جامع وہ ہے جو اپنے آپ میں صبر اور بصیرت دونوں جمع کرلے۔

اَلْغَنِیُّ — اَلْمُغْنِیْ

(بے پروا) — (لوگوں کو بے پروا کرنے والا)

شرح: یہ وہ ہے، جس کو اپنی ذات وصفات میں کسی غیر سے تعلق نہیں ہے بلکہ اغیار کے ساتھ علاقہ رکھنے سے وہ پاک ہے۔ پس جس شے کی ذات یا صفات کسی ایسے امر سے متعلق ہوں جو اس کی ذات سے خارج ہو اس شے کا وجود یا کمال اس خارجی امر پر موقوف ہے پس وہ محتاج اور فقیر ہے جس کو طلب وکسب کی ضرورت ہے ایسی بے تعلقی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مغنی بھی ہے۔ یعنی غنی بھی کر دیتا ہے مگر جس کو وہ غنی بناتا ہے اس کا مطلق غنی بن جانا متصور نہیں ہو سکتا کم از کم وہ مغنی کا تو محتاج ہوا۔ پس غنی مطلق کہاں رہا بلکہ غیر اللہ سے بھی مستغنی ہوتا۔ ہے تو اس لحاظ سے کہ اس کی تمام ضروریات اللہ تعالیٰ مہیا کر دیتا ہے۔ نہ بایں معنی کہ اس کو کوئی حاجت ہی نہیں رہتی اور غنی حقیقی تو وہ ہوتا ہے جس کو کسی کی حاجت قطعاً نہیں ہوتی اور جو شے محتاج ہے اور اپنی حاجت کی چیزیں حاصل کر رہی ہے وہ مجازاً غنی ہے۔ غیر اللہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ جو صورت تسلیم کی جا سکتی ہے۔ وہ صرف یہی ہے۔ تاہم جب اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی حاجت نہیں رہتی، تو اس کو غنی کہا جاتا ہے۔ اگر یہ ہو سکتا کہ اصل حاجت بھی اس کے ساتھ لگی نہ

رہے۔تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان (معاذ اللہ) صحیح نہ ہوتا کہ ''اللہ غنی وانتم فقراء'' ترجمہ: ''اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو۔'' اور اگر یہ تصور کرنا صحیح نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی نام اشیاء سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ کیلئے مغنی کا وصف (معاذ اللہ) درست نہ ہوتا۔

اَلْمَانِعُ

(اپنے دوستوں کو تکلیف سے روکنے والا)

شرح: مانع وہ ہے جو حفاظت کے خاص خاص اسباب مہیا کر کے ادیان وابدان سے، نقصان و ہلاکت کے اسباب دور کرتا ہے۔اور حفیظ کے معنی بیان ہو چکے حفظ کے لیے منع اور دفع ضروری ہے۔پس جو شخص حفیظ کے معنی سمجھتا ہے وہ مانع کے معنی بھی سمجھ سکتا ہے۔فرق اتنا ہے کہ منع سبب مہلک کی طرف نسبت کرنے سے مستفاد ہے اور حفظ اس چیز کی طرف نسبت کرنے سے جو ہلاک سے محفوظ ہے اور وہ منع سے مقصود ہے۔

خلاصہ یہ کہ چونکہ منع کا فعل حفظ کے لیے کیا جاتا ہے اور حفظ کا فعل منع کے لیے نہیں کیا جاتا لہٰذا ہر حافظ دافع و مانع ہے۔لیکن ہر مانع کا حافظ ہونا ضروری نہیں۔مگر اس وقت جب کہ وہ تمام اسباب ہلاک ونقص کا مانع مطلق ہو جس سے حفظ کا حاصل ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔

فوائد:

اہل تحقیق فرماتے ہیں جو شخص اس اسم کا ورد کرے تو لازم ہے کہ کسی فرد کو اذیت نہ پہنچائے تا کہ اللہ تعالیٰ ذاکر سے بلائے دنیا و آخرت کو دور فرما دے گا۔اگر کسی کی زوجہ نافرمان ہو تو بستر خواب پر اس اسم کو پڑھے موافقت پیدا ہو جائے گی۔

شیخ مغرب فرماتے ہیں کہ یہ اسم خوفزدہ کرنے کیلئے بہت بہتر ہے۔

اَلضَّارُ — اَلنَّافِعُ

(قدر و شر کا خالق) — (نفع و خیر کا پیدا کرنے والا)

شرح: یہ وہ ہے جس سے خیر و شر اور نفع و ضرر صادر ہوتے ہیں اور یہ تمام اللہ کی طرف منسوب ہیں۔ یا تو وہ ان امور کا اجراء ملائکہ، انسان اور جمادات کے ذریعے سے کرتا ہے یا بلا واسطہ خود کرتا ہے۔ پس یہ نہ سمجھنا کہ زہر خود بخود مار ڈالتا ہے اور طعام خود بخود سیر کر دیتا ہے۔ اور نہ یہ خیال کرنا کہ فرشتے، انسان، شیطان یا کوئی اور مخلوق، مثلاً فلک، ستارہ یا دوسری چیز خود بخود نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے بلکہ یہ تمام اشیاء اسباب مسخر ہیں جو صرف وہی کام کر سکتے ہیں۔ جن پر وہ مامور ہیں اور یہ تمام امور قدرت ازلیہ کے تعلق سے ہیں۔ جیسے عام لوگوں کے اعتقاد میں قلم کاتب کے ساتھ تعلق رکھنے کی حیثیت سے ہے۔ مثلاً سلطان جب کسی انعام یا سزا کے حکمنامہ پر دستخط کرتا ہے تو اس کا ضرر یا نفع قلم کی طرف سے نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ ان لوگوں کی طرف سے سمجھا جاتا ہے جن کے قبضے میں قلم ہے اسی طرح تمام وسائط واسباب کا حال ہے۔ ہم نے عام لوگوں کے خیال میں اس لیے کہا کہ جاہل آدمی ہی قلم کو کاتب کا مسخر سمجھتا ہے۔ اور عارف جانتا ہے کہ قلم اللہ تعالیٰ کا مسخر ہے جس کی تسخیر میں خود کاتب بھی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے کاتب کو پیدا کیا اور اس کو لکھنے کی قدرت دی اور ساتھ ہی اس کے دل میں لکھنے کی ایسی پکی خواہش بھی ڈال دی جس میں کوئی تردد نہیں تو خواہ مخواہ اس کی انگلیوں اور قلم میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ وہ اس کے خلاف ہرگز نہیں کر سکتا۔ پس دراصل کاتب خدا ہے جو انسان کے قلم اور اس کے ہاتھ کے ذریعے لکھتا ہے جب تم انسان کے متعلق یہ بات سمجھ چکے تو جمادات کے متعلق خود بخود سمجھ سکتے ہو۔

فوائد: "یا ضار"

اس اسم کا ذاکر ہر ضرر سے محفوظ رہتا ہے۔ خواہ عزت و مال یا اہل و عیال سے

متعلق ہو۔ شیخ مغرب فرماتے ہیں اگر کوئی شخص طالب عزت و مال جاہ و بزرگی ہو تو ہر شب پڑھے اور امام علی رضا رضی اللہ عنہ نے شب جمعۃ المبارک سو بار پڑھنے کو فرمایا ہے۔ (تنویر)

فوائد: ''یا نافع''

یہ اسمائے الٰہیہ حصول دولت و غنا کیلئے مخصوص ہیں۔ برائے نفع تجارت وسعت رزق حلال میں امتیازی شان رکھتے ہیں، بڑے بڑے وظائف و عملیات اور چلہ کشی اور محنت شاقہ کے بعد جو چیز حاصل نہیں ہوتی وہ چند یوم میں ان اسمائے الٰہیہ میں سے کسی بھی اسم مبارک کی برکت سے حاصل ہو جاتی ہے، اگر کسی کو روپیہ پیسہ دیتے وقت یا معطی کا ورد دل میں کرے تو اللہ تعالیٰ اس اسم کی برکت سے اس سے زیادہ عطا کرے گا۔ اگر دستکار اپنا کارخانہ یا دوکان کھولتے وقت ''یا منعم'' کا ورد کرے تو کام زیادہ اچھا اور جلد بکنے والا تیار ہوگا اور دکان پر بکری زیادہ ہو، ''یا حنان'' کے بعد نماز فجر اور ''یا منان'' بعد نماز عشاء اعداد اسم کے مطابق پڑھا جائے، خیر کثیر اور دولت برکت والی حاصل ہوگی۔ (ظفر جلیل تنویر)

اَلنُّوْرُ

(روشن کرنے والا)

شرح: یہ وہ ذات ظاہر ہے جس سے تمام اشیاء کا ظہور ہے کیونکہ جو چیز فی نفسہ ظاہر ہو اور دوسری اشیاء کو ظاہر کرنے والی ہو اس کا نام نور ہے اور جب وجود کا مقابلہ عدم سے کیا جائے تو یقیناً وجود ہی میں پورا ظہور پایا جائے گا اور عدم سے بڑھ کر کوئی اندھیرا نہیں ہو سکتا۔ پس جو عدم کی تاریکی سے بلکہ عدم کے امکان سے بھی بری ہے اور تمام اشیاء کو عدم کی تاریکی سے نکال کر وجود کی روشنی میں لاتا ہے، وہ سب سے زیادہ نور کہلانے کا مستحق ہے۔

وجود ایک نور ہے، جو اس کی ذات کے نور سے تمام اشیاء کو حاصل ہے پس وہ آسمان وزمین کا نور ہے۔ اور جیسے زمین کا ذرہ ذرہ سورج کے وجود پر دال ہے اسی طرح آسمان زمین کی موجودات میں سے ذرہ ذرہ اپنے وجود کے جواز سے اپنے موجد کے وجود کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

چنانچہ ہم اسم ظاھر کے بیان میں جو لکھ لکھے ہیں اس سے نور کے معنی بخوبی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اور اس کے معنوں کے بیان میں جو فضول موشگافیاں کی گئی ہیں پھر ان کی ضرورت نہ رہے گی۔

فوائد:

اس اسم پاک کی برکت سے جسم وقلب منور ہو جاتا ہے۔ انوار الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے۔ امام علی رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ۲۵۶ مرتبہ اس اسم کو روزانہ ورد میں رکھے تو قلب نورانی ہو گا اور آنکھیں نور الٰہی سے منور ہوں گی۔ اس کے قاری سے ہر شخص عزت واحترام سے پیش آئے گا۔ شیخ بونی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص اس کا ورد کرے گا نور ایمان سے اس کا دل منور ہو جائے گا۔ (تنویر الاسماء)

اَلْهَادِیْ

(ہدایت کرنے والا)

شرح: ھادی وہ ہے، جو اپنے خاص خاص بندوں کو اپنی ذات کی شناخت کا راستہ بتاتا ہے حتی کہ وہ اس کی ذات سے اشیاء پر دلیل قائم کرتے ہیں اور عام بندوں کو مخلوقات کی طرف ہدایت دیتا ہے حتی کہ وہ مخلوقات سے اس کی ذات پر دلیل ٹھیراتے ہیں اور ہر مخلوق کو اپنی ضروری حاجتوں کے پوری کرنے کی سمجھ دیتا ہے۔ چنانچہ بچے کو پیدا ہوتے ہی پستان کو منہ میں لینے کا ڈھنگ بتا دیتا ہے اور پھر چوزے کو اس کے انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنے کا طریقہ سکھا دیتا ہے۔ شہد کی مکھی کو ایسے شش پہلو

خانوں کے گھر بنانے کا طریقہ سکھاتا ہے جو اس کے جسم کے اس طرح سما جانے کے لیے کہ اردگرد کچھ خالی جگہ نہ رہے، تمام صورتوں سے زیادہ مناسب ہے۔ یہ تفصیل بڑی لمبی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے ''اَلَّذِی اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی'' ترجمہ: ''وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی بناوٹ عطا فرمائی پھر اس کو راہ دکھائی۔'' اور ''وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی'' ترجمہ: ''اور جس نے ہر چیز کا اندازہ کیا پھر ہدایت کی۔''

بندوں میں ھادی انبیاء اور علماء ہیں جو مخلوقات کو سعادت اخرویہ کی طرف لے جاتے ہیں اور صراط مستقیم پہ چلاتے ہیں۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ ان کی زبانی ہدایت کرتا ہے اور وہ اس کی قدرت و تدبیر کی تحت میں کام کرتے ہیں۔

فوائد:

اس اسم پاک کو عاملین کا ہر کارہ کہتے ہیں۔ یعنی ہر کام اس اسم پاک کی برکت سے انجام پاتا ہے۔ شیر خوار بچہ کا رونا، شریر و نافرمان بچوں، کج خلق بدکردار مرد و عورتوں کے سدھارنے کیلئے خاص طور پر اس کے عمل کیے جاتے ہیں اور نقش دیئے جاتے ہیں۔ سیدی مرشدی حضور مفتی اعظم ہند مدظلہ، ہر غیر مسلم کو خواہ کسی بھی ضرورت وحاجت لے کر آیا ہو دیگر نقوش کے ساتھ اعداد میں اس نقش کو ضرور دیتے تھے۔

اَلْبَدِیْعُ

(موجد)

شرح: بدیع وہ ہے جس کی کوئی مثال نہ گذری ہو پس اگر ذات، صفات اور افعال میں اور اس کے متعلقہ ہر امر میں اس کی کوئی مثل نہ گذری ہو تو وہ بدیع مطلق ہے اور اگر کوئی اس قسم کی شے گذر چکی ہو تو وہ بدیع مطلق نہیں رہے گا یہ اسم مطلقاً اللہ تعالیٰ سے خاص ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ قبل (پہلے) کا معنی کوئی بھی نسبت نہیں رکھتا۔ پس

کوئی اس جیسی شے سے پہلے کیونکر ہو سکتی ہے اور اس کے بعد جو چیز موجود ہوئی ہے وہ اس کی ایجاد سے بنی ہے اور وہ اپنے موجد سے کوئی مناسب نہیں رکھتی۔ پس وہ ازلاً و ابداً بدیع ہے۔

بندوں میں سے جو شخص نبوت۔ یا ولایت یا علم میں ایسی فوقیت حاصل کرے کہ اس کی نظیر سابق میں نہ گذری ہو۔ یا اس کے زمانہ میں کوئی اس کی نظیر موجود نہ ہو۔ تو اپنے مخصوص اوصاف میں خاص زمانہ کے اندر بدیع ہے۔

فوائد:

اگر اس اسم کو بوقت دعا ستر مرتبہ پڑھے تو دعا مستجاب ہوگی، جس شخص سے اس کی کوئی محبوب شے چھین لی گئی ہو یا کسی امر مشکلہ میں سرگشتہ ہو یا کسی معاملہ میں پریشان ہو یا کوئی والی یا حاکم اپنے عہدے سے معزول کر دیا گیا ہو تو غسل کر کے جامہ پاک پہنے اور رزق حلال سے صدقہ دے اور بعد تصدق دو رکعت نماز ادا کرے اور ستر مرتبہ

"یا بدیع السموات والارض یا قاضی الحاجات"

اور ایک ہزار مرتبہ "یابدیع" پڑھے انشاء اللہ مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی۔ (تنویر الاسماء)

اَلْبَاقِیْ

(باقی رہنے والا)

شرح: یہ وہ موجود ہے جو لذاتہ واجب الوجود ہے لیکن جب اس کو ذہن میں زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کیا جائے تو وہ باقی کہلائے گا اور جب زمانہ ماضی سے نسبت دی جائے تو اس کو قدیم کہا جائے گا۔

باقی مطلق وہ ہے جس کے وجود کی تقدیر زمانہ مستقبل میں کسی آخری حد تک منتہی نہ ہو۔ جس کے لیے یہ لفظ مقرر ہیں کہ وہ ابدی ہے، اور قدیم مطلق وہ ہے جس

کے زمانے میں وجود کی درازی کا ماضی میں کوئی آغاز نہیں اور اس کے لیے یہ لفظ مقرر ہیں کہ وہ ازلی ہے۔

جب تم تسلیم کرتے ہو کہ وہ لذاتہ واجب الوجود ہے تو یہ تمام معنی اس میں آجاتے ہیں۔ یہ اسماء جو مقرر کیے گئے ہیں تو ذہن میں اس وجود کو ماضی و مستقبل کی طرف منسوب کرنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ ماضی و مستقبل کے مفہوم میں متغیرات کا معنی شامل ہے۔ اس لیے کہ وہ دونوں زمانے ہیں اور زمانہ میں حرکت و تغیر ہی داخل ہیں۔ کیونکہ حرکت بذاتہا ماضی اور مستقبل کا مجموعہ ہے اور متغیر تغیر کے واسطہ سے زمانہ میں داخل ہوتا ہے۔ پس جو ذات تغیر اور حرکت سے بالاتر ہے وہ زمانہ میں سے نہیں ہے اور نہ اس میں ماضی واستقبال ہے۔ یہ امور تو ہمارے ہی لیے ہیں، جن پر زمانہ گذرتا ہے۔ اب کچھ اور حالت ہے۔ پھر کچھ اور ہو گی۔ اس کے بعد کچھ اور ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ جو حالت گذر چکی ہے وہ ماضی جو موجود ہے وہ حال، اور جو آنے والی ہے مستقبل کہلاتی ہے۔ اور جہاں نہ آغاز ہے نہ انجام وہاں زمانہ ہی نہیں اور کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ ہی نے تو زمانہ کو پیدا کیا ہے۔ پس وہ زمانہ سے پیشتر ہے اور زمانے سے بعد جوں کا توں رہے گا۔

کسی کا یہ خیال بالکل دوراز عقل ہے کہ بقا کی صفت باقی کی ذات سے زائد ہے اور اس سے بھی زیادہ بعید خیال یہ ہے کہ قدامت کی صفت قدیم کی ذات سے زائد ہے ان خیالوں کی بیہودگی اس سے ظاہر ہے کہ اس بنا پر بقاء کی بقاء اور صفات کی بقاء اور قدامت کی قدامت اور صفات کی قدامت کا خبط لازم آتا ہے۔

فوائد:

اسی اسم کی برکت سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جب پہلوانی کیا کرتے تھے کسی نے آپ کو چت نہیں کیا اور اسی کی برکت سے منصب ولایت سے سرفراز فرمائے گئے۔

شیخ بونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اسم کا ذاکر کبھی بیمار نہیں ہوتا، اگر بادشاہ ذکر

کرے تو ملک پر زوال نہ آئے گا۔ شیخ مغرب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ہر شب سو مرتبہ اور شب جمعۃ المبارک ایک ہزار مرتبہ پڑھے تو مستجاب الدعوات ہو جائے گا۔

اَلْوَارِثُ

(فنائے موجودات کی بعد باقی رہنے والا)

شرح: وارث وہ ہے جو مالکوں کے فنا ہونے کے بعد مملوکات کا مالک قرار پاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جو مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد باقی ہے اور آخر ہر شے کا مرجع وہی ہے۔ اس وقت وہ یوں فرمائے گا:

"لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔" ترجمہ: "آج کس کی بادشاہی ہے۔"

پھر یوں جواب دے گا:

"لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" ترجمہ: "اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہے۔"

یہ سائلانہ ندا ان اکثر لوگوں کے غلط زعم کو دور کرنے کی غرض سے کی جائے گی جو خود بادشاہ اور صاحب ملک ہونے کا گھمنڈ رکھتے ہیں۔ اس وقت اصل معاملہ ان پر روشن ہو جائے گا لیکن جو لوگ صاحب بصیرت ہیں وہ ہمیشہ سے خود بخود اس ندا کا معنی سمجھے ہوئے ہیں بلکہ یہی ندا بلا حرف و آواز ہر وقت سن رہے ہیں اور دل سے یقین رکھتے ہیں کہ ہر وقت اور ہر لحہ میں اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہے اسی لیے وہ ازلی و ابدی ہے۔ اس بات کو بھی وہی شخص سمجھ سکتا ہے، جو توحید الفعل کی حقیقت جانتا ہے اور بخوبی سمجھتا ہے کہ زمین و آسمان کی قلمرو میں فاعل واحد وہی واحد و یکتا ہے۔

اس بات کو ہم نے احیاء العلوم کے باب توکل کے آغاز میں بیان کیا ہے شوق ہو تو اس میں مطالعہ کرو کیونکہ یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔

فوائد:

اس اسم پاک کی برکت سے اس کا ذاکر اپنی قوم میں سردار معظم ہوگا۔ صاحب

اولاد ہوگا، اموال میں برکت ہوگی، روزی فراخ ہوگی۔

شیخ بونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وسعت رزق کیلئے اس کی تلاوت مفید ہے اور کوئی شخص اس اسم کے دریائے وسعت معانی میں غرق ہو کر یعنی صاحب حال ہو کر پڑھے تو قبیلہ کی سرداری حاصل ہوگی، اولاد میں کثرت، اموال میں برکت ہو۔ (تنویر الاسماء)

اَلرَّشِیْدُ

(صاحب رشد)

شرح: یہ وہ ذات پاک ہے جس کی تدبیریں ٹھیک ٹھیک اپنے مقاصد پر فائز ہوں بلا اس کے کہ کوئی معاون ان کی اعانت کرے یا کوئی راہنما ان کو راہ پر قائم رکھے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو جتنی جتنی دینی و دنیوی تدبیرات کی ہدایت بخشی ہے اتنی ہی تدبیرات کی ٹھیک راہ پر چلنے اور ان سے صحیح مقصد حاصل کرنے کی توفیق بھی دی ہے۔

فوائد:

اس اسم کا عامل کسی قوم کا لیڈر یا رہنما ہو تو وہ قوم سرفراز ہوگی۔ اس کے مشورے اور اس کے حکم کی تعمیل سے وہ قوم یا قبیلہ ترقی کی منازل پر گامزن ہوگا۔ علو مرتبت، عظمت و شہرت کا چرچا ہوگا۔

حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی اس کا ورد کرے گا اس کے تمام امور نہایت سہولت اور حسن و خوبی سے انجام پائیں اور شیخ احمد فرماتے ہیں کہ بعد نماز صبح و مغرب کھڑے ہو کر ایک ہزار مرتبہ پڑھے تو مہمات میں بلا سعی کامیابی نصیب ہوگی، اگر بہ نیت استخارہ پڑھے تو ہر کام کا انجام اور نفع و ضرر کا حال عالم خواب یا حالات بیداری میں معلوم ہوگا۔ (تنویر الاسماء)

اَلصَّبُوْرُ

(بڑا صبر کرنے والا)

شرح: یہ وہ ہے جس کو کوئی تیزی اور تندی کسی کام کو جلد اور قبل از وقت کرنے پر مجبور نہیں کرتی۔ بلکہ وہ تمام امور کو خاص اندازے پر قائم کر کے محدود راہ پر چلاتا ہے اور ان کو نہ کسی سست کارندے کی طرح مقررہ وقت سے پیچھے ڈالتا ہے اور کسی جلد باز کی طرح قبل از وقت کرنے لگتا ہے۔ بلکہ وہ ہر کام کو اس کے مقرر وقت پر، مناسب طریقے سے کرتا ہے۔ یہ تمام امور بلا کسی مخالف کے انجام پاتے ہیں۔

بخلاف اس کے بندے کا صبر مخالف کے مقابلے سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے صبر کے معنی ہی یہ ہیں کہ عقل و دین کی خواہش۔ شہوت و غضب کی خواہش کے مقابلے میں ثابت قدم رہے۔ جب دو مخالف خواہشیں باہم کھینچا تانی کرتی ہیں اور جلد بازی کی خواہش دھیمی ہو کر تاخیر اختیار کرتی ہے تو اس خواہش والا صبور کہلاتا ہے کیونکہ اس نے جلد بازی کی خواہش کو پست کر لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میں جلد بازی کا کوئی باعث ہی نہیں ہے۔ پس جب وہ شخص جس میں عجلت کا باعث موجود ہے (گو وہ کمزور ہی ہو گیا ہے) صبور کہلاتا ہے۔ تو وہ ذات اس سے بھی زیادہ اس اسم کی حق دار ہے جس میں اس قسم کا کوئی بھی باعث موجود نہیں ہے۔

فوائد:

اس اسم پاک کے ذکر سے سختیوں پر صبر حاصل ہوتا ہے اور اس اسم کا ذاکر کوئی سخت کام کرنے سے عاجز نہیں ہوتا، اگر کسی عظیم صدمے اولاد یا کسی عزیز و محبوب کے انتقال کی وجہ سے خلل دماغ، حافظہ کی خرابی وغیرہ امور لاحق ہو جائیں تو اس اسم کے نقش کو دھو کر پلائیں۔ (تنویر)

اگر کسی رنج و غم اور درد و مشقت کے موقع پر، خوف و دہشت کے وقت یا دشمنان و حاسدان کی زبان اپنی بدگوئی سے بند کرنا ہو تو ایک ہزار تین بار پڑھے۔ (ظفر جلیل)

فصل نمبر ۱

تنبیہات

تجھے معلوم ہو کہ مذکورہ اسماء وصفات میں سے ہر اسم کے بعد تنبیہات لکھنے کا خیال مجھے حضور نبی کریم ﷺ کے ان دو فرمان کی بنا پر آیا۔

(۱)" تخلقوا با خلاق الله "

ترجمہ: " اللہ تعالیٰ کے اخلاق کی پیروی کرو۔"

(۲)" ان لله تعالیٰ كذا وكذا خلقا من تخلق بواحد منها دخل الجنة " ترجمہ: " اللہ تعالیٰ کے فلاں فلاں اخلاق ہیں، جو شخص ان میں سے ایک خلق بھی پیدا کرلے گا وہ جنت میں جائے گا۔"

صوفیہ حضرات کے کلام کا ماحصل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں لیکن اس کا سیاق وسباق کچھ اس قسم کا ہے جس سے حلول واتحاد کا وہم پیدا ہوتا ہے مگر عقلمند آدمی ایسا گمان بھی نہیں کرسکتا چہ جائیکہ وہ حضرات جو مکاشفات کے فضائل سے ممتاز ہیں۔

میں نے شیخ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے جو اپنے شیخ ابوالقاسم کرکانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ننانوے نام بندہ سالک کے اوصاف بن سکتے ہیں۔

اگر اس سے کوئی ایسی صورت مراد ہے، جو ہماری مذکورہ تنبیہات سے مناسبت رکھتی ہو تو صحیح ہے اور اس کے سوا اور کوئی صورت خیال میں نہیں آسکتی۔ اور پھر کہا جائے گا کہ مذکورہ الفاظ میں ایک قسم کا توسع اور استعارہ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اسمائے حسنیٰ کے معانی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اس کی صفات کسی غیر کی صفت نہیں بن سکتیں۔ ہاں اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ غیر خدا ایسی صفات سے موصوف ہو سکتا

ہے، جو اللہ تعالیٰ کی صفات سے مناسبت رکھتی ہوں جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے استاد کا علم حاصل کیا ہے حالانکہ استاد کا علم شاگرد کو حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ ایک اور علم اس کے علم کی مثل حاصل ہوتا ہے۔

اگر کسی کا یہ گمان ہو کہ اس سے مراد مذکورہ صورت نہیں ہے تو یہ قطعاً باطل ہے کیونکہ کال کے اس قول میں کہ اسمائے باری تعالیٰ کے معانی غیر اللہ کے اوصاف بن سکتے ہیں۔ یا تو ان اوصاف سے عین خدا کے اوصاف مراد ہیں یا ان کی مثل اگر مثل مراد ہیں تو ضرور یا تو مطلقاً اور من کل الوہ ان کی مثل مراد ہوں گے یا ان کی مثل من حیث الاسم ہوں گے اور عموم صفات میں مشارکت ہوگی۔ نہ کہ خواص معانی میں۔ پس یہ دو قسمیں ہوئیں۔ اور اگر عین صفات اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے بندے کی طرف منتقل ہو کر آئی ہوں گی یا نہیں۔ اگر منتقل ہو کر نہیں آئیں تو پھر ضرور یا تو بندے اور اللہ تعالیٰ کی ذات متحد ہوگئی ہوگی۔ لہٰذا جو صفت اس کی ہے وہی اس کی ہے یا ان میں حلول ہوگا۔ پس یہ پانچ احتمال ہوئے یعنی:

(۱) بندے کی صفات کا اللہ تعالیٰ کی صفات کے مثل مطلق ہونا۔

(۲) بندے کی صفات کا اللہ تعالیٰ کی صفات کے مثل من حیث الاسم ہونا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی صفات کا بندے میں منتقل ہوجانا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی ذات اور بندے کی ذات کا متحد ہوجانا۔

(۵) حلول۔

ان پانچوں صورتوں میں سے صرف دوسری صورت صحیح ہے کہ بندے کی صفات اللہ تعالیٰ کی صفات کی مثل من حیث الاسم ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان صفات میں سے بندے کے لیے وہ امور ثابت ہوتے ہیں جو ان صفات کے مناسب ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ صرف نام کی شرکت رکھتے ہیں پوری پوری مماثلت نہیں رکھتے۔ جیسے کہ ہم تنبیہات میں بیان کرتے آئے ہیں۔

پہلی صورت یعنی بندے کی صفات اللہ تعالیٰ صفات کی مثل مطلق ہیں، محال ہے۔ کیونکہ ان میں سے ایک یہ صفت بھی لازم ہے کہ بندے کا علم تمام معلومات پر محیط ہو۔ یہاں تک کہ آسمان وزمین میں کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے خارج نہ رہے۔ اور یہ کہ اس کو ایک ایسی قدرت حاصل ہو جو تمام مخلوقات پر شامل ہو۔ یہاں تک کہ وہ اس کے ذریعے سے آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا خالق کہلاتا ہو۔ یہ باتیں غیر اللہ کے لیے بھلا کیونکر ثابت ہو سکتی ہیں اور بندہ کیونکر زمین و آسمان اور ان کی درمیان کی چیزوں کا خالق ہو سکتا ہے حالانکہ وہ خود ان اشیاء میں سے ہے۔ تو اپنے آپ کا خالق وہ کیونکر ہو سکتا ہے اگر یہ صفات دو بندوں کے لیے ثابت ہوں، جو ایک دوسرے کے خالق ہوں تو گویا ہر ایک اپنے خالق کو پیدا کرنے والا ہے اور یہ سب واہیات اور محال باتیں ہیں۔

تیسری صورت یعنی عین صفات ربوبیت منتقل ہو کر بندہ میں آجاتی ہیں یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ اول تو صفات کا اپنے موصوف سے جدا ہونا محال ہے اور یہ محال ذات قدیمہ سے خاص نہیں بلکہ اشیائے حادثہ میں بھی ایسا ہونا محال ہے۔ چنانچہ یہ امر ممکن نہیں کہ زید کا علم بعینہ عمرو میں منتقل ہو جائے بلکہ صفات کا قیام صرف موصوف کے ساتھ ہوتا ہے، دوسرے اگر یہ صفات منتقل ہوتی ہوں تو لازم ہے کہ جس میں سے منتقل ہوں وہ ان سے خالی رہ جائے۔ پس ذات خدا ربوبیت اور صفات ربوبیت سے خالی رہ جائے گی اور یہ بھی صاف طور پر محال ہے۔

چوتھی صورت یعنی اتحاد بھی بالکل محال ہے کیونکہ قائل کا یہ قول کہ بندہ رب بن گیا، فی نفسہ متناقص ہے۔ بلکہ اس قسم کے محال احتمالوں کو خدا کے حق میں کرنا تو خلاف ادب ہے۔ ہم ایک عام قول پیش کرتے ہیں، کہ قائل کا یہ قول کہ، فلاں شے بن گئی مطلقاً محال ہے۔ کیونکہ مثلاً جب زید کو علیحدہ اور عمرو کو علیحدہ عقل تسلیم کرتی ہے۔ پھر جب کہا جائے کہ زید عمرو بن گیا اور اس کے ساتھ متحد ہو گیا تو پھر یا تو دونوں موجود

ہوں گے یا دونوں معدوم ہوں گے۔ یا زید موجود اور عمرو معدوم ہوگا۔ یا عمرو موجود اور زید معدوم ہوگا اور یہ چاروں صورتیں غیر ممکن ہیں کیونکہ اگر دونوں موجود ہوں گے تو ایک دوسرے کا عین نہ ہوئے ہوں گے بلکہ ان میں سے ہر ایک کا عین موجود ہے اور مقصود صرف یہ ہے کہ دونوں کا مکان متحد ہو جائے مگر یہ بھی صفات کے اتحاد کا موجب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ علم، ارادہ، قدرت وغیرہ مختلف اوصاف ایک ذات میں جمع ہوتے ہیں اور ان کا محل بھی متبائن نہیں ہوتا۔ تاہم قدرت علم نہیں بن جاتی۔ اور نہ علم ارادہ ہو جاتا ہے اگر دونوں معدوم ہوں گے، تو دونوں متحد کہاں ہوئے بلکہ دونوں کا وجود ہی نہ ایک معدوم اور دوسرا موجود ہوتو بھی اتحاد نہیں۔ کیونکہ موجود معدوم کے ساتھ متحد نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ کہ دو چیزوں کا مطلقاً متحد ہونا محال ہے۔ اور یہ حکم نہ صرف ان اشیاء میں جاری ہے، جو ایک دوسری سے مختلف ہیں بلکہ ان اشیاء میں بھی جو ایک دوسری کی مثل ہیں۔ چنانچہ اس سیاہی کا وہ سیاہی بن جانا، ویسے ہی محال ہے جیسے اس سیاہی کا وہ سفیدی بن جانا یا وہ علم بن جانا محال ہے۔

بندے اور رب کے درمیان جو تبائن ہے وہ سیاہی اور علم کے تبائن سے زیادہ ہے۔ پس سرے سے اتحاد ہی باطل ہے۔ اور اتحاد جو عموماً مشہور ہے اور کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ چیز وہ بن گئی۔ یہ محض بطور توسع اور مجاز کے کہا کرتے ہیں جو صوفیوں اور شاعروں کی عادت ہے، کیونکہ یہ لوگ اپنی بات کو دلچسپ بنانے اور خوبصورتی کے ساتھ سمجھانے کے لیے استعارہ کا طریق اختیار کرتے ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

تو من شدی من تو شدم من تن شدم تو جاں شدی

اور یہ قول خود شاعر کے خیال میں قابل تاویل ہے کیونکہ اس کا یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ عاشق مطلقاً معشوق بن گیا۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ عاشق کی حالت معشوق کی ہی اور معشوق کی حالت عاشق کی ہی ہے۔ کیونکہ وہ معشوق کی خاطر اسی طرح مصروف فکر وغم ہے جس طرح اپنی جان کی خاطر ہوتا ہے اور معشوق اس کو ویسے ہی محبوب ہے۔ پس

اس حالت کو مجازاً اتحاد قرار دیدیا۔

انہیں معنوں پر ابو زید کا یہ قول حمل کیا جا سکتا ہے کہ ''میں اپنی ہستی سے اس طرح نکل گیا جس طرح سانپ کینچلی سے نکل جاتا ہے اب جو دیکھتا ہوں تو میں وہ (یعنی حق) ہوں۔'' مطلب اس کا یہ ہے کہ جو شخص اپنی نفسانی خواہشات اور ارادوں سے قطع تعلق کر لیتا ہے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا خیال نہیں رہتا اور اس کے دل میں اللہ کا جلال و جمال اس قدر سما جاتا ہے کہ وہ اسی میں مستغرق ہو جاتا ہے بعینہ وہی نہیں بنتا اور اس سے مشابہ ہونے اور بالکل وہی بن جانے میں بڑا فرق ہے، لیکن بعض اوقات کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں شے بالکل فلاں شے ہے لیکن مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں شے فلاں شے جیسی ہے۔ جیسا کہ شاعر کبھی تو کہتا ہے: ''تو من شدی من تو شدم'' اور کبھی کہتا ہے:

تو مثال من شدی و من مثال تو شدم

اس مقام پر عقائد کا قدم مستحکم رہنا مشکل ہے کیونکہ جس شخص کو معقولات میں پوری مہارت نہیں ہے وہ ان دونوں صورتوں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ اپنے کمال ذات پر نظر کرتا ہے جس میں حقانیت کے جوہر چمکتے ہوتے ہیں تو اس کو گمان ہوتا ہے کہ میں حق ہوں اور ''انا الحق'' کی صدا بلند کرنے لگتا ہے، یہ شخص درحقیقت نصاریٰ کی ہی غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ جو یہی خیال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق رکھتے ہیں اور ان کو خدا سمجھتے ہیں بلکہ اس شخص کی سی غلطی کر رہا ہے جو آئینہ میں کوئی رنگ دار صورت دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ صورت اور رنگ آئینہ کا ہے حالانکہ خود آئینہ کی نہ صورت ہے اور نہ رنگ ہے بلکہ اس کا یہ خاصہ ہے کہ اس میں رنگین صورتیں اس طرح منقش ہوتی ہیں کہ ظاہری امور کی طرف دیکھنے والے کو خیال ہوتا ہے کہ یہ صورت آئینہ کی ہے۔ حتیٰ کہ بچہ جب انسان کی صورت آئینہ میں دیکھتا ہے تو اس کو شک ہوتا ہے کہ آئینہ میں انسان موجود ہے۔ اسی طرح قلب فی نفسہ صورت اور ہیئت سے خالی ہے اور اس

کی ہیات صرف یہ ہے کہ وہ ہیات اور صورت کے معنوں اور حقائق کو قبول کرتا ہے۔ پس جو چیز اس میں حلول کرتی ہے وہ اس کے ساتھ متحد ہو جانے والی چیز کے مثل ہوتی ہے، تحقیقاً متحد نہیں ہوتی اور جو شخص بوتل میں شراب دیکھے اور وہ بوتل وشراب کی جدا جدا حقیقتوں کا علم نہ رکھتا ہو تو وہ کبھی تو کہے گا بوتل کوئی چیز نہیں جو کچھ ہے شراب ہے اور کبھی کہے گا شراب کوئی شے نہیں جو کچھ ہے بوتل ہے۔ چنانچہ اس خیال کو ایک شاعر نے یوں باندھا ہے:

رق الزجاج وراقت الخمر　　　فتشا بها فتشاكل الامر

فكانما خمر ولا قدح　　　و كانما قدح ولا خمر

ترجمہ: کانچ کا پیالہ صاف ہے اور شراب شفاف دونوں یکساں نظر آتے ہیں کچھ (فرق) معلوم نہیں ہوتا۔ گویا (پیالہ اور شراب مجموعہ) شراب ہی ہے اور پیالہ نہیں اور گویا (یہ مجموعہ) پیالہ ہی ہے اور شراب نہیں۔

جو شخص ''انا الحق'' کا دعویٰ دار ہے یا تو اس کا وہی مطلب ہے۔ جو ''تو من شدی من تو شدم'' کا ہے۔ یا اس بارہ میں اس غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے جس میں نصاریٰ گرفتار ہیں کہ لاہوت اور ناسوت باہم متحد ہیں۔

ابو یزید کا قول ''سبحانی ما اعظم شانی'' اگر ان سے ثابت ہے تو یا انہوں نے اللہ کی طرف سے بطور حکایت کہا ہوگا۔ چنانچہ اگر ان کو یہ کہتے سنا جاتا کہ ''لا اله الا انا فاعبدنی'' ترجمہ: ''نہیں کوئی معبود میرے سو اپس میری عبادت کر'' تو لامحالہ کہا جاتا کہ وہ ان کلمات کو جو قرآن مجید میں سے ہیں بطور حکایت ادا کرتے ہیں۔ اور یا انہوں نے صفت قدس میں سے اپنے حصے کا مشاہدہ کیا ہوگا۔ اس لیے اپنے نفس کی تقدس کی خبر دینے کے لیے سبحانی کہہ دیا۔ اور عامہ خلق کے مقابلہ میں اپنی شان کی عظمت کا اندازہ لگا کر ''ما اعظم شانی'' کہہ دیا۔ اور ساتھ ہی وہ جانتے ہوں گے کہ میرا تقدس اور عظمت مخلوق کے مقابلے میں ہے ورنہ اس تقدس اور عظمت کو اللہ

تعالیٰ کے تقدس اور عظمت سے کوئی نسبت نہیں۔اور یہ الفاظ بھی سکر اور غلبہ کے حال میں ان کی زبان پر جاری ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ ہوشیاری اور اعتدال حال میں ایسے تو ہم خیز اور مشتبہ الفاظ سے اپنی زبان کو بچانا لازم ہے۔سکر کی حالت میں یہ خیال نہیں رہتا۔

ان دونوں تاویلوں کی حد سے گذر کر تم اتحاد اور دل میں لاؤ گے،وہ قطعی محال ہے۔

. رگان دین کے منصب عالی سے کہیں امر محال کے قائل نہ ہو جانا۔ بلکہ چاہیے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذریعہ سے شناخت کرو نہ کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی نظیروں سے۔

پانچویں صورت یعنی حلول بھی محال ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کہا جائے کہ رب نے بندہ میں حلول کیا ہے یا بندہ نے رب میں حلول کیا ہے۔تعالیٰ اللہ رب الارباب عن قول الظالمین۔

بغرض محال اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے بندہ اور رب کا اتحاد لازم نہیں آتا اور نہ بندہ کا رب کی صفات سے متصف ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ حال (حلول کنندہ) کی صفات محل (جائے حلول) کی صفت نہیں بن سکتیں بلکہ حال کی صفات جوں کی توں رہتی ہیں۔

حلول کا محال ہونا اس وقت سمجھ میں آئے گا جب کہ حلول کے معنی روشن کر دیے جائیں کیونکہ معانی مفرد و جب تک بطریق تصور ذہن میں حاضر نہ ہوں ان کی نفی و اثبات کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ پس جو شخص حلول کے معنی نہیں سمجھتا وہ اس بات کو کیونکر سمجھ سکتا ہے کہ حلول ثابت ہے یا محال ہے۔

واضح ہو کہ حلول سے دو نسبتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ایک تو وہ نسبت جو جسم اور اس کے مکان میں ہوتی ہے جس میں وہ موجود ہوتا ہے۔ یہ نسبت ہمیشہ دو جسموں کے مابین ہوتی ہے تو جو ذات جسمیت سے بری ہے اس کے حق میں اس قسم کی نسبت محال ہے۔

دوسری وہ نسبت جو عرض اور جوہر کے مابین ہوتی ہے کیونکہ عرض کا مقام جوہر کے ساتھ ہوتا ہے۔اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جوہر میں حلول کیے ہوئے ہے اور یہ امر

اس ذات کے حق میں محال ہے جو بنفسہ قائم ہے۔

اس بحث میں اللہ تعالیٰ کا ذکر تو سوادب ہے۔ خدا کے سوا جو چیز قائم بالذات ہے اسے کسی دوسری چیز قائم بالذات میں حلول کرنا محال ہے۔ پس دو بندوں میں بھی حلول کا پایا جانا محال ہے۔ تو بندہ اور رب کے مابین حلول کیونکر پایا جا سکتا ہے۔

جب حلول، انتقال، اتحاد اور اتصاف بامثال صفات اللہ محال قرار پایا۔ تو اہل تصوف کے مذکورہ قول کا وہی مطلب ہوگا جو ہم تنبیہات میں بیان کر چکے ہیں۔ اور اس سے صاف سمجھ سکتے ہیں کہ مطلقاً یہ کہنا کہ اسمائے اللہ تعالیٰ کے معانی، بندہ کے اوصاف ہو سکتے ہیں جائز نہیں۔ ہاں کسی ایسی تقیید اور شرط کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے جو توہم اور اشتباہ سے خالی ہو ورنہ یہ مطلق الفاظ توہم پیدا کرتے ہیں۔

سوال:

اس قول کا کیا مطلب ہے کہ بندہ ان تمام اوصاف سے متصف ہونے کے باعث سالک ہے واصل نہیں۔ سلوک اور وصول کے کیا معنی ہے؟

جواب:

واضح ہو کہ سلوک سے مراد اخلاق، اعمال اور علوم کی درستی ہے اور یہ ظاہری اور باطنی حالت کی اصلاح و آراستگی ہے۔ بندہ جب اس حالت میں مشغول ہوتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، مگر وہ اس لیے اپنے باطن کا تصفیہ کر رہا ہے کہ وصول کی استعداد پیدا ہو جائے اور وصول یہ ہے کہ نور حق اس کے سامنے جلوہ گر ہو اور وہ اس نور میں مستغرق ہو جائے اور اپنی پہچان کو دیکھے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہ پہچانے اور اگر اپنے قصد کو دیکھے تو اللہ کے سوا اور کوئی اس کا مقصود نہ ہو۔ پس وہ بالکل خدا ہی کے مشاہدہ اور قصد میں مشغول ہو جائے اور اس بارہ میں اپنے آپ پر نظر نہ کرے تا کہ اس کا ظاہر عبادت کے ساتھ اور باطن تہذیب اخلاق کے ساتھ آباد و آراستہ ہو جائے، اس تمام کیفیت کا نام طہارت ہے اور یہ آغاز ہے سر

انجام اس کا یہ ہے کہ وہ بالکلیہ اپنے نفس سے تعلق قطع کر لے اور خاص اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اس وقت وہ گویا وہی بن جائے گا یہ وصول ہے۔

سوال:

صوفیہ کے کلمات سے ایسے مشاہدات کا مطلب مفہوم ہوتا ہے۔ جو ان کو طریق ولایت میں میسر ہوتے ہیں اور عقل ولایت کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہے اور جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے۔ وہ محض عقلی بحث ہے؟

جواب:

واضح ہو کہ طریق ولایت میں کسی ایسے امر کا واقع ہونا جائز نہیں جو عقل کے نزدیک محال ہو۔ ہاں ایسی بات کا ظہور پذیر ہونا جائز ہے جس سے عقل قاصر ہو۔ مثلاً ولی کو بذریعہ کشف یہ معلوم ہو جانا جائز ہے کہ کل کو فلاں شخص مر جائے گا اور کوئی دوسرا شخص عقل کے ذریعہ سے یہ بات معلوم نہیں کر سکتا۔ بلکہ عقل ایسی بات کے معلوم کرنے سے قاصر ہے اور یہ معلوم ہو جانا جائز نہیں کہ اللہ کل اپنا ایک شریک پیدا کرے گا، کیونکہ عقل اس کو محال قرار دیتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس کے ادراک سے قاصر ہے۔

اس سے زیادہ بعید یہ امر ہے کہ کوئی کہے اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی مثل بنا لے گا۔ پھر اس سے زیادہ دور از امکان یہ امر ہے کہ کوئی کہے اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنا آپ بنا لے گا۔ یعنی میں وہی بن جاؤں گا۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں حادث ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ کو قدیم بنا دے گا۔ میں آسمان و زمین کا خالق نہیں ہوں، اللہ مجھ کو ان اشیاء کا خالق بنا لے گا۔ اور یہ قول مشہور ہے کہ "نظرت فاذا انا ھو" ترجمہ: "میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں خدا ہوں۔"

اگر اس کی تاویل نہ کی جائے اور ظاہری معنوں پر اس کو حمل کیا جائے تو اس کا یہی مطلب ہوگا۔ اور جو شخص اس قسم کی محال بات کی تصدیق کرے، اس کو عقل کا ادنیٰ سے ادنیٰ حصہ بھی نہیں ملا اور وہ معلوم اور غیر معلوم میں تمیز نہیں کر سکتا۔ تعجب نہیں کہ وہ

اس بات کی بھی تصدیق کرے کہ ولی کو بذریعہ کشف یہ معلوم ہو جانا جائز ہے کہ شریعت باطل ہے اور اگر وہ حق ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو باطل کر دے گا اور اس نے انبیاء کی تمام باتوں کو جھوٹی بنا دیا۔

جو شخص یہ کہے کہ سچ کا جھوٹ بن جانا محال ہے۔ وہ صرف عقل کے بھروسہ پر ایسا کہتا ہے کیونکہ سچ کا جھوٹ بن جانا حادث کے قدیم بن جانے، اور بندہ رب بن جانے، سے زیادہ بعید نہیں ہے اور جو شخص ایسی بات میں جو عقلاً محال ہو اور ایسی بات میں سے عقل قاصر ہو فرق نہیں سمجھتا وہ مخاطب ہونے کے بھی قابل نہیں ہے وہ جانے اور اس کا جہل جانے۔

فصل نمبر ۲

مقاصد اور غایات

اہل سنت کے مذہب پر یہ اسماء کثیرہ ایک ذات اور سات صفات کی طرف کیونکر راجع ہوتے ہیں۔ غالباً تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ یہ اسماء بکثرت ہیں جن میں ترادف نہیں ہے۔ اور ہر اسم کے معنی دوسرے اسم کے معنی میں شامل ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ تمام اسماء سات صفتوں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ صفات گو سات ہیں مگر افعال اور اضافتیں اور سلب بہت ہیں، جو حصر سے زائد ہیں۔ پھر ان تینوں قسموں میں سے دو دو قسموں کی ترکیب ہو سکتی ہے۔ یعنی صفت اور اضافت کی صفت اور سلب کی۔ سلب اور اضافت کی۔ اور اور ہر ایک مجموعہ کے مقابلہ میں اسم وضع ہو سکتا ہے اور اس طرح بہت سے نام پیدا ہو سکتے ہیں۔ جن میں سے بعض ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ بعض ذات مع سلب پر۔ بعض ذات مع اضافت پر۔ بعض ذات مع سلب و اضافت پر۔ بعض سات صفتوں میں سے ایک صفت پر۔ بعض صفت اور سلب پر۔ بعض صفت اور اضافت پر۔ بعض صفت اور فعل پر۔ بعض صفت فعل اور اضافت پر۔ بعض سلب پر۔

یہ دس قسمیں ہوئیں۔

(۱) جو اسم ذات پر دلالت کرتا ہے وہ اللہ ہے اور اس کے قریب قریب اسم الحق ہے جب کہ اس سے ذات واجب الوجود ہونے کی حیثیت سے مراد ہو۔

(۲) جو اسمائے ذات مع سلب پر دلالت کرتے ہیں ان کی مثال القدوس اور السلام اور الغنی اور الاحد وغیرہ ہیں۔ چنانچہ القدوس وہ ہے جو تمام خیالات اور تو

ہمات کی نسبت سے پاک اور مسلوب عنہ ہے۔ السلام وہ ہے جس سے عیوب مسلوب ہیں۔ الغنی وہ ہے جس سے حاجت مسلوب ہے۔ الاحد وہ ہے جس سے نظیر اور تقسیم مسلوب ہے۔

(۳) جو اسماء ذات مع اضافت پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کی مثال العلی اور العظیم اور الاول اور الاخر اور الظاھر اور الباطن وغیرہ ہیں۔ علی وہ ذات ہے، جو تمام ذاتوں سے رتبہ میں برتر ہے اس کو اضافت کہتے ہیں۔ عظیم خدا کی ذات پر اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے کہ وہ ادراکات کی حدود سے متجاوز ہے۔ اول وہ ہے جو موجودات سے سابق ہے۔ اخر وہ ہے جس کی طرف موجودات کا انجام ہے۔ ظاھر خدا کی ذات دلالت عقل کی نسبت سے ہے۔ باطن خدا کی ذات حس و وہم کے ادراک کی نسبت سے ہے۔ وقس علیٰ ہذا غیرہ۔

(۴) جو اسمائے ذات مع سلب و اضافت کے معنی رکھتے ہیں ان کی مثال الملک اور العزیز ہے۔ کیونکہ ملک اس ذات پر دلالت کرتا ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو اور اس کی محتاج ہر چیز ہو۔ اور عزیز وہ ہے جس کی نظیر نہ ہو اور اس کا حاصل کرنا اور اس تک پہنچنا دشوار ہو۔

(۵) جو اسماء کسی صفت کے معنی میں ہیں ان کی مثال العلیم اور القادر اور الحی اور السمیع اور البصیر ہے۔

(۶) جن اسماء کا مطلب علم مع اضافت ہو ان کی مثال الخبیر اور الحکیم اور الشھید اور المحصی ہے۔ خبیر کی دلالت علم پر باطنی امور کے لحاظ سے ہے اور شھید کی دلالت علم پر مشاہدات کے لحاظ سے ہے۔ اور حکیم کی دلالت اشرف المعلومات کے لحاظ سے ہے۔ محصی کی دلالت اس حیثیت سے ہے کہ وہ معلومات محصورہ و معدودہ پر محیط ہے۔

(۷) جو اسماء قدرت مع اضافت کا مفہوم رکھتے ہیں ان کی مثال القھار اور

القوی اور المقتدر اور المتین ہیں۔ کیونکہ قوت کمال قدرت ہے اور متانت شدت قدرت ہے اور قہر تاثیر قدرت ہے۔

(۸) جن اسماء کا مفہوم ارادہ مع اضافت یا مع فعل ہے ان کی مثال الرحمن اور الرحیم اور الروف اور الودود ہے۔ کیونکہ رحمت کا مفہوم وہ ارادہ ہے جو کسی محتاج ضعیف کی حاجت روائی سے مضاف ہو۔ رافت سے مراد شدت رحمت ہے۔ اور یہ لفظ رحمت کا مفہوم مبالغہ کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ ود کے معنی وہ ارادہ جو احسان وانعام سے مضاف ہو۔ رحیم کا فعل محتاج کا متدعی ہے۔ ودود کا فعل اس کا متدعی نہیں۔ بلکہ وہ انعام بطریق ابتدا کا متدعی ہے۔ اور یہ اس ارادہ کی طرف راجع ہوتا ہے جو احسان اور ضعیت کی قضائے حاجت سے مضاف ہے اور اس کی وجہ تم اوپر پڑھ آئے ہو۔

(۹) جو اسماء صفات فعل کا مفہوم رکھتے ہیں۔ ان کی مثال الخالق اور البارئ اور المصور اور الوهاب اور الرزاق اور الفتاح اور القابض اور الباسط اور الخافض اور الرافع اور المعز اور المذل اور العدل اور المقیت اور المجیب اور الواسع اور الباعث اور المبدئ اور المعید اور المحیی اور الممیت اور المقدم اور المؤخر اور الوالی اور البر اور التواب اور المنتقم اور المقسط اور الجامع اور المانع اور المغنی اور الهادی وغیرہ۔

(۱۰) جو اسمائے فعل پر کسی زیادتی کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔ ان کی مثال المجید اور الکریم ہے۔ کیونکہ مجید وسعت اکرام پر دلالت کرتا ہے جس کے ساتھ شرف ذات بھی شامل ہو یہی معنی کریم کے ہیں۔ اور لطیف فعل کی نرمی پر دال ہے۔

فصل نمبر ۳

فلاسفہ معتزلین کے مذہب پر ان تمام صفات کے ایک ذات کی طرف رجوع کرنے کا بیان

اگر چہ یہ فصل اس کتاب کے لائق نہیں ہے لیکن بحکم التماس مجھے اس کو درج کتاب کرنا پڑا۔ جو صاحب اس کو کتاب میں نہ رکھنا چاہیں ان کو اس کے نکال ڈالنے کا اختیار ہے کیونکہ وہ غیر ضروری ہے۔

واضح ہو کہ فلاسفہ معتزلین اگر چہ صفات کے منکر ہیں اور ذات واحد کے سوا اور کسی شے کا اثبات نہیں کرتے۔ تاہم وہ افعال کثرت سلب اور کثرت اضافات کا انکار نہیں کرتے۔ چنانچہ ہم جو ان اسماء کو ان اقسام میں ضبط کرتے ہیں تو وہ بھی اس میں معاون ہیں۔

ہفت صفات یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام ان کے نزدیک سب کی سب علم میں جمع ہو جاتی ہیں پھر علم ذات کی طرف راجع ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ سمع سے ان کے اللہ تعالیٰ کا وہ علم تام مراد ہے جو آوازوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اور بصر سے وہ علم جو رنگوں سے اور تمام اشیاء دیدنی سے متعلق ہے۔ اور کلام معتزلہ کے نزدیک اس کے فعل کی طرف راجع ہے۔ اور یہ وہ کلام ہے جو وہ جمادات میں سے کسی جسم کے اندر پیدا کر دیتا ہے۔ اور فلاسفہ کے نزدیک اسماع (سنانا) کی طرف راجع ہے۔ جس کو وہ نبی علیہ السلام کی ذات میں پیدا کر دیتا ہے۔ حتی کہ وہ ایک معجزہ کلام لوگوں کو سناتا ہے۔ اور وہ کلام خدا سے منسوب ہوتا ہے جس کا مطلب یہ کہ وہ کلام اس پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو انسانی فعل اور انسانی آواز کے ساتھ حاصل نہیں ہے۔

حیات سے مراد اس کا علم بذاتہ ہے۔ کیونکہ جس چیز کو اپنی ذات کا شعور حاصل ہو اس کو حی کہا جاتا ہے۔ اور جس کو اپنی ذات کا شعور نہ ہو اس کو حی نہیں کہتے۔

باقی رہے ارادہ اور قدرت، ارادہ کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ خیر کی وجہ اور اس کے نظام کا علم رکھتا ہے پس اپنے علم کے موافق ایجاد کرتا ہے۔ اور اس کو کسی چیز کا علم ہونا اس چیز کے وجود کا سبب ہوتا ہے۔ اور جب اس کو کسی چیز میں وجہ معلوم ہوتی ہے تو اس کو حاصل کرتا ہے اور اس میں اسے کسی قسم کی کراہیت نہیں ہوتی بلکہ وہ اس پر راضی ہوتا ہے۔ اور راضی کو کبھی ارادہ کرنے والا بھی کہا کرتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے ارادہ کا مفہوم علم ہے جس کے ساتھ عدم کراہیت شامل ہو۔

قدرت کے یہ معنی ہیں کہ وہ جب چاہتا ہے کرتا ہے اور جب نہیں چاہتا نہیں کرتا اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس کا علم رکھتا ہے۔ اور اس کی مشیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کو وجہ خیر کا علم ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جس کے وجود میں خیر جانتا ہے اس کو موجود کرتا ہے اور جس چیز کے موجود نہ ہونے میں خیر جانتا ہے اس کو موجود نہیں کرتا۔ اور نظام خیر کا وجود صرف اس بات کا محتاج ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہو۔ اور غیر موجود چیز اپنی غیر موجودگی میں صرف اس امر کی محتاج ہے کہ اس میں کسی چیز کے پائے جانے کا علم نہ ہو۔

پس نظام معقول نظام موجود کا سبب ہے اور نظام موجود نظام معقول کے تابع ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارا علم معلوم کے تحقق میں قدرت کا محتاج ہے کیونکہ ہمارا فعل ضرور کسی موثر آلہ کے ذریعہ سے ہوگا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہوگا کہ وہ موثر آلہ صحیح وسالم اور پوری طاقت والا ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کسی آلہ کے ذریعہ سے فعل نہیں کرتا بلکہ اس کا علم ہی معلوم کے وجود کے لیے مکتفی ہے۔ پس قدرت بھی علم کی طرف راجع ہے۔

اس سے آگے فلاسفہ معتزلین کا یہ عقیدہ ہے کہ علم بھی اس کی ذات کی طرف راجع ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی ذات کو بذاتہ جانتا ہے۔ پس وہ خود ہی علم بھی ہے عالم بھی، اور معلوم بھی، اور غیر کو بھی اپنی ہی ذات سے جانتا ہے کیونکہ وہ اپنی ذات کو جانتا ہے جو

کل موجودات کی مبدر ہے۔لہٰذا وہ تمام موجودات کو علیٰ سبیل التبعیت اپنی ذات ہی سے جانتا ہے۔پس یہ امر اس کی ذات میں کثرت پائے جانے کا موجب نہیں ہے۔
ان لوگوں کا زعم ہے کہ ذات واحد کے علم کی نسبت کثرت معلومات کے ساتھ ویسی ہی ہے جیسا کہ محاسب کے علم کی نسبت ہے۔ جب کہ اس سے سوال کیا جائے کہ بتاؤ ۲×۲ کتنے ہوئے اور ۲×۲×۲ کتنے اور ۲×۲×۲×۲ کتنے ۔اسی طرح مثلاً دس درجہ تک سوال کیا جائے۔تو قبل اس کے کہ وہ اس سوال کا جواب دینے کے لیے عمل خوب کا سلسلہ پھیلائے اس کو یقین ہے کہ میں اس کے جواب کا علم رکھتا ہوں اور یقین ہی اس کے عمل کی پہلی کڑی ہے۔ یہ یقین گویا سب سے پہلا ایک حسابی خط ہے جس کو حساب کی تمام تفاصیل بلکہ ان کے غیر متناہی سلسلے کے ساتھ بلا تفصیل خاص نسبت ہے۔اور جس طرح ۲×۲ کا سلسلہ تبدریج کثرت کی طرف چلا جاتا ہے۔اسی طرح ان کے نزدیک موجودات میں بھی ترتیب ہے اور ان کے ابتدا میں کثرت نہیں ہے پھر تبدریج کثرت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور اس دعویٰ کی شرح اور اس کی تردید بڑا طول چاہتی ہے جن کی یہاں گنجائش نہیں ہے کیونکہ وہ گویا مقصد کتاب سے خارج ہے۔اگر اس کا شوق ہی ہے تو ہم نے کتاب ''تافتۃ الفلاسفہ'' میں جو کچھ لکھا ہے اس سے تم کو بڑی مدد ملے گی۔

فصل نمبرا

تیسرا فن لواحق اور تتمہ جات میں

اس امر کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نام صرف ننانویں نہیں ہیں:

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک صرف ننانویں کی تعداد میں محصور نہیں ہیں بلکہ ان کے سوا بھی اسماء آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ان میں سے بعض اسماء کی بجائے ایسے اسماء مروی ہیں جو ان کے قریب قریب ہیں اور ایسے اسماء بھی ہیں جو ان سے قریب المعنیٰ نہیں۔

پہلے اسماء کی مثال الاحد بجائے الواحد کے۔ اور القاهر بجائے القهار کے۔ اور الشاكر بجائے الشكور کے۔

دوسرے اسماء جو قریب المعنیٰ نہیں ہیں۔ ان کی مثال الهادى اور الكافى اور الدائم اور البصير اور المنور اور المبين اور الجميل اور الصادق اور المحيط القريب اور القديم اور الوتر اور الفاطر اور العلام اور المليك اور الاكرم اور المدبر اور الرفيع اور ذو الطول اور ذو المعارج اور ذو الفضل اور الخلاق۔

قرآن مجید میں ایسے اسماء ہیں۔ جو روایات میں متفق علیہ نہیں ہیں جیسے المولی اور النصير اور الغالب اور القريب اور الرب اور الناصر اور باضافت اسماء بھی آئے ہیں۔ جیسے شديد العقاب اور قابل التوب اور غافر الذنب اور مولج الليل فى النهار و مولج النهار فى الليل اور محزج الحى من الميت و محزج الميت من الحى۔

حدیث شریف میں ایک اسم السید بھی آیا ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا سید، تو آپ نے فرمایا: سید، اللہ تعالیٰ ہے غالباً آپ کا مقصود یہ ہوگا کہ روبرو مدح کرنے سے منع فرمائیں۔ ورنہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

انا سید ولد ادم ولا فخر۔

ترجمہ: ''میں بنی آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں۔''

احادیث میں اسم الدیان بھی وارد ہوا ہے۔ اسی طرح الحنان اور المنان بھی آئے ہیں۔ اور بھی ایسے اسماء ہیں جو احادیث کی تلاش سے مل سکتے ہیں۔

اگر افعال سے اسماء کا اشتقاق جائز قرار دیا جائے۔ تو ایسے افعال بہت سے ہیں جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سے منسوب ہیں۔ جیسے یکشف السوء وہ مصیبت دور کرتا ہے ویقذف بالحق اور وہ حق کو ظاہر کرتا ہے ویفصل بینھم اور ان کے مابین فیصلہ کرتا ہے وقضینا الی بنی اسرائیل اور ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ میں فیصلہ کر دیا۔

پس ان افعال سے جو اسماء مشتق ہو سکتے ہیں وہ الکاشف اور القاذف بالحق اور الفاصل اور القاضی ہیں۔ ایسے اسماء کا حصر و شمار نہیں۔ یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے، جس کا بیان آگے آئے گا۔

الغرض یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اسمائے اللہ تعالیٰ یہی ننانویں نہیں ہیں جن کی ہم نے شرح لکھی ہے بلکہ ہم نے شرح اسمائے اللہ تعالیٰ کے متعلق عام عادت کو ملحوظ رکھ کر ان پر اقتصار کیا ہے۔ کیونکہ ایک مشہور روایت ہیں اسی قدر تعداد مروی ہے یہ شمار شدہ اسماء اور تفصیلات جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں صحیحین میں نہیں ہیں۔

صحیح حدیثوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ قول آیا ہے کہ ''اللہ کے ننانویں نام ہیں جو شخص ان سب کو پڑھے گا وہ جنت میں جائے گا۔ رہا ان اسماء کا بیان اور تفصیل سو یہ ان میں مذکور نہیں۔

فقہاء اور علماء کا جن اسماء پر اتفاق واقع ہوا ہے۔ ان میں المؤید اور المتکلم

اور الموجود اور الشیئ اور الذات اور الازلی اور الابدی بھی شامل ہیں۔ان پر خدا کا اطلاق کرنا جائز ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ "یوں نہ کہو کہ رمضان آیا کیونکہ رمضان اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ہاں یوں کہو کہ ماہ رمضان آیا۔"

اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی رنج یا غم میں مبتلا ہو اور وہ پڑھے:

اللهم انی عبدك وابن عبدك وابن امتك ناصيتي بيدك ماض فی حكمك عدل فی قضاؤك اسئلك بكل اسم سميت به نفسك او انزلته فی كتابك او علمته احدا من خلقك او استأثرت به فی علم الغيب عندك ان تجعل القران ربيع قلبي و نور صدری وجلاء حزنی و ذهاب همی۔

ترجمہ: "الٰہی میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔تیرا حکم مجھ پر جاری ہے۔تیری قضا مجھ پر عادلانہ ہے۔میں تجھ سے اس ہر اسم کے ساتھ جس کو تو نے اپنا نام مقرر کیا ہے یا تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے یا اپنے علم غیب میں جو تیرے نزدیک ہے، اس کو پسند کیا ہے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن مجید کو میرے دل کی بہار، میرے سینہ کا نور میرے غم کی جلا میری فکر کا دور کرنے والا کر دے۔"

تو اللہ اس کا غم و رنج دور کر دے گا اور بجائے ان کے خوشی اور فراغ بالی عطا کرے گا۔

استأثرت به فی علم الغيب عندك کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اسمائے باری صرف وہی نہیں جو مشہور روایات میں آئے ہیں۔

اب تمہارے دل میں سوال پیدا ہو گا کہ پھر ننانویں کی تعداد میں اسمائے باری تعالیٰ کو محصور کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اور اس نکتہ کا بیان کرنا ضروری بھی ہے۔چنانچہ آئندہ فصل میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

فصل نمبر ۳

اسمائے باری تعالیٰ میں سے ننانویں کی تخصیص کا فائدہ

اس فصل میں چند غور و فکر کی باتیں درج ہیں جن کو ہم سوال و جواب کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

سوال:

کیا اسمائے باری تعالےٰ ننانویں سے زائد ہیں یا نہیں اگر زائد ہیں تو ننانویں کی تخصیص کا کیا مطلب ہے۔ مثلاً جو شخص ایک ہزار درہم کا مالک ہے تو اس کے حق میں یہ کہنا کب جائز ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس صرف ننانویں درہم ہیں گو ہزار میں ننانویں بھی آجاتے ہیں۔ لیکن ایک خاص تعداد کے ذکر سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے ماسوا کی نفی کی گئی ہے۔ اگر اسماء ننانویں سے زائد نہیں ہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ ''اسئلك بكل اسم سميت به نفسك اوانزلته فی كتابك اوعلمته احد امن خلقك اواستأثرت به فی علم الغيب عندك'' اس سے تو صریحاً یہ پایا جاتا ہے کہ بعض اسماء خاص اسی کے علم میں ہیں۔ اور اسی طرح بزرگان سلف کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو اسم اعظم معلوم ہے اور یہ امر انبیاء اور اولیاء کی طرف منسوب کیا جاتا تھا جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ اسم ننانویں اسماء سے خارج ہے؟

جواب:

قرین قیاس تو یہ بات ہے کہ مذکورہ احادیث واخبار کی رو سے، اسماء باری تعالیٰ ننانویں سے زائد ہیں۔ اور جس حدیث میں ان اسماء کا حصر مذکور ہے وہ ایک قضیہ پر نہیں بلکہ دو قضیوں پر شامل ہے۔ اس کی مثال یہ کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک ہزار نوکر

ہیں اب کوئی شخص کہتا ہے کہ حضور اعلیٰ کے ننانویں نوکر ہیں۔ جو شخص ان سے مدد حاصل کر لے دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تو یہاں یہ تخصیص ان نوکروں کی مدد حاصل کرنے کے لحاظ سے ہے۔ یا تو اس وجہ سے کہ وہ ننانویں نوکر زیادہ طاقت ور ہیں اور یا اس لیے کہ ننانویں کی تعداد دفع اعدا کے لیے کافی ہے جس میں کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں۔ یہ تخصیص اس لحاظ سے نہیں کہ صرف وہی نوکر موجود ہیں۔

یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ اسماء اس تعداد سے زائد نہ ہوں اور حدیث کے الفاظ دو قضیوں پر مشتمل ہوں:

ایک قضیہ، یہ کہ ''اللہ تعالیٰ کے ننانویں نام ہیں۔''

دوسرا قضیہ، یہ کہ ''جو کوئی ان سب کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائے گا'' حتیٰ کہ اگر صرف ایک پہلے قضیہ پر بس کریں تو وہ مکمل کلام ہوگا۔ بخلاف اس کے پہلی صورت میں صرف ایک پہلے قضیہ پر بس نہیں ہوسکتی تھی۔

یہ دوسرا احتمال اس حصر کے ظاہری مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے جلد سمجھ میں آجانے والا ہے لیکن دو وجہ سے بعید از قیاس ہے:

■ ایک یہ تو یہ کہ اس سے اس امر کی نفی ہوتی ہے کہ بعض اسماء ایسے بھی ہوسکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب میں اپنے لیے اختیار کیا ہے حالانکہ حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

دوم یہ کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سب کے سب اسماء کو یاد کرنے کی فضیلت صرف نبی یا کسی ولی کو حاصل ہوتی ہے جس کو اسم اعظم آتا ہو، تاکہ اسماء کی تعداد پوری ہوسکے ورنہ اس کے بغیر تعداد ناقص رہے گی اور وصول جنت کے لیے سب کے سب اسماء یعنی ان کی مکمل تعداد شرط ہے۔ پس حصر باطل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے عام لوگوں کو سارے اسماء پڑھنے کی ترغیب دینے کے لیے یہ حصر بیان کیا ہے اور اسم اعظم کو عام لوگ نہیں جانتے۔

سوال:

جب زیادہ قرین قیاس یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ننانویں سے زائد ہیں تو اگر ہم فرض کرلیں کہ یہ اسماء مثلاً ہزار ہوں گے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں سے ننانویں اسماء کے یاد کرنے سے آدمی جنت میں داخل ہوجاتا ہے تو یہ ننانویں خاص خاص اسماء ہیں۔ یا جونسے ننانویں اسماء گن لیں وہی کافی ہوسکتے ہیں حتی کہ ان کو پڑھنے والا بھی جنت میں داخل ہونے کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اور حتی کہ اگر کوئی شخص ابو هریره رضی اللہ عنہ کی ایک روایت والے تمام اسماء کو پڑھے تو داخل جنت ہوجاتا ہے اور اگر ان اسماء کو پڑھے جو دوسری روایت میں آتے ہیں تو بھی جنت کا مستحق ہوجاتا ہے جب کہ ہم دونوں روایتوں کے اسماء کو اسمائے اللہ تعالیٰ سمجھیں۔

جواب:

بظاہر یہی بات درست ہے کہ اس سے مراد ۹۹ معین اسماء ہیں۔ کیونکہ جب وہ معین نہ ہوں گے، تو حصر و تخصیص کا فائدہ ظاہر ہوگا۔ چنانچہ اگر کوئی کہے کہ ''بادشاہ کے ایک سو نوکر ایسے ہیں کہ جو شخص ان کی مدد حاصل کرتا ہے، دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' تو یہ کہنا جبھی درست ہوسکتا ہے کہ بادشاہ کے بہت سے نوکر ہوں۔ اور ان میں سے خاص نوکر جن کی تعداد ایک سو ہو قوت و شوکت میں ممتاز ہوں۔ اور اگر تمام شاہی نوکروں میں سے خواہ کوئی نوکر ایک سو لے لیں ان سے یہ بات حاصل ہوسکتی تو کہنے والے کا مذکورہ قول اپنے طریق ادا کے لحاظ سے پورا نہیں اترے گا۔

سوال:

صرف ۹۹ اسماء کی اس قضیہ سے کیا خصوصیت ہے باقی اسماء بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں؟

جواب:

چونکہ اسماء معنوی جلالت کے لحاظ سے باہم متفادت ہیں اس لیے ممکن ہے کہ

فضیلت میں بھی ایک دوسرے سے متفادت ہوں۔ اور ہوسکتا ہے کہ ۹۹ اسماء اس قسم کے پر جلال معنوں پر مشتمل ہوں جن پر دوسرے اسماء نہ ہوں اس لیے وہ سب سے برتر ہوں۔

سوال:

کیا اسم اعظم ان میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل نہیں تو پھر اسم کیونکر اسم اعظم کہلا سکتا ہے۔ جو اس اسمائے عظمےٰ سے خارج ہے اور اگر داخل ہے تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے جب کہ اسم اعظم صرف نبیوں اور ولیوں کو معلوم ہوتا ہے۔ اور ۹۹ عام مشہور ہیں۔ سنتے ہیں کہ آصف بن برخیا جو بلقیس کے تخت کو لمحہ بھر میں لائے تھے تو وہ اسم اعظم جانتے تھے اور جو شخص اس کو جانتا ہے وہ بڑی بڑی کرامات رکھتا ہے؟

جواب:

یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ اسم اعظم اس تعداد سے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، خارج ہو۔ اور ان اسماء کی عظمت تمام مشہور دمعروف اسماء کے مقابلہ میں ہو، نہ کہ ان اسماء کے مقابلہ میں جو انبیاء واولیا کو معلوم ہیں۔ اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ اسم اعظم انہیں اسماء میں شامل ہو لیکن عام لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کونسا اسم ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔

ترجمہ: ''اور (لوگو!) تمہارا معبود (تو وہی) خدا ہے واحد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے۔''

دوسری آیت یہ سورۂ آل عمران کی شروع کی آیت ہے:

الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ۔

ترجمہ: ''الم۔ اللہ (وہ ذات پاک ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ سنبھالنے والا۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یوں دعا مانگتے سنا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ بِاَنِّی اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔

ترجمہ: ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس طرح کہ میں بالضرور اس امر کی گواہی دیتا ہوں تو اکیلہ بے پرواہ ہے جو نہ جنتا ہے نہ جنا گیا ہے نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔''

تو فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس کے اسم اعظم کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے۔ یہ وہ اسم ہے جس کے واسطہ سے سوال کیا جائے تو وہ پورا کر دیتا ہے اور دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔

سوال:

تمام اعداد میں سے صرف ۹۹ کی تخصیص کیوں ہے اور پھر اس کو بھی پورا سو کیوں نہیں کر دیا گیا جس میں صرف ایک کی کسر ہے؟

جواب:

اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ معانی شریفہ اس حد تک پہنچ گئے۔ نہ اس لیے کہ ان کی تعداد بس ہوگئی۔ بلکہ وہ اس عدد کے موافق آپڑے جیسا کہ صفات اللہ تعالیٰ اہل سنت کے نزدیک سات ہیں یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام نہ اس لیے کہ وہ سات ہیں بلکہ شان ربوبیت ان کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔

دوسرا احتمال جو ذرا زیادہ واضح ہے یہ ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''مائة الا واحد واللہ وتر یحب الوتر'' ترجمہ: ''ایک کم سو، اور اللہ طاق ہے طاق ہی کو دوست رکھتا ہے۔''

مگر اس احتمال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسماء ارادہ اور اختیار سے رکھے گئے ہیں نہ اس حیثیت سے کہ صفات شرف صرف انہی میں منحصر ہیں...... ہوگا نہ کہ بالا ارادہ۔ اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس لیے سات ہیں کہ وہ طاق ہے اور طاق ہی کو دوست رکھتا ہے بلکہ یہ اس کی ذات والہیت کے تقاضے سے ہے نہ کہ طاق ہونے کی وجہ سے اور اس میں عدد غیر مقصود ہے بلکہ وہ کسی مقصد کرنے والے کے قصد پر موقوف نہیں جو جفت کو چھوڑ کر طاق کا قصد کرے یہ بات اس احتمال کی تائید کر سکتی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے وہ صرف ۹۹ ہیں زیادہ نہیں اور اس نے ان کو سو اس لیے نہیں بنایا کہ وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے آیندہ ہم اس احتمال کی تائید کرنے والے امر کی طرف اشارہ کریں گے۔

سوال:

یہ ۹۹ اسماء سب کے سب حضور نبی کریم ﷺ نے جمع کرانے کی غرض سے بیان کر دیئے ہیں یا یہ کام اس شخص کے لیے چھوڑ دیا ہے جو قرآن وحدیث اور آثار سے ان کو جمع کر سکتا ہو؟

جواب:

ظاہر بات جو مشہور تر بھی ہے یہ ہے کہ ان تمام اسماء کو حضور نبی کریم ﷺ نے جمع کرنے کی غرض سے بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ ان کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کیونکہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے ان تمام کو پڑھنے کی ترغیب ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر ان تمام کو رسول اللہ ﷺ بطور جمع بیان کر نہ کر دیتے تو لوگوں کو ان کا معلوم کرنا مشکل تھا۔

مذکورہ دلیل سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے اور جمہور نے ان کی اس مشہور روایت کو تسلیم کیا ہے جس کے مطابق ہم نے اسماء کی یہ شرح لکھی ہے۔

امام احمد اور بیہقی رحمہما اللہ نے اس روایت کے متعلق خوب بحث کی ہے اور کہا

ہے کہ اس روایت میں ضعف ہے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند میں اس کے متعلق ایسی رائے ظاہر کی ہے جس سے اس روایت کے ضعف کا اشارہ پایا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں محدثین نے اس کے متعلق تین خاص امور کا ذکر کیا ہے:

(۱) اول تو یہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مضطرب ہے کیونکہ ان سے دو روایتیں مروی ہیں اور دونوں کے مابین ابدال و تعبیر میں بڑا فرق ہے۔

(۲) دوم اس روایت میں حنان اور منان اور رمضان وغیرہ ان اسماء الٰہیہ کا ذکر نہیں جو احادیث سے ثابت ہیں۔

(۳) سوم صحیح حدیث میں صرف تعداد کا ذکر ہے۔ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول صرف اتنا ہے کہ "اللہ کے ننانویں نام ہیں جو شخص ان سب کو یاد کرتا ہے وہ جنت میں جائے گا۔

وہاں اسماء کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان کا ذکر ایک دوسری غریب روایت میں ہے جس کے اسناد میں ضعف ہے۔ اور اس عدد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ اسماء نہیں ہیں۔ مگر ہم یہ احتمال دکھا چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بعض اسماء چھوٹ گئے ہیں۔

جس روایت میں اسماء کا شمار درج ہے اگر ہم اس کو ضعیف قرار دیں تو تمام اعتراضات رفع ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم کہیں گے کہ اسمائے اللہ تعالیٰ صرف ننانویں ہیں جن کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مقرر فرمایا ہے۔ ان کو پورے سو اس لیے نہیں بنایا کہ وہ طاق ہے اور طاق ہی کو پسند کرتا ہے۔

ان اسماء میں حنان اور منان وغیرہما بھی داخل ہیں یہ تمام اسماء قرآن وحدیث میں غور وخوض کیے بدوں معلوم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان میں سے کچھ اسماء تو قرآن مجید میں مذکور ہیں اور کچھ حدیث میں۔

میں نے بلاد مغرب کے ایک حافظ کے سوا اور کوئی عالم نہیں دیکھا جس نے ان اسماء کو جمع کرنے کی کوشش کی ہو۔ اس شخص کا نام ابن حزم ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے اسی اسماء اللہ تعالیٰ معلوم ہوتے ہیں جو قرآن مجید اور صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں۔ باقی اسماء بھی حدیثوں میں اجتہادی غور و فکر کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

میرے خیال میں ان کو وہ حدیث نہیں پہنچی جس میں اسماء اللہ تعالیٰ کا شمار درج ہے اور اگر پہنچی ہے تو اس کی اسناد کو ضعیف سمجھا ہوگا یا اس کو چھوڑ کر ان روایات کی طرف رجوع کیا ہوگا جو صحیح احادیث میں آئے ہیں۔ پس جو شخص اس طریق سے ان اسماء کو جمع کر کے یاد کرے اس کو اس اجتہاد میں یقیناً سخت تکلیف اٹھانا پڑے گی۔ ایسا شخص فی الواقع جنت میں جانے کے لائق ہے بخلاف اس کے ان اسماء کو یکبارگی زبانی یاد کر لینا سہل ہے جو مشہور روایت میں آئے ہیں۔ ہاں صحیح احادیث کے بعض الفاظ میں یوں بھی وارد ہوا ہے کہ "من حفظها دخل الجنة" جو شخص ان کو حفظ کرے وہ جنت میں جائے گا اور حفظ کے لیے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔

یہ وہ احتمالات ہیں جو اس حدیث کے متعلق سوجھے ہیں جن میں سے بعض باتیں ایسی ہیں جو پہلے کسی کو نہیں سوجھیں۔ اور وہ اجتہادی امور ہیں، جو ذوق سلیم کے ذریعہ معلوم کیے جاتے ہیں کیونکہ درجہ عقل سے بالاتر ہیں۔ واللہ اعلم

فصل نمبر ۳

اس امر کا بیان کہ اسمائے باری تعالیٰ توقیف پر موقوف ہیں یا بطریق عقل جائز ہیں

قاضی ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بطریق عقل جائز ہے مگر ایسا نام جائز نہیں جس سے شرع نے منع کیا ہو۔ یا اس کے معنی خدا کی نسبت سے محال ہوں اور جس نام میں کوئی مانع نہیں وہ جائز ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے یہ توقیف پر موقوف ہے۔ پس خدا کے حق میں ایسے ہر اسم کا اطلاق جائز نہیں ہوسکتا جس کے معنی سے وہ موصوف ہے مگر جب کہ اس کی اجازت آئی ہو۔

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس کی تفصیل کی جائے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو لفظ اسم بن سکتا ہے وہ اذن شرع پر موقوف ہے اور جو وصف بن سکتا ہے وہ اذن پر موقوف نہیں۔ مگر اگر وہ صادق آتا ہے تو مباح ہے اگر کاذب (غیر صادق) ہے تو نہیں۔ اس نکتہ کے سمجھنے کے لیے اسم اور وصف کا فرق معلوم کرنا ضروری ہے۔

واضح ہو کہ اسم وہ لفظ ہے جو مسمیٰ کی دلالت کے لیے موضوع ہو۔ چنانچہ زید کا اسم ہم لفظ زید ہے۔ اور وہ شخص فی نفسہ سفید اور لمبا بھی ہے۔ اور کوئی شخص اس کو یوں پکارے کہ "ارے اور سفید" یا "ارے او لمبے) تو گویا اس نے اس کو وصف کے ساتھ پکارا اور اس کا پکارنا درست تھا۔ لیکن اس نے اسم کے ساتھ پکارنے سے پہلوتہی کی۔ کیونکہ اس کا اسم زید تھا سفید اور لمبا نہیں تھا۔ اور اس کا فی نفسہ سفید اور لمبا ہونا اس امر

پر دال نہیں ہے کہ یہ اس کے اسم ہیں۔ بلکہ ہم اپنے بیٹے کا نام جو قاسم اور جامع رکھ دیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان اسماء کے معنوں سے موصوف ہے۔ بلکہ ان اسماء کی دلالت گو معنوی ہی ہے ایسی ہے جیسے زید اور عیسیٰ کی دلالت ہے۔ بلکہ جب ہم کسی کا نام عبدالملک رکھتے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ بادشاہ کا غلام ہے اور اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ عبدالملک، عیسیٰ اور زید کی طرح ایک مفرد اسم ہے۔ اور جب اس کو وصف کے ذیل میں ذکر کریں تو وہ مرکب کہلائے گا۔ یہی حال عبداللہ کے اسم کا ہے اسی لیے اسم عبداللہ کی جمع عبادلہ آتی ہے نہ کہ عباداللہ۔

جب اسم کے معنی تم سمجھ چکے، تو اب واضح ہو کہ ہر شے کا اسم وہ ہے جس کے ساتھ وہ خود اپنے آپ کو موسوم کرے یا ''اسے ولی'' یا ''والدین'' یا ''مالک'' موسوم کرے۔ اور تسمیہ یعنی اسم مقرر کرنا مسمیٰ کے حق میں تصرف ہے۔ اور یہ تصرف ولایت کا مستدعی ہے اور انسان کی ولایت یا تو اپنے آپ پر ہوتی ہے یا اپنے غلام پر، یا بیٹے پر، اس لیے انہیں کا نام رکھنے کا حق ہو سکتا ہے۔ اور اسی لیے اگر ان کے سوا کسی اور شخص کا نام رکھ دیا جائے تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور خفا ہوتا ہے۔ جب ہم انسانوں کے نام رکھنے کا حق نہیں رکھتے تو اللہ کا نام رکھنے کا ہمیں کیا حق حاصل ہے۔

اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کے نام مبارک شمار میں آئے ہوئے ہیں جن کو خود حضور نبی کریم ﷺ نے شمار کیا ہے۔ اور فرمایا: **میرے بہت سے نام ہیں احمد اور محمد اور المقفی اور الماحی اور العاقب اور نبی التوبۃ اور نبی الرحمۃ اور نبی الملحمہ** ہمیں اختیار نہیں ہے کہ تسمیہ کے طور پر ان ناموں میں کوئی اضافہ کریں۔ ہاں آپ کے وصف کا ذکر کرنے کے طور پر کوئی اسم بول سکتے ہیں۔ پس یہ کہنا جائز ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ عالم ہیں۔ مرشد ہیں، رشید ہیں، ھادی ہیں وغیرہ جیسے کہ ہم زید کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ سفید ہے، لمبا ہے، اور یہ بطور تسمیہ نہیں کہتے بلکہ کے اوصاف کی اطلاع دینے کی غرض سے کہتے ہیں۔

بالجملہ یہ ایک فقہ کا مسئلہ ہے کیونکہ وہ ایک لفظ کی اباحت یا حرمت کا سوال ہے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام رکھنے کی ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ خود حضور نبی کریم ﷺ کا نام رکھنا ناجائز ہے۔ اور رسول بلکہ عام اشخاص کا نام رکھنا ناجائز ہوا۔ تو خدا کا نام رکھنا بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہیے۔ یہ ایک فقہی قیاس ہے اور اس قسم کے قیاس پر بہت سے شرعی احکام بنی ہیں۔

وصف کے مباح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک امر کی خبر ہے اور خبر صدق و کذب پر منقسم ہوتی ہے۔ شرع نے اصولاً کذب کی حرمت کا حکم دیا ہے اور وہ باستثنائے خاص صورتوں کے حلال ہے اور جس طرح زید کے حق میں یہ کہنا جائز ہے کہ وہ موجود ہے اس لیے کہ وہ فی الواقع موجود ہے۔

اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی کہہ سکتے ہیں خواہ اس کے متعلق شرع کا حکم آیا ہو یا نہ آیا ہو اور ہم کہتے ہیں کہ وہ قدیم ہے گویا ہم جانتے ہیں کہ شرع میں یہ نہیں آیا، اور جس طرح ہم زید کے حق میں یہ نہیں کہتے کہ وہ لمبا اور سفید ہے تاکہ مبادا زید سن لے اور اس کو اظہار عیب سمجھ کر رنجیدہ ہو جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں ہم ایسا لفظ ہرگز نہیں بول سکتے جس میں کچھ شائبہ نقص کا پایا جاتا ہو۔ ہاں جن لفظوں میں نقص کا شائبہ نہ ہو یا وہ مدح پر دال ہوں ان کا اطلاق کرنا مباح ہے اور یہ اسی دلیل سے مباح ہے جس سے ایسے صدق کا مباح ہونا ثابت کیا گیا ہے جو حرمت کے عوارض سے پاک ہو۔ اس لیے بعض الفاظ کا اطلاق ممنوع ہے مگر جب ان کے ساتھ کوئی قرینہ شامل ہو جاتا ہے تو جائز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ کہنا جائز نہیں کہ "یا زارع" (اے زراعت کرنے والے یا حارث (اے عورت کے شکم میں بیج بونے والے) ہاں یوں کہہ سکتے ہیں ہیں کہ عورت سے صحبت کرنے والا حارث نہیں۔ حقیقی حارث خدا ہے۔ تخم ریزی کرنے والا زارع نہیں۔ حقیقی زارع خدا ہے۔

تیر انداز تیر نہیں مارتا، بلکہ اللہ تعالیٰ مارتا ہے چنانچہ قرآن پاک میں بھی نازل ہوا ہے

"وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"

ترجمہ: "جب تم نے کنکریوں کی مٹھی پھینکی تو خود تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔"

اور ہم اللہ تعالیٰ کے حق میں صرف یوں بھی نہیں کہہ سکتے کہ "یا مذل" ہاں یوں کہیں گے کہ "یا معز یا مذل" کیونکہ جب یہ دونوں اسم جمع کیے جائیں گے تو وصف مدح بن جائیں گے۔ اس لیے کہ وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تمام امور کی دونوں طرفیں اس کے قبضہ میں ہیں۔

اسی طرح دعا میں اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکار سکتے ہیں۔ جیسا کہ اس نے حکم دیا ہے اور جب اسما سے آگے بڑھیں تو صرف جلال و مدح کی صفات سے اس کو پکاریں گے۔ پس یوں نہیں کہہ سکتے کہ "یا موجود، یا محرك، یا مسکن" ہاں یوں کہیں گے کہ "یا مقیل العثرات، یامنزل البرکات، یا میتویل عیر" جیسے ہم کسی انسان کو بلانا چاہیں تو یا تو اس کو اس کے نام سے پکاریں گے یا اس کی صفات مدح سے پکاریں گے۔ مثلاً "یا شریف، یا فقیه" یوں نہ کہیں گے کہ "ارے او لمبے"! "ارے سفید رنگ والے"! ہاں جب اس کی تحقیر منظور رہو، تو ایسا کہہ سکتے ہیں اور جب ہم اس کی صفات کا ذکر کرنا چاہیں تو یوں کریں گے کہ "وہ سفید رنگ والا اور سیاہ بالوں والا ہے" اور اس کی ایسی صفت کا ذکر نہ کریں گے جس کو سن کر وہ ناپسند کرے، اور وہ کسی ایسی ہی صفت کو ناپسند کریگا جس میں نقص کے معنی پائے جائیں، اور جب ہم سے پوچھا جائے تو اشیاء کو حرکت دینے اور ساکن کرنے والا، سیاہ و سفید بنانے والا کون ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی طرف افعال واوصاف کو منسوب کرنے کیلئے ہم کسی شرعی اذن کے منتظر نہ ہوں گے۔ بلکہ ہر صادق آجانے والی صفت کے متعلق اذن وارد ہو چکا ہے، سوائے ان اوصاف کے جو کسی خاص وجہ سے مستثنیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ موجد ہے، مظفر ہے، مخفی ہے، مسعد

ہے، مشتق ہے، منقی سے، مغنی ہے، اور ان سب کا اطلاق جائز ہے، گو ان کے متعلق توقیف وارد نہیں ہوئی۔

سوال:

تو پھر ہم اللہ تعالیٰ کو عارف، عاقل، فطن (دانا) ذکی وغیرہ کیوں نہیں کہہ سکتے؟

جواب:

ان اسماء اور جیسے دیگر اسماء کے اطلاق میں مانع صرف یہ ہے کہ ابہام پایا جاتا ہے اور جن اسماء میں ابہام پایا جاتا ہو، ان کا اطلاق شرعی اذن کے بغیر جائز نہیں ہے، جیسے الصبور، الرحیم، الحلیم وغیرہ میں موجود ہے۔ مگر ان کے متعلق اذن وارد ہو چکا ہے، مگر مذکورہ اسماء کے متعلق اذن وارد نہیں ہوا۔ یہاں ابہام یہ ہے کہ مثلاً عاقل سے مراد وہ شخص ہے جس کی سمجھ اس کو غلطی سے باز رکھتی ہو کیونکہ عقل کے معنی ہیں باز رکھنا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "عقله عقله" یعنی ان کی عقل نے اس کو باز رکھا۔ اور "فطنت و ذکاء" سے مراد، سرعت ادراک ہے جبکہ مدرک نائب ہو۔ یعنی علیٰ ہذا القیاس باقی اسماء، پس اس قسم کے اسماء کے اطلاق کا مانع صرف وہی ہے، جو مذکور ہو چکا ہے۔ اگر کوئی لفظ تحقیق کو پہنچ جائے تو پھر دونوں مفہوموں میں کوئی ابہام واقع نہیں ہوتا اور نہ شرع اس کی مانع ہے اور ہم بھی اس کا اطلاق قطعاً جائز سمجھتے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع المآب

زاویہ پبلشرز کی دیگر اسلامی کتب

حضرت علامہ شاہ تراب الحق قادری

تصوف وطریقت	90
خواتین کے دینی مسائل	75
ضیاء الحدیث	90
جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	90
امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	120
مزاراتِ اولیاء اور توسل	75
فلاحِ دارین	60
نماز کی کتب	30
مبلغ بنانے والی کتاب	60
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں سے محبت	50
دینی تعلیم	30
تفسیر سورۃ فاتحہ	25
مبارک راتیں	25
اسلامی عقائد	20
جنتی لوگ کون؟	135

مولانا محمد شہزاد قادری ترابی

سُنّتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور جدید سائنس	100
قرآن حکیم اور سوعقائد	60

مظلوم کے آنسو	60
دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟	30
دکھ درد اور بیماریوں کا علاج	30
آئینہ کیوں نہ دوں؟	15
شریعت محمدی ﷺ کے ہزار مسائل	135
کلمہ طیبہ کی تشریح	70
ویلنٹائن ڈے؟	20
بسنت کی حقیقت	20
بیان حق	20
بدعت کا مطالعہ	20

ہمشیرہ محمد صدیق احمد عطاری

عورتوں کے مسائل	170
کامیاب ماں	100
بہارِ خواتین	100
کامیاب استاد	120
عطر العقائد	70
کامیاب طالب علم	80
عورتوں کا حج وعمرہ	120
عورتوں کی نماز	30

زاویہ پبلشرز

دربار مارکیٹ
لاہور۔ فون ۷۲۴۸۶۵۷ — ۰۴۲
موبائل ۹۴۶۷۰۴۴ — ۰۳۰۰

نام کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
کشف العرفان	ڈاکٹر نور محمد ربانی	۱۴۰ روپے
اللہ والے	ظہور الحسن شارب	۱۱۰ روپے
اللہ والیاں	احمد مصطفیٰ صدیقی راہی	۱۱۰ روپے
تاریخ مشائخ نقشبند	محمد صادق قصوری	۲۰۰ روپے
افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم	محمد صادق قصوری	۹۰ روپے
مکاشفات و روحانیات	پروفیسر عبدالصمد الصارم الازہری	۱۲۰ روپے
کرامات صحابہ رضی اللہ عنہ	عبدالمصطفیٰ اعظمی	۷۵ روپے
جنتی زیور	عبدالمصطفیٰ اعظمی	۱۲۰ روپے
تاریخ ساز اقوال	رائے محمد کمال	۱۳۵ روپے
اولاد کو سکھاؤ محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی	ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی ترجمہ ڈاکٹر محمد مبارز ملک	۹۰ روپے
اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ	ثریا بتول علوی	۱۰۰ روپے
فیضان اویس	حضرت خواجہ نور الحسن تارک اویسی رحمۃ اللہ علیہ	۶۰ روپے
تحفہ جوانی	ابن کرم	۶۰ روپے
حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ	بشیر حسین چشتی نظامی	۷۰ روپے
کشف المحجوب	حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری	۱۹۰ روپے
اسلام میں شادی کا تصور	از پروفیسر سعید احمد چشتی	۷۰ روپے
ملفوظات و فوائد حضرت بندہ نواز گیسو دراز	خواجہ بشیر حسن چشتی نظامی	۱۰۰ روپے
شیریں حکایات	محمد امین شرقپوری	۱۰۰ روپے
گلدستہ احادیث	حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ بیربلوی	۹۰ روپے
بزرگوں کے عقیدے	مفتی جلال الدین احمد امجدی	۹۰ روپے
محفل اولیاء	حضرت علامہ شاہ مرلو سہروردی	۱۵۰ روپے
اسلام کی اخلاقی تعلیمات	حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۰ روپے
تاریخ اولیاء	حضرت خواجہ حسن چشتی نظامی	۷۰ روپے
زلف و زنجیر مع لالہ زار	علامہ ارشد القادری	۹۰ روپے
القاعدہ	مقبول ارشد	۱۵۰ روپے
تاریخ کے گمشدہ اوراق	علامہ نیاز فتح پوری	۱۴۰ روپے
جنت کا میوہ	قاری محمد رمضان	۹۰ روپے
حضرت عثمان کا عہد تاریخ	ڈاکٹر نور احمد	۸۰ روپے
پیارے رسول کی پیاری باتیں	فیاض سید	۸۰ روپے
حضرت علیؓ کا دور خلافت	قاری محمد علی نقشبندی	۸۰ روپے
حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دور خلافت	علامہ خالد محمود	۸۰ روپے
حضرت عمر فاروقؓ کا دور خلافت	علامہ خالد محمود	۸۰ روپے
اولاد کو سکھاؤ محبت اہل بیت کی		۱۰۰ روپے
منتخب حدیثیں		۶۰ "
شرح قصیدہ بردہ شریف		۸۰ "

امہات المومنین

سیرتِ حضرت
محمد ﷺ

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ

قصص الانبیاء
امام ابن کثیر
انوار الحدیث
عجائب القرآن
مع
غرائب القرآن
صحابہ کرام کی حقانیت

شاہراہِ ہدایت
ترجمہ
کیمیائے سعادت

گلدستہ خواتین